اُردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ

Urdu Mein Afsanavi Tarajim ka Tanqeedi Jaaeza

مقالہ برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی

(مطالعات ترجمہ)

2018ء

نگراں

ڈاکٹر کہکشاں لطیف

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ترجمہ

مقالہ نگار

محمد کلیم محی الدین

En.No.A160983

شعبہ ترجمہ

اسکول برائے السنہ، لسانیات و ہندوستانیات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد 032 500، تلنگانہ، انڈیا

DECLARATION

I do hereby declare that this thesis entitled Urdu Mein Afsanavi Tarajim ka Tanqeedi Jaaeza is original research carried out by me. No part of this thesis was published, or submitted to any other University/Institution for the award of any Degree/Diploma.

Mohammed Kalim Mohiuddin

Place: Hyderabad.
Date:

CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled**Urdu Mein Afsanavi Tarajim ka Tanqeedi Jaaeza,** submitted for the award of the Degree of Doctor of Philosophy in Translation Studies ,School of Languages Lingusitic & Indology Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad, is the result of the original research work carried out by Mr. **Mohammed Kalim Mohiuddin** under my supervision and to the best of my knowledge and belief, the work embodied in this thesis does not form part of any thesis/dissertation already submitted to any University/Institution for the award of any Degree/Diploma.

Research Supervisor

Dr.Kahkashan Latif
(Assistant Professor, Department of Translation , MANUU)

Head of The Department

Prof.Mohd.Zafaruddin

Dean SLL&I

Prof.Mohd.Naseemuddin Farees

فہرست

پیش لفظ 5

باب اول 11

افسانوی ادب کی تعریف، تراجم کا آغاز وارتقاء

باب دوم 47

افسانوی تراجم کی اہمیت

باب سوم 63

اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کی روایت

باب چہارم 71

اُردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ

باب پنجم 279

حاصل مطالعہ

کتابیات

پیش لفظ

پی ایچ ڈی کی تحقیق کے سلسلہ میں مقالہ کی تیاری اہم مرحلہ ہوتا ہے۔سب سے پہلے موضوع کا انتخاب ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں شفیق اساتذہ نے مجھے افسانوں میں دلچسپی کی مناسبت سے ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' عنوان دیا۔ظاہری طور پر یہ نہایت وسیع نظر آرہا ہے۔افسانوی ادب میں داستان، ناول، ڈرامے، افسانے شامل ہیں۔اردو کی ابتداء سے حال تک سینکڑوں مترجمین نے کئی زبانوں میں ہزارہا کتابوں کے تراجم کئے ہیں۔ان سب کا جائزہ لینا یقیناً سمندر کو کوزے میں سمیٹنے کے مترادف ہے۔نگران کار نے تمام کتابوں کی بجائے اہم،نوبل انعام یافتہ،ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈیافتہ اور منتخب افسانوی ادب کا جائزہ لینے کی صلاح دی۔

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے عنوان کے تحت مقالہ کے ابواب کی تقسیم اس طرح کی گئی

باب اول (1):افسانوی ادب کی تعریف،تراجم کا آغاز وارتقاء

یہ تمہیدی باب ہے اس لیے اس مقالہ سے متعلق بنیادیں باتیں اس میں شامل کی گئی۔موضوع کی مناسبت سے اس باب میں تراجم کے آغاز وارتقاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔حسب ذیل تین ذیلی عنوانات کے تحت اس باب کو رقم کیا گیا ہے۔

(الف) افسانوی ادب کی تعریف،(ب) افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء،(ج) افسانوی تراجم کی تفصیل

باب اول عنوان کے تحت افسانوی ادب کی مختلف اصناف جیسے داستان، ناول، ڈراما اور افسانوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔افسانوں ادب کی تعریف کے بعد افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء رکھا گیا ہے۔اردو میں اس افسانوی ادب کا آغاز کیسے ہوا اس پر بحث کی گئی۔ ہر صنف سخن کے آخر میں تراجم کی مختصر تفصیل بیان کی گئی ہے۔

باب دوم (2): افسانوی تراجم کی اہمیت

افسانوی ادب کی تعریف، اس کے آغاز وارتقاء کے بعد اس کی اہمیت پر دوسرا باب باندھا گیا ہے۔ اس باب میں افسانوی تراجم کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مختلف میدانوں میں جیسے ادبی۔ سماجی وثقافتی۔ تاریخی۔ سوانحی وغیرہ کو اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔

کسی بھی زبان کے ادب کو ہمیشہ دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کا عمل جاری رہنا چاہئے۔ دوسری زبانوں کی کہانیاں ادب میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ وہیں دوسری تہذیب، تمدن اور ثقافت سے واقفیت کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ تخلیق کی طرح ترجمہ کے ذریعہ سے ایک اچھا ادب سامنے آتا ہے۔ ترجمہ کی ادبی اہمیت ایسی ہے جیسے کسی انسان کو زندہ رہنے کے لئے پانی ضروری ہے۔ انسان کو نیا سیکھنے اور جاننے کی ہمیشہ سے ہی جستجو رہی ہے اسی جستجو نے اسے مختلف مما لک کا دورہ کرنے کے لئے اکسایا ہے۔ نئی نئی کہانیاں سیکھنے کے لئے اسے ترجمہ کا سہارا لینا پڑا۔

غرض اس باب میں ترجمہ کی ادبی، سماجی اور تاریخی وغیرہ میں اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب سوم (3): اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کی روایت

تیسرا باب افسانوی ادب کی روایت سے متعلق ہے۔ اس باب میں ترجمہ کی ہندوستان میں روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسے مزید دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم ہوئے

اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم کے شواہد ملتے ہیں ان پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی۔ بیرونی زبانوں میں فرانسیسی، انگریزی، روسی، جاپانی اور جرمن وغیرہ شامل ہیں۔

(ب) اہم ہندوستانی زبانیں جن سے اردو میں تراجم ہوئے

اس کے تحت علاقائی زبانیں آتی ہیں جیسے ہندی، مراٹھی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، کشمیری، تامل، ملیالم اور تلگو وغیرہ۔ ان زبانوں سے بھی اردو میں ترجمے ہوئے ہیں۔ ان تمام زبانوں کا مختصر لیکن اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔ اس باب میں تمہیدی طور پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔

باب چہارم (4): اُردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ

اس باب میں افسانوی ادب کے مشہور،نوبل انعام یافتہ،ساہتیہ اکاڈیمی انعام یافتہ،اورمنتخب تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔یہ اس مقالہ کلیدی باب ہے۔اس باب میں شامل دو کتابوں کے سوا تمام افسانوی مجموعے اور ناول وغیرہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ شامل کئے گئے ہیں۔افریقی ، روسی،چینی زبان کے افسانوں کے انگریزی مجموعے اور ان کے ترجمے کو شامل کیا گیا ہے۔صرف داستان میں ''سنگھاسن بتیسی'' کو شامل کیا گیا ہے جو ہندی سے اردو میں داخل ہوئی ہے۔اس کے علاوہ مراٹھی زبان کا ناول ''کوسلا'' کا شامل کیا گیا ہے۔باقی تمام افسانوی ادب انگریزی ہی کے معرفت لیا گیا ہے۔اس باب میں شامل مختلف اصناف کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔سب سے قدیم صنفِ سخن کو پہلے رکھا گیا ہے اس کے بعد دوسری اور ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے

(الف) داستان۔دیگر افسانوی اصناف کے مقابلے میں داستانیں کم ہی ترجمہ ہوئی ہیں اس لئے اسے کم ہی شامل کیا گیا ہے۔

(ب) ڈرامے۔مشہور ڈراما نویس شیکسپیئر (William Shakespeare) کے ڈرامے ''ہیملٹ'' (Hamlet) کے اردو تراجم کا انتخاب اور آسکر وائیلڈ (Oscar Wilde) کے ڈرامے ''ویرا'' (Vera; or, The Nihilists) کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

(ج) افسانے۔افسانے مقبول عام صنف ہے۔یہ سب سے زیادہ ترجمہ ہوئے ہیں۔صرف منتخب افسانوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ انگریزی زبان کے مشہور مصنفین کے علاوہ جرمن مصنف فرانز کافکا،روسی مصنف ٹالسٹائی،آفریقی و دیگر مصنفین کے انگریزی زبان کے معرفت تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

(د) ناول۔ادبی دنیا میں ناول نے تہلکہ مچا دیا۔مشہور انعام یافتہ اور مقبول ترین ناولوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ ناول شامل ہیں جب کہ صرف ایک ناول ''کوسلہ'' Kosala مراٹھی زبان ہے جسے اس مقالہ میں شامل کیا گیا ہے۔

باب پنجم (5): مجموعی جائزہ ہے۔

افسانوں کا ترجمہ کرتے وقت زماں ومکاں اور تہذیبی الفاظ کو مدنظر رکھنا ہوتا ہے۔بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو انگریزی ڈکشنری میں شامل نہیں ہوتے لیکن ان کے مفہوم کو اردو میں لانا ہوتا ہے۔ایسے الفاظ تک رسائی کر کے ان کے مفہوم کو اردو میں برتنے پر ہی ترجمہ مکمل صحیح ہوتا ہے۔مقامی چیزوں کے نام بھی اہم ہوتے ہیں جن کو سمجھنا دشوار ہے۔اسی کی طرف مشہور مترجم خورشید اقبال جنھوں نے افریقی افسانہ نگاروں کی کہانیوں کا ترجمہ کیا ہے جو انگریزی میں لکھی گئی تھی، نے اس طرح توجہ دلائی ہے:

مثال کے طور پر افسانوں میں افریقی لباسوں کے نام جیسے Capulana, Djellaba, Jalabiya, Galabia, Danshiki, Doek, Boubou وغیرہ کے نام آئے ہیں، افریقی کھانوں کے نام جیسے Ugba, Akara, Akamu, Mealie-meal وغیرہ کے نام آئے ہیں، افریقی کرنسیوں کے نام جیسے Kwanza, Pula, Nakfa, Dalasi, Loti, Naira, Dobra, Lilangeni وغیرہ کا استعمال ہوا ہے، غیرافریقیوں خصوصاً یورپی سفید فاموں کے لیے استعمال ہونے والے نام جیسے Mzungu, Boer وغیرہ استعمال ہوئے ہیں، رنگوں کے افریقی نام جیسے Zik، Balewa، Awolowo، Lugard وغیرہ اور پیمائش کی اکائیاں Morgen اور Feddan وغیرہ کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جو خالص افریقی ہیں اور کسی انگریزی ڈکشنری میں نہیں ملیں گے۔ میں نے ہر ایسے لفظ کو انٹرنیٹ پر کھنگال ڈالا اور اسے اچھی طرح سمجھنے کے بعد ہی اس کا استعمال کیا۔ ویسے ہی ہر کہانی کے ساتھ وہاں کے لوکل کلچر اور رسم ورواج کو بھی انٹرنیٹ کی مدد سے سمجھنے کا کام کیا۔

(خورشید اقبال، انٹرویو بذریعہ ٹیلی فون، 6؍جولائی 2017ء)

مذکورہ بالا اقتباس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مقامی الفاظ جو لباس، کرنسی وغیرہ کی نمائندگی کرتے ہیں کو سمجھنا اور اس پس منظر میں سمجھنا جس میں مصنف کہنا چاہتا ہے ترجمہ نگاری کے لئے نہایت اہم ہے۔ بعض دفعہ ایک لفظ کو سمجھنے کے لئے کئی کئی ویب سائٹس کو کھنگالنا پڑتا ہے۔

اس مقالہ میں شامل سبھی اصناف کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے وقت کسی ایک طریقہ کار کو اختیار کرنے کے بجائے حسب ضرورت اصل متن کا منتخب اقتباس اور اس ترجمہ کو پیش کیا گیا ہے تاکہ معنوی اور فنی اعتبار سے دونوں کے فرق کو بخوبی سمجھا جاسکے۔ مزید برآں تہذیبی پس منظر کو اجاگر کرنے والے چند اقتباس اور ان کے تراجم کی مثالوں کی روشنی میں زیر بحث لانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ تہذیبی امتیازات کی وضاحت ہوسکے۔ بعض مقامات پر زمان ومکاں کی ترجمانی کرنے والی کہانیوں

کوموضوع گفتگو بنا کران سے مرتب ہونے والے اثرات کوواضح کیا گیا ہے۔

بعض کہانیوں میں ایسی مماثلت بھی منعکس ہوئی جو کائنات کے تمام انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے یکساں مسائل کی نشاندہی کرتی ہے۔مثال کے طور پر فرانز کافکا اور سعید نفیسی کا افسانہ جس میں سماج کے کمزور طبقہ کومسائل کواجاگر کیا گیا ہے۔

فرانز کافکا جرمن ادیب ہیں ان کا افسانہ ’بالٹی سوار‘(The Bucket Rider) یہ ایک جدید افسانہ ہے۔ بے رحم سماج پر شدید تنقید کی گئی ہے۔شدید سردی ہے اور اس سردی میں آتش داں ہی واحد ذریعہ ہے گرمی حاصل کرنے کا ایسے میں کہانی کا ہیرو خود کلامی میں کہتا ہے کہ اب اس سردی سے بچنے کے لیے اس کے آتش داں میں کوئی گرمی نہیں ہے اور اس میں ڈالنے کے لیے اس کے پاس کوئلہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی اسے خریدنے کے لیے پیسے ہیں۔ وہ دکاندار کے پاس جاتا ہے تا کہ کچھ کوئلہ ادھار مانگ لائے۔ اپنی مجبور کو دیکھتا ہے اور خالی بالٹی اٹھا کر وہ اس طرح چلتا ہے کہ وہ خالی اور ہلکی بالٹی میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ جب وہ مجبوری کے عالم میں کوئلہ والے سے کوئلہ ادھار مانگتا ہے تو کوئلہ والے کی بیوی کہتی ہے کہ سردی کی وجہ سے کوئی سڑک پر نہیں ہے اور ہمیں اب دکان بند کر دینا چاہیے۔خراب کوئلہ اور تھوڑا کوئلہ بھی وہ ادھار دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے اور اس کڑاکے کی سردی میں وہ بالٹی لے کر واپس آتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سرد ہو جاتا ہے۔

اسی کی بازگشت ایرانی افسانہ ’’دم واپسی‘‘ میں نظر آتی ہے۔اس افسانہ کو سعید نفیسی نے لکھا ہے۔جس کا ترجمہ حامد حسن قادری نے کیا ہے۔’دم واپسی‘ یہ کہانی انسانوں کے دلوں سے ایک دوسرے کے لئے رحم کے ختم ہونے کو بیان کرتی ہے۔آج ہر انسان کو صرف اپنی پڑی ہے۔خود غرضی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔مریم نہایت غریب ہے اور اسے گرمی حاصل کرنے کے لئے لکڑی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیتا۔چالیس دن سے سردی کو برداشت کرنے کے بعد آخر کار وہ مرجاتی ہے لیکن اس کے اطراف بسنے والے انسانوں کی انسانیت کو ذرا بھی ترس نہیں آتا۔کسی انسان کی جان کی قیمت بہت ہوتی ہے۔اگر کوئی ایک آدمی بھوک سے یا پھر سردی میں گرمی نہ ملنے سے مرجاتا ہے تو یہ ساری انسانیت کے لئے مایوس کن ہے۔

اس مقالہ کی بحث سے یہ نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں کہ ’’اردو ادب پر مغربی اور ہندوستانی زبانوں کے بالخصوص تراجم کے توسط سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں انھیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ اثرات سماجی ،تہذیبی اور فنی خصوصیات کے ساتھ ساتھ انسانی حقیقت نگاری کی غمازی تو کرتے ہی ہیں نیز موضوعات کی ندرت اور وسعت کو اجاگر کرتے ہیں‘‘۔

اظہار تشکر میں سب سے پہلے اللہ رب العالمین شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے فضل سے ہی یہ کام اپنے تکمیل کے مراحل

تک پہنچا۔اس کے بعد میں نگران کار محترمہ کہکشاں لطیف صاحبہ کا بے حد شکر گذار ہوں۔انھوں نے تحقیق کے ہر مرحلہ پر میں رہنمائی فرمائی۔ان کی مدد و رہنمائی کے سبب ہی یہ مقالہ آج تکمیل کے مرحلہ کو پہنچا۔

میں صدر شعبہ ترجمہ خالد مبشر الظفر صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں۔

دیگر اساتذہ جناب ظفر الدین صاحب،

جناب جنید ذاکر صاحب

جناب فہیم الدین صاحب

جناب محمود کاظمی صاحب

ان کے علاوہ جناب نوید صاحب کا بھی شکر گذار ہوں۔جنھوں نے انتظامی امور سے متعلق میری رہنمائی فرمائی۔

عرفان بھائی کا بھی شکر گذار ہوں۔

میں تمام ساتھیوں کا شکر گذار ہوں۔خاص طور پر محمد ماجد بھائی کا بے حد شکر گذار ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً میری رہنمائی فرمائی۔پی ایچ ڈی کے تمام ساتھیوں محمد عبدالواسع ،عتیق الرحمٰن ،وہاج الدین ،خالد صدیقی اور دیگر کا بے حد ممنون ہوں۔

اپنے والدین کا شکر گذار ہوں جن کی شفقت اور رہنمائی کی وجہ سے ہی میں اپنی تعلیم میں آگے بڑھ سکا ہوں۔اپنی اہلیہ کا بھی شکر گذار ہوں۔اپنے تمام رشتہ داروں اور دوست احباب کا شکر گذار ہوں۔جن کی ہمت افزائی میرے کام آئی۔

☆☆☆

باب اول

افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء

افسانوی ادب کی تعریف

ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔ ادب کی دو معروف قسمیں ہیں ایک افسانوی ادب اور دوسرا غیر افسانوی ادب۔ غیر افسانوی ادب میں مضامین، رپورتاژ وغیرہ آتے ہیں۔ افسانوی ادب ایک وسیع میدان ہے جہاں پر بہت ساری افسانوی اصناف ملتی ہیں۔ جیسے داستانیں، ناول، ڈرامے اور افسانے۔

افسانہ کی تعریف لغت میں اس طرح ہے:

(۱) داستان۔ قصہ۔ کہانی۔ (۲) چھوٹی بات (۳) سرگذشتہ۔ حال۔ روئداد (۴)

طویل بات (۵) ذکر۔ مذکور۔ چرچا۔'' 1

قصہ، کہانی ابتداء سے انسان کی تفریح کا سامان رہے ہیں۔ قصہ گو حضرات نے مختلف ادوار میں لوگوں کو اپنے قصوں سے محظوظ کیا ہے۔ کہانی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک حقیقی اور دوسرا مافوق الفطرت۔ پہلے زمانے میں لوگ مافوق الفطرت (Super Natural) ہیروز کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کی کہانیوں میں جن، بھوت، پری، دیو وغیرہ ہوتے تھے۔ بعد میں زمانہ تبدیل ہوا۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی کئی تبدیلیاں آئیں۔ مزدوروں نے اپنے حقوق کے لیے آوازیں اٹھائیں۔ وہ اب تبدیلی چاہتے تھے۔ پری اور بادشاہوں کے کہانیوں کی جگہ انھوں نے حقیقتوں سے ملتی جلتی کہانیاں سننی پسند کی۔ یوروپ سے ہندوستان کا رابطہ مضبوط ہوا۔ اس میں نہ صرف معاشی بلکہ ادبی تبادلہ بھی ہونے لگا۔ انگریزی ادب کی مختلف اصناف اردو میں آگئیں۔ اسے یہاں کے ادیبوں نے سرآنکھوں پر رکھا۔ اردو نے اپنا دامن ان اصناف سے وسیع کیا۔

افسانوی ادب (Fiction) کو ہندوستان میں بڑے پیمانے پر پذیرائی ملی۔ افسانوی ادب میں سب سے پہلے داستانیں آتی ہیں۔ داستانیں ہندوستان کی آزادی سے پہلے کافی عروج پر تھیں۔ عوام و خاص کو فرصت میسر تھی اور طویل داستانیں سنا کرتے تھے۔ خاص طور پر عربی زبان سے اردو میں آئی داستانیں کافی مشہور ہوئیں۔ 'الف لیلیٰ' کافی مشہور داستان ہے۔

سنسکرت کی داستانیں بھی اردو میں مقبول ہوئیں۔ جن میں ''سنگھاسن بتیسی'' اور ''وکرم بیتا'' شامل ہیں۔ زیادہ داستانوں کی سرپرستی بادشاہوں نے کی تھی۔ بادشاہ فرصت کے لمحات کو پرکیف بنانے کے لیے داستانیں سنا کرتے تھے۔ بادشاہوں اور درباروں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی داستان کو بھی زوال آیا۔ عوام دوسری اصناف کی طرف اپنی دلچسپی دکھانے لگی۔

داستانوں کے زوال کے بعد ''ڈراما'' (Drama) کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ انگریزی ادیبوں نے کافی مشہور ڈرامے لکھے جن میں شیکسپیئر کے ڈرامے کافی مشہور ہے۔ ''انٹونی اور قلوپطرہ''، ''ہیملیٹ'' وغیرہ مشہور ڈرامے ہیں۔ ہندوستانی ادیبوں نے بھی مشہور ڈرامے لکھے ہیں۔ ان میں ''انا کلی''، ''رستم اور سہراب'' وغیرہ مشہور ہوئے ہیں۔

ڈراما کی مقبولیت بھی عوام میں کم ہوگئی اس کی جگہ ناول (Novel) نے لے لی۔ ڈرامے کی مقبولیت میں کمی کے اسباب میں یہ بھی شامل تھا کہ کسی کی نقل اتارنا اسلام میں جائز نہیں اور ڈراموں میں موسیقی بھی ہوتی جو کہ جائز نہیں۔ مسلمان ڈراموں سے دور ہوتے گئے۔ اس کے بعد ناول انگریزی ادب سے یہاں آیا تھا۔ ہندوستانی ادیبوں نے کئی انگریزی ناولوں کا ترجمہ کیا۔ کئی ناولوں میں تبدیلیاں کرتے ہوئے اسے ہندوستانی قالب میں ڈھال دیا۔ ناول میں حقیقی زندگی ہوتی تھی لوگ اسے کافی پسند کرتے تھے۔ بعض دفعہ یہ حقیقتیں کچھ اس طرح بیان کی جاتی تھیں کہ پڑھنے والے اسے حقیقی زندگی میں تلاش کرنے لگتے تھے۔ مرزا ہادی رسوا نے جب ناول ''امراؤ جان ادا'' لکھا تو اس وقت کئی قارئین نے لکھنو کا رخ کیا۔ وہ امراؤ جان ادا سے ملنے کے لیے وہاں گئے تھے۔ رسوا نے کہانی کچھ اس طرح بیان کی کہ اس فنکاری کو لوگ حقیقت کو بیان کرنا سمجھنے لگے۔

وقت گذرتا گیا۔ صنعتی انقلاب کے بعد انسانوں کی زندگی مشینوں کی طرح مصروف ہوگئی اور داستانیں، ناول وغیرہ کے لیے وقت نہیں بچا پانے لگے۔ کم وقت میں مکمل پڑھنے کے لیے اسی صنف کی ضرورت تھی جو حقیقت سے قریب بھی ہو اور کہانی بھی اس میں لازماً ہو۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے انگریزی ادب سے ایک اور صنف ہندوستان میں مقبول ہونے لگی۔ یہ تھی افسانہ (Short Story)۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی مشینوں اور کارخانوں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ لوگ بہت زیادہ مصروف ہوگئے تھے۔ ان کے پاس بڑی داستانیں یا کئی جلدوں پر محیط ناول پڑھنے کا وقت نہیں تھا۔ انھیں مختصر کہانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پوری کہانی ایک نشست میں ختم کی جاسکتی ہو۔ ایسی کہانی جس میں زندگی کی جھلک بھی ہو اور کہانی بھی ہو۔ افسانہ کی خصوصیات کے پیش نظر اسے یہاں بہت پسند کیا جانے لگا۔ ابتداء میں بڑے پیمانے پر انگریزی افسانوں کے تراجم ہوئے۔ بعض مترجمین نے ترجمہ کرنے کے بجائے ترجمانی کرتے ہوئے اسے ہندوستانی قالب میں ڈھالا اور اپنے نام سے شائع بھی کروایا۔

ابتدائی مترجمین میں سعادت حسن منٹو کا نام بھی آتا ہے۔انھوں نے روسی افسانوں کے تراجم پہلے پہل کئے۔اس کے بعد فرانسیسی اور انگریزی کے افسانوں کے تراجم بھی کئے۔منٹو نے ترجمہ شدہ افسانوں کے بعد خود افسانے تخلیق کرنے کا آغاز کیا۔آزادی کے بعد کئی افسانہ نگاروں نے انگریزی سے ترجمہ کئے ہیں۔عصمت چغتائی، حسن عسکری اور پاکستان کے کئی کالم نگاروں نے انگریزی ادب کے شاہکاروں کے تراجم کئے جو وہاں کے میگزینس میں سلسلہ اقساط میں شائع ہوئے۔یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔انگریزی ادب سے افسانے ترجمہ ہو رہے ہیں۔ ہندوستانی افسانے بھی یوروپی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ ہو رہے ہیں۔

اس تعارف کے بعد افسانوی ادب کی مختلف اصناف کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔سب سے پہلے (i) داستان، اس کے بعد (ii) ڈراما، (iii) ناول اور آخر میں افسانے کا جائزہ لیا جائے گا۔

(i)داستان

داستان کی تعریف:

داستان طویل قصہ یا کہانی کو کہتے ہیں۔اس قصہ میں کئی ذیلی قصے اور کہانیاں ہو سکتے ہیں۔ مافوق الفطرت کردار بھی ہوتے ہیں جیسے جن، پری، راکشس وغیرہ۔لغت میں داستان کے معنی قصہ، کہانی، واقعہ، سرگزشت وغیرہ کے آتے ہیں۔

لفظ ''داستان'' فارسی سے اردو میں داخل ہوا اور بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں سب سے پہلے 1649ء کو ''خاورنامہ'' میں تحریراً مستعمل ہوا۔

داستان کا آغاز وارتقاء:

داستانوں کی ابتداء نظم سے ہوئی۔ابتداء میں داستانیں منظوم لکھی جاتی تھیں۔جیسے الف لیلیٰ، گلشن عشق، قطب مشتری وغیرہ۔اس کے بعد نثری داستانیں لکھی گئیں۔

داستانوں کے تراجم مختلف زبانوں سے ہوئے ہیں۔ان میں سب سے پہلے سنسکرت کا نمبر آتا ہے۔سنسکرت کی اصل رکھنے والی داستانیں جیسے بیتال پچیسی، کلیہ و دمنہ، سنگھاسن بتیسی، طوطا کہانی اور گل بکاؤلی وغیرہ۔ یہ داستانیں ترجمہ ہوکر عرب و ایران پہنچیں بعد میں اردو میں منتقل ہوئیں۔

بعض داستانیں خالص عربی وایرانی ہیں مثلاً: سب رس اور الف لیلیٰ وغیرہ۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان آئیں اور اردو میں منتقل ہوئیں۔

بعض داستانیں ہندوستان میں ہی فارسی زبان میں لکھی گئیں اور بعد میں اردو میں منتقل ہوئیں۔مثلاً: داستان امیر حمزہ، طلسم ہوش ربا، قصہ چہار درویش، بوستان خیال وغیرہ۔بعد میں یہ داستانیں اردو میں منتقل ہوئیں۔

ہندوستانی ادیبوں نے بھی بعض طبع زاد خالص داستانیں لکھی ہیں مثلاً فسانہ آزاد اور فسانہ عجائب وغیرہ۔

داستانوں کی مقبولیت مغل بادشاہوں کے دور میں ہر خاص و عام تھی۔ آسودہ حالی اور وقت کی بے انتہا فراوانی تھی۔ وقت گذاری اور رت جگوں کے لیے داستان گوئی ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ ابتدائی داستانوں کے بارے میں ڈاکٹر سید محمد یحییٰ صبا نے اپنے طویل اور تحقیقی مضمون میں بھی اسی کی نشاندہی کی ہے کہ جسے یہاں حوالے کے طور پر مختصراً پیش کیا جا رہا ہے:

''اردو ادب میں باقاعدہ داستانوں کا آغاز اٹھارویں صدی کے آخر میں تحسین کی ''نو طرز مرصع'' سے ہوتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں تحسین کی ''نوطرز مرصع''، باغ و بہار اور انشاء کی ''رانی کیتکی'' کی داستانوں کو چھوڑ کر میر امن کی باغ و بہار ''حیدر بخش حیدری'' آرائش محفل''، طوطا کہانی''، خلیل علی خاں اشک کی ''داستان امیر حمزہ'' بہار علی حسینی کی ''نثر بے نظیر''، مظہر علی ولا اور للولال کی ''بیتال پچیسی'' کاظم علی جوان اور للولال کو کی ''سنگھاسن بتیسی''، جیسی داستانیں فورٹ ولیم کالج کے تحت تصنیف ہوئیں اور اس کے بعد محمد بخش مہجوری کی ''نورتن''، سرور کی ''فسانہ عجائب''، نیم چند کھتری کی ''گل صنوبر'' الف لیلیٰ'''' بوستان خیال''، طلسم ہوش ربا'' سخن دہلوی کی ''سروش سخن'' شیون کی ''طلسم حیرت''، اور الف لیلیٰ'' وغیرہ جیسی مختلف چھوٹی بڑی اور درمیانی داستانیں مخطوطہ و مطبوعہ انیسویں صدی کی آخر تک لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ اس وقت کی داستانیں منطق اور انسانی زندگی کے فلسفہ سے مبرا ان کی دل لگی اور دلچسپی کے وسائل اور اصلاح کے ذرائع فراہم کرنے پر مشتمل ہوتی تھیں ان داستانوں کی ضخامت کا انحصار داستان گویوں پر تھا۔ لوگوں کی فرصت کو گو مدنظر رکھتے ہوئے داستان گو داستان لکھتے تھے۔''2

داستان ظاہری طور پر انسانی زندگی سے مختلف نظر آتی ہے۔ جن، بھوت، پری اور ان سے لڑتا ہوا شہزادہ جس کے پاس جادوئی چیزیں ہوتی ہیں جیسے تلوار جس سے وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو دفع کرتا ہے۔ جادوئی آئینہ ہوتا ہے جس میں جادوگر آنے والا واقعات دیکھ لیتا ہے۔ اس کے باوجود یہ انسانی زندگی سے قریب ہوتے ہیں ان ناولوں کے ذریعہ لوگوں کو ہمت اور بہادری کا بھی درس ملتا ہے۔ بالواسطہ طور پر یہ بتایا جاتا ہے کہ کہانی کے ہیرو کو زندگی کے راستے میں بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن جیت آخر کار سچائی کی ہوتی ہے اور دشمنوں کا خاتمہ ہو کر رہتا ہے۔ ہمیں چاہے جتنی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے پیچھے نہیں ہٹنا

چاہئے۔ جدو جہد اور قوت ارادی کے ذریعے سے محنت جاری رکھنا چاہئے۔ تب کہیں جا کر منزل ضرور ملتی ہے۔ اسی طرح بعض داستانوں میں تشبیہ اور استعارے کے ذریعہ سے بتایا جاتا ہے کہ انسان کیسے زندگی گذارے اور اس کا جسم کا نظام کیسا ہے اور کیا سوچتا ہے۔ بعض داستانوں میں بتایا جاتا ہے کہ 'بدن' ریاست اور 'عقل' بادشاہ ہے 'دل' وزیر ہے۔ یعنی انسانی جسم پر عقل اور دل کی حکومت ہوتی ہے۔

داستان صرف وقت گذاری کا اور کانوں کو خوش کرنے کا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں زندگی کی مثبت سچائیوں کو بیان کیا جاتا ہے اور جدوجہد کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے داستان کے بارے میں اطہر پرویز لکھتے ہیں:

''یہ طے ہے کہ داستان ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس میں عیش و عشرت، لطف وانبساط کی فراوانی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں جرأت، ہمت، شجاعت اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ، خطرات کے درمیان زندہ رہنے کی آرزومندی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہاں انسان اور فطرت کا ٹکراؤ ہے۔ جہاں فتح ہمیشہ انسان کی ہوتی ہے۔ اس کا ارتقاء ہمیشہ ارتقاء کے اصولوں کی طرح رجائی ہوتا ہے۔ یہاں انسان کی شکست نہیں ہوتی، یہاں انسان ہارتا نہیں ورنہ اس کے خواب چکنا چور ہو جائیں۔ یہاں اگر انسان مارا بھی جاتا ہے تو ایک نئی جدوجہد کر کے اس کا سر دوبارہ جوڑ دیا جاتا ہے اور پھر یہ انسان اپنے دشمنوں پر فتح پاتا ہے۔ کوئی داستان المیہ پر ختم نہیں ہوتی۔ داستان زندگی کے ارتقاء کا ایک استعارہ ہے۔ یہاں زندگی کا راز امید ہے نہ کہ مایوسی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ داستانوں کا ایک سرا لوک کہانیوں سے جڑا ہوا ہے اور بقول گورکی ''قنوطیت کا تصور عوامی ادب سے کبھی میل نہیں کھاتا چاہے اس کے لکھنے والوں نے زندگی کو محض ایک مسلسل جدوجہد کے روپ میں کیوں نہ دیکھا ہو۔''

داستانوں میں حکمت اور دنیاوی فراست کے گُر سکھانے کا کچھ احساس تو پایا جاتا ہے لیکن داستان گویوں کی توجہ داستان کے تفریحی پہلو پر زیادہ مرکوز رہی اور انھوں نے تخیل کو اس قدر آزاد چھوڑ دیا کہ زمان و مکان کی قید سے بھی آزاد ہونے لگی اور ممکن اور ناممکن کے

درمیان حدِ فاصل قائم کرنا مشکل ہو گیا۔ یہ صورت کم وبیش ہر ملک میں رہی۔''3

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ داستانوں میں ممکن او رناممکن کے درمیان فرق کو بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔ حقیقت نگاری اور داستان ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ داستانوں میں وہ باتیں نظر آتی ہیں جو ہم صرف خیالات میں دیکھتے ہیں۔ تخیل آنکھوں میں جو نظر آتا ہے وہ ان داستانوں کا جز ہے۔ داستانیں حقیقت سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ ان میں سیکھنے کا پہلو بھی ہوتا ہے لیکن تخیل زیادہ ہوتا ہے۔ کسی بھی زبان وملک کی داستانیں ہوں ان میں تخیل اور مافوق الفطرت عناصر پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

داستانوں کے اردو میں تراجم:

داستانوں کے مختلف زبانوں سے ترجمہ ہوئے ہیں۔ بعض داستانوی تراجم کے بارے میں اس باب کے آغاز میں لکھا جا چکا ہے۔ عربی، فارسی اور انگریزی سے اردو میں داستانیں ترجمہ ہوئیں۔ ابتداء میں داستانیں ترجمہ ہی ہوئی بعد میں بادشاہوں کی فرمائش اور مختلف وجوہات کی بناء پر طبع زاد داستانیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اردو میں کوئی بھی صنف جو دوسری زبانوں سے آئے ہی وہ پہلے ترجمہ کے ذریعے ہی آئی ہے۔ داستانوں کا اردو میں استقبال کیا گیا۔

داستانوں میں الف لیلیٰ کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ اس عربی داستان کا منشی عبدالکریم، کراچی، اردو اکیڈیمی سندھ، نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

مغرب سے جو داستانیں اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے:

'' داستان سرائے: ترجمہ: صادق الخیری، کراچی: شہناز بک ڈپو کلب، داستان / ناول / افسانہ / ڈراما / کہانی / خطوط / آپ بیتی کا انتخاب۔ انگریزی سے ترجمہ۔

داستانِ جہنم: دانتے: ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی، دہلی: ساقی بک ڈپو، ڈراما: انگریزی کی معرفت Divine Commedia کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ عزیز احمد کا طربیہ، خداوندی، کے نام سے ملتا ہے۔

طربیۂ خداوندی (دوجلدیں) دانتے، ترجمہ: عزیز احمد، دہلی: دنجمن ترقی اردو (ہند)، طبع

اول: 1932ء، داستان: Inferno: Divine Commedia کا جرمن زبان سے براہ راست ترجمہ مع مقدمہ وحواشی۔ انجمن نے دوسری بار کراچی سے 1960ء میں شائع کیا

دختر وزیر: ہملس مس، ترجمہ: ن۔ن، گجرات: صوفی منڈی بہاؤالدین، س۔ن، داستان: انگریزی سے ترجمہ: 1923 سے قبل شائع ہوا۔4

مغربی نثری تراجم میں داستانیں کافی کم نظر آتی ہیں۔ مرزا حامد بیگ کی کتاب میں درج اس مختصر فہرست سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

افسانوی ادب میں داستانوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے اس لئے اسے بھی مختصراً ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے پہلے باب میں شامل کیا گیا ہے۔ جدیدیت کے بعد حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہوا اور داستانوں کو زوال ہوا۔ اس لئے طبع زاد اور ترجمہ شدہ داستانوں کی جگہ ناول اور افسانوں نے لے لی۔

(ii) ڈراما

انسان نے پتھر کے دور میں بھی تفریح کے لیے مختلف افراد کی نقل اتارنے لگا۔ رات کو آگ جلائی جاتی اور اس کے اطراف لوگ جمع ہوتے کچھ لوگ دوسروں کی نقل اتارتے اور دیکھنے والوں کو ہنساتے تھے۔ مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے اسٹیج پر یا گلی اور نکڑ پر لوگوں کو جمع کر کے مختلف کرتب دکھائے جاتے تھے۔ یہ سبھی ڈراموں کی مختلف قسمیں ہیں۔ باضابطہ ڈرامہ انگریزی ادب سے اردو میں آیا ہے۔ بڑے پیانے پر انگریزی سے ڈرامے ترجمہ کئے گئے۔

ڈراما کی تعریف:

ڈراما (Drama) انگریزی زبان سے اسم ہے جو اصل مفہوم کے ساتھ عربی رسم الخط میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ تحریراً سب سے پہلے 1907ء میں ''سفرنامۂ ہندوستان'' میں مستعمل ملتا ہے۔ لغت میں اس کے معنی ''ایسا قصہ جو اسٹیج پر اداکاری کے لیے لکھا جائے''، حادثہ یا پریشان کن واقعہ، ڈھونگ وغیرہ ہیں۔

ڈرامے کا آغاز وارتقاء

ڈرامے قدم افسانوی صنف ہے۔ اردو میں اس کا آغاز بہت پہلے ہوا ہے۔ واجد علی شاہ کے رہس اور لیلا نہایت قدیم ہیں جب کہ امانتؔ لکھنوی کی اندر سبھا اور بعد میں بمبئی اور کلکتہ کی تھیٹریکل کمپنیوں نے اردو ڈرامے کے فن کو پروان چڑھایا۔ اردو میں آغا حشر کاشمیری نے ڈرامے کو عروج بخشا۔ آغا حشر کاشمیری سے پہلے کسی نے سنجیدگی سے ڈرامے پر توجہ نہیں کی۔ آغا حشر کاشمیری کے زمانے میں شیکسپیئر کے ڈرامے ترجمہ ہوئے۔ ان میں پلاٹ صرف شیکسپیئر سے لیا گیا ہے باقی تصرف کر کے ڈرامے کو ہندوستانی رنگ اور انداز میں پیش کیا ہے اور اس طرح اردو ڈرامہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔

چند کلاسیکل ڈراموں کے علاوہ اس صنف کو اردو میں مقبول عام کا درجہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ ان میں ''انارکلی'' جو امتیاز علی تاج کا لکھا ہوا ڈراما ہے یہ 1932ء میں شائع ہوا کو بہت زیادہ عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔

اردو ڈراما میں ترجمہ کے بارے میں عظیم الحق جنیدی لکھتے ہیں

''رواںؔ کا ''فریبِ عمل'' یلدرم کا ''خوارزم شاہ''، پطرس کا ''سیب کا درخت'' ڈاکٹر عابد حسین کا ''پردۂ غفلت'' سب کسی نہ کسی ڈرامے کا ترجمہ ہیں لیکن ان ہی کی کوششوں سے اردو ڈرامہ اس دور میں ایک ادبی صنف کی حیثیت سے کچھ نہ کچھ اعتبار حاصل کر لیتا ہے۔ ڈرامے کی ادبی سطح بلند ہوئی تو اور مصنفین بھی اس طرف متوجہ ہوئے اور طبع زاد یا مترجمہ ڈرامے لکھے گئے جن کا مقصد اصلاحی، تعلیمی اور ادبی تھا''۔5

ڈرامے زیادہ تر انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں۔بعض اصل کا نام لکھا ہے اور بعض نے اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا۔بعض نے صرف خیال یا تھیم انگریزی کا لیا ہے اور اپنے الفاظ میں اسے دوبارہ تخلیق کیا ہے۔ڈرامے ترجمہ شدہ ہو یا طبع زاد اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

ڈراموں میں مختلف جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ جذبے مختلف کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ان جذبات کی بناء پر ڈراموں کو مختلف نوعیت میں تقسیم کیا جاتا ہے۔جیسے المیہ، طربیہ وغیرہ۔چنانچہ ڈراموں کی نوعیت کے بارے میں ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

ڈرامہ صرف کوئی نیا خیال یا نیا تصور ہی پیش نہیں کرتا وہ اس فکری قدر کو جذباتی قدر میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔اکثر ڈراموں میں کرداروں کے اپنے تجربات میں ناظرین خود تخیّل میں شریک ہوتے ہیں اس لیے صرف مرکزی خیال تصور یا فکری قدر پر ناظرین نظریں جمائے اور ان سے لَو لگائے بیٹھے نہیں رہتے بلکہ بعض کردار کی باطنی کش مکش، کرب و نشاط اور جذباتی سرگذشت میں شریک اور ان کی زندگی میں خود شامل ہو جاتی ہیں۔اس لیے یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ ڈرامے کی مرکزی جذباتی قدر کون سی ہے اسی بنا پر ڈراموں کو المیہ اور طربیہ کے دو خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن یہ محض ظاہری اور سطحی تقسیم ہے۔دراصل جذباتی قدر کا تصفیہ اس بناء پر کیا جانا چاہیے کہ انسان کے بنیادی جذبوں میں سے کس جذبے سے ڈرامے کا واسطہ سنسکرت شعریات میں انسانی جذبے کی تقسیم کو نورسوں یا نو(9) بنیادی منطقوں میں کی گئی ہے جن بھگتی (مذہبی یا روحانی)، ہاسیہ (مزاحیہ)، شرنگار (رومانی) کرونا

(ہمدردی جگانے والے) جذبات وتصورات اہم ہیں۔

(محمد حسن، اردو ڈراموں کا انتخاب، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، سن اشاعت 1998ء، ص 11)

ڈراموں میں جذبات نگاری اور لوگوں کو ڈرامے سے باندھ کر رکھنے کا ہنر نہایت اہم ہوتا ہے۔ اس کے لیے بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ ڈراما چاہے المیہ ہو یا طربیہ اس میں تجسس ہو یا روانی اس کا پلاٹ نہایت اہم ہوتا ہے۔ ڈرامہ میں مکالمہ نگاری نہایت اہم ہوتی ہے۔ اسی کے سہارے ڈرامے کے کردار اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی بات کو سامعین تک پہنچاتے ہیں۔

ڈراما کے اردو میں تراجم:

اردو میں آزادی کے بعد اور آزادی سے پہلے دوسری زبانوں کے شاہکار ڈراموں کے تراجم کئے گئے۔ ان میں زیادہ تر انگریزی ادب سے لئے گئے ہیں۔ انگریزی ادب میں بھی شیکسپیئر کے تقریباً سبھی ڈرامے کے اردو میں تراجم دستیاب ہے۔ مختلف کتابوں اور ویب سائٹس کے ذریعہ تلاش کئے گئے۔ ترجمہ شدہ ڈراموں کے نام دئے جارہے ہیں جو انگریزی سے یا دوسری زبانوں سے انگریزی کی معرفت اردو میں ترجمہ کئے گئے ہیں:

آبشار۔ شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: احمد حسین خان، لاہور: فیروز سنز لمٹیڈ (پاکستان)، س۔ن، افسانے: شیکسپیئر کے 16 ڈراموں کا افسانوی روپ۔

آتھیلو: شیکسپیئر، ولیم ترجمہ: سجاد ظہیر، دہلی: ساہتیہ اکیڈیمی، 1868ء، ص: 168، ڈراما: Othelo کا نہایت عمدہ ترجمہ۔

آر یو آر: چپیک، کیرل، ترجمہ: امتیاز علی تاج و پطرس بخاری، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1967ء، ڈراما: انگریزی سے ترجمہ۔

آغاز ہستی: شاہ، جارج برنارڈ، ترجمہ: مجنوں گورکھپوری، گورکھپور: ایوان اشاعت، س۔ن، ص: 74، ڈراما یہ ترجمہ اول اول رسالہ نگار جنوری۔ فروری 1927ء میں طبع ہوا۔ یہ Back to Mathew Cila کا ترجمہ ہے۔

ابوالخمر: ٹالسٹائی، لیو، ترجمہ: مجنوں گورکھپوری، لکھنو: یونائٹیڈ انڈیا پریس، س۔ن، ڈراما۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ 1944ء سے قبل شائع ہوا۔ یہ ترجمہ پہلی بار نگار دسمبر 1927ء میں شائع ہوا۔ نگار کے 38 صفحات۔

اخبار نویس: سموتوف، ترجمہ: عبداللہ ملک، لاہور، قومی دارالاشاعت پنجاب، ڈراما: روسی ڈراما کا ترجمہ۔

ارنسٹ: آسکر وائلڈ ، ترجمہ: مجنوں گورکھپوری، لاہور: آئینہ ادب، س۔ن، ڈراما: The Importance of being Earnest کا ترجمہ۔ گورکھپور سے پہلی بار 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ایک ترجمہ تمکین کاظمی کا بھی ملتا ہے۔

اسلحہ اور انسان: شا، جارج برنارڈ، ترجمہ: ابو یوسف، گیا: اثر پبلی کیشنز، 1981ء، ص:144، Arms and the Man کا ترجمہ۔

انصاف: گالز وردی، جان، ترجمہ: دیا نرائن نگم، منشی، الہ آباد: ہندوستان اکیڈیمی 1939ء، ڈراما: Justice کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ قاسم محمود کا بھی ملتا ہے جو 1959ء میں شائع لاہور سے شائع ہوا، لفظوں کے الٹ پھیر سے ترجمہ اپنا بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

انگریزی ڈرامے: ترجمہ: مترجمین دہلی کالج، دہلی: دہلی کالج۔ س۔ن، ڈرامے، انگریزی کے منتخب ڈرامے برائے نصاب دہلی کالج۔ ترجمہ 1857ء سے قبل شائع ہوا۔

بارہویں رات: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: مسعود پرویز، لاہور: غیر مطبوعہ، ڈراما: Twelfth Night کا ترجمہ۔ مسز نجم الدین کی فرمائش پر فلمساز، اداکار، ہدایت کار مسعود پرویز نے کینیرڈ کالج لاہور کے اسٹیج کے لیے کیا۔

بدمزاج کا سر کرنا: شیکسپیئر ولی، ترجمہ: احسان اللہ، مولوی، نام مطبع ندارد، 1890ء، ڈراما: The Taming of the Shrew کا اولین ترجمہ۔

بھول بھلیاں: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: فیروز شاہ خان، گورکھپور: نام مطبع ندارد، 1896ء ڈراما: The Comedy of Errors کا ترجمہ۔ اس ڈرامہ کا ترجمہ مرزا نظیر بیگ، لالہ سیتارام الہ آبادی، محمد افضل خان ہمدم، عبدالکریم غنی بدایونی، نے بھی کیا۔

پھول بن: چیخوف، ترجمہ: مخدوم محی الدین، نام مطبع و سن ندارد، ڈراما: The Cherry Orchard کا روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

جرم و سزا: دوستوفسکی، ترجمہ: کمال احمد رضوی، لاہور، شیخ غلام اینڈ سنز بہ اشتراک موسہ فرینکلن، ص: 232، ڈراما: Crime and Punishment کا ترجمہ۔

جولیس سیزر: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: سید تفضّل حسین، حیدرآباد دکن، اختر دکن پریس، افضل گنج، 1923ء، ڈراما: یہ ترجمہ نواب دکن کی فرمائش اور سرپرستی کے تحت شائع ہوا۔ کتاب میں حیدر علی نظم طباطبائی اور مولانا وحید الدین سلیم کے دیباچے شامل ہیں۔ Julius Ceasar کا ترجمہ۔ عنایت اللہ دہلوی، شمشاد حسین صدیقی، سید فیض، باسط سلیم صدیقی، حفیظ جاوید، غلام مصطفیٰ نے بھی Julius Ceasar کا ترجمہ کیا ہے۔

دریائی خاتون: ابسن، ہنرک، ترجمہ: شید احمد، حیدرآباد، دکن، تاج پریس، ڈراما: تلخیص وترجمہ۔

رومیو جولیٹ: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: احسان اللہ، مینجر کریمی لائبریری 1890ء، دراما Romeo and Juliet کا اولین اردو ترجمہ۔

رومیو جولیٹ عرف عشق فیروز لقا گلنار سیر: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: مرزا نظیر بیگ نظیر اکبرآبادی، نام مطبع ندارد، طبع اول 13 فروری 1904ء ڈراما، Romeo and Juliet کا ترجمہ۔اس کے علاوہ امراؤ سنگھ، آگرہ، 1912، عنایت اللہ دہلوی، عزیز احمد، 1941، ستار طاہر لاہور، 1975ء نے بھی رومیو جولیٹ کے اردو میں تراجم کئے ہیں۔

سچی پوجا: ٹیگور، رابندرناتھ، ترجمہ: ن۔ن، لاہور، اردو اکیڈیمی (سندھ) س۔ن، ڈراما، بنگلہ ڈرامے کا انگریزی سے ترجمہ۔

سفید خون: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: آغا حشر کاشمیری، کراچی: اردو اکیڈیمی سندھ، س۔ن، ڈراما۔ King Lear کا ترجمہ، پہلی بار 1906ء میں طبع ہوا۔سردار محمد اور عبدالغنی خلیل بدایونی نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔

شہید وفا: سکاٹ (سر) والٹر۔ ترجمہ: عبدالحلیم شرر، مولانا، ڈراما۔Othelo انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

کلیات مولیئر (جلد اول) مولیئر، انتخاب وترجمہ: محمد عمر، نام مطبع و سنہ ندارد، ڈرامے۔فرانسیسی سے چار طربیہ ڈراموں بالترتیب شوہروں کا مکتب، بیویوں کا مکتب، بیویوں کے مکتب کا تجزیہ اور گنبد صحرا کا ترجمہ۔

مالن: شاہ، جارج برنارڈ، ترجمہ: محمد اکبر وفاقی، نام و مطبع و سنہ ندارد، ڈراما۔ انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

مشاطہ: وائلڈر، تھارنٹن، ترجمہ: عشرت رحمانی، کراچی، اردو اکیڈیمی سندھ، س۔ن، ڈراما۔ The Mach Maker کا ترجمہ۔دوسری بار مکتبہ اشاعت ادب عنایت اللہ بلڈنگ لاہور نے شائع کیا۔

نکاح بالجبر: مولیئر، ترجمہ: وہاج الدین، نام مطبع و سنہ ندارد، ڈراما Forced Marriage کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

وارڈ نمبر 6: چیخوف، ترجمہ: شاہنہ بدر انصاری، لاہور: مکتبہ شاہکار پوسٹ بکس 1754، ڈراما۔روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

ہوش کے ناخن: شاہ، جارج برنارڈ، ترجمہ: مخدوم محی الدین و مولوی میر حسن، حیدرآباد دکن: نام مطبع و سنہ ندارد، ڈراما۔انگریزی سے اسٹیج کے لیے دکنی زبان میں ترجمہ۔

ہیملٹ: شیکسپیئر، ولیم، ترجمہ: امتیاز علی، مولوی ، نام مطبع ندارد، طبع اول : 1888ء، ڈراما۔
Hamlet کا ترجمہ۔

عابد نواز جنگ (1939) مصطفیٰ زیدی (1960)، سید عبدالباقی) فراق گورکھپوری (1976) نے
بھی اس ڈرامہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔6

مذکورہ بالا فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو میں ڈراموں کے تراجم بڑے پیمانے پر کئے گئے ہیں۔ بہت قدیم نسخے بھی دستیاب ہیں۔ڈراموں کے تراجم کی روایت آزادی سے پہلے سے ہے اور حال تک بھی ترجموں کے سلسلے جاری ہیں۔

پہلے باب یعنی تمہیدی باب کی مناسبت سے یہاں پر چند نام دیئے گئے ہیں۔آئندہ ابواب میں بعض ڈراموں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

ناول (iii)

ناول تعریف:

اطالوی زبان کے لفظ Novella سے انگریزی زبان میں مخفف Novel اردو میں اصل مفہوم کے ساتھ داخل ہوا اور عربی رسم الخط میں بطور اسم اور کبھی بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ 1890ء کو ''فسانۂ دلفریب'' میں تحریراً مستعمل ہوا۔ لغت میں اس کے معنی نیا، عجیب اور انوکھا ہیں۔

ادب میں ناول سے مراد وہ صنفِ سخن ہے جس میں زندگی کی حقیقت نظر آتی ہو۔ ایک ایسی نثر جس کی کہانی حقیقی لگے۔ ناول کے موضوعات مختلف ہوتے ہیں۔ ایک طویل قصہ ناول بن سکتا ہے۔ ناول میں چند اشعار ہو سکتے ہیں لیکن شاعری کی کتاب ناول نہیں ہو سکتی۔ ناول میں بہت سارے تجربے بھی کئے گئے ہیں لیکن ناول کی روح حقیقت سے جڑی کہانی ہے۔ انگریزی پروفیسر بیکر نے ناول کی تعریف اس طرح کی ہے:

> ''ناول نثری قصے کے ذریعے انسانی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ بجائے ایک شاعرانہ وجذباتی نظریۂ حیات کے ایک فلسفیانہ، سائنٹفک یا کم سے کم ایک ذہنی تنقید حیات پیش کرتا ہے۔ قصے کی کوئی کتاب اس وقت تک ناول نہ کہلائے گی جب تک وہ نثر میں نہ ہو۔ حقیقی زندگی کی ہو بہو تصویر یا اس کے مانند کوئی چیز نہ ہو، اور ایک خاص ذہنی رجحان (نقطۂ نظر) کے زیر اثر اس میں ایک طرح کی یک رنگی وربط نہ موجود ہو''۔7

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے نثری قصے کو ناول کہا جاتا ہے جس میں انسانی زندگی کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ کہانی اور حقیقت نگاری کے حسین امتزاج کو ناول کہتے ہیں۔

وکی پیڈیا کے مطابق:

"A novel is a long narrative, normally in prose, which

describes fictional characters and events, usually in the form of a sequential story."8

ناول ایک ایسی مسلسل کہانی ہے جوطویل ہو۔ عام طور پر نثر میں ہوتی ہے۔ افسانوی کردار ہوتے ہیں۔

آغاز وارتقاء:

انسان ہمیشہ سے کہانیاں سننا پسند کرتا ہے۔ جس طرح بولنا، سننا سمجھنا محسوس کرنا انسان کی فطرت میں ہے اس طرح کہانی بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ زمانہ قدیم میں جب انسان جنگل اور پہاڑوں کا رہتا تھا اس وقت ان کا نہ کوئی کنبہ تھا نہ قبیلہ اور نہ انہیں تہذیب، معاشرے یا سیاست سے کوئی مطلب تھا۔ دن گذرتا گیا عہد بہ عہد حضرت انسان ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا۔ جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر چند افراد خاندان اور قبیلہ کی شکل میں سماجی طور پر زندگی بسر کرنے لگے۔ اپنی ضروریات کے پیش نظر ایک دوسرے کے قریب ہونے اور ایک دوسرے کے درد وغم اور خوشی میں شریک ہونے لگے۔ انسانی زندگی کا معیار اونچا ہونے لگا سماج میں تہذیب وتمدن تعلیم وتربیت کا بھی فروغ ہوا۔ انہیں دنوں تھکے ماندے یہ انسان اپنے وقت کو آرام وراحت کے ساتھ گذارانے کے لئے موقع بہ موقع ایک ساتھ چند افراد مل بیٹھ کر مافوق الفطری عناصر پر مبنی بات چیت کرتے تھے جو کہانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ جو عشقیہ اور تمثیلی رنگ لیے ہوئے مافوق الفطری عناصر پر مبنی ہوتی تھی جس کا مقصد آرام، چین، سیر وتفریح تھا مگر جب دھیرے دھیرے انسان تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ ہوتا گیا تو اس کے سوچنے سمجھنے اور زندگی گذارنے کا معیار بھی بدلتا گیا ایسی صورت میں مافوق الفطری عناصر سے مبرّا خاص تمثیلی پیرائے میں کہانی اور داستانیں لکھیں جس کا مقصد انسانی زندگی کی اصلاح تھی ان کہانیوں اور داستانوں میں پند ونصیحت شامل ہوتی تھی۔ مثلاً ملا وجہی کی ''سب رس'' اس نوعیت کی چیز ہے۔ یہیں سے انسانی زندگی اور ادب میں رومان خاص طور سے جگہ لے لیتی ہے اور داستانی کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی طرح قصہ کہانیوں کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ قدیم کہانیوں کی ناول ترقی یافتہ شکل بن گئی۔

ادب کا تعلق نطق سے ہے۔ سوجھ بوجھ اور دماغ سے کام لے کر ناول لکھے گئے۔ ناول کے آغاز کے بارے میں ترتیب وار انداز میں علی عباس حسینی نے بڑے دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''پہلے اس انسان کے یہاں احساس پیدا ہوا، پھر اس کا استمرار، یعنی حافظہ، پھر جذبہ۔ اس کے بعد تخئیل، اور سب سے آخر میں استدلال۔ چنانچہ ناول کے لولوئے آبدار کی

صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے جب اس کی تحلیل کرنا پڑتی ہے اور اس کا نفسیاتی معدن تلاش کرنا پڑتا ہے تو ماقبل تاریخ کے آثار ترک کرنے پر بھی، درجہ بدرجہ اساطیر، دیوکہانیاں، جذباتی گیت، رزمیہ نظمیں، جانوروں کی حکایتیں، قصے کہانیاں مل چکتی ہیں، جب کہیں رومانی کی باری آتی ہے۔ اور پھر سب سے آخر میں وہ گوہر نایاب دستیاب ہوتا ہے جسے ناول کہتے ہیں''۔9

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کہانیوں اور قصوں کے بعد اس کی سب سے ترقی یافتہ شکل ناول ہے۔ غدر 1857ء نے ہندوستان کے ہر شعبہ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اس واقعہ کے بعد ادب میں نمایاں تبدیلیاں آنی شروع ہوئی۔ اسی واقعہ کے بعد کہانیوں کی جگہ پر حقیقت نے لے لی۔ اسی بات کی اشارہ کرتے ہوئے کتاب ناول کیا ہے؟ میں لکھا ہے:

''مضمون نگاری نئے ڈھنگ پر ہونے لگی، طلسمی خیال آرائیوں کے بجائے واقعات نگاری اور طرز تحریر میں پر تکلف اور بناوٹی عبارت آرائی کے بجائے سلاست اور سادگی نے رواج پایا۔ قدیم فارسی اور سنسکرت اوعربی ادب العالیہ کے بجائے ذہن سات سمندر پار کے مصنفین سے کسب فیض کرنے لگا۔ کتابی سند کے بجائے فطرتِ انسانی مسندِ حکومت پر بیٹھی تخیل کی جگہ پر عقل اور مفروضہ کے بجائے موجودہ کا دور دورہ ہوا۔ لیجئے اان کی آن میں ہواہی بدل گئی۔ خیالی آسمانوں سے اتر کر زمین پر ٹکنے لگے۔ الہ دین کا چراغ بجھ گیا۔ اب بجلی کی روشنی ہے۔ الف لیلہ اہوائی قالین خواب ہوگیا اور اب زمین سے اڑ کر سچ مچ کے ہوائی جہاز سفر کرنے لگے ہیں''۔10

اردو ناول نگاری میں فنی روایت کی بنیاد نذیر احمد سرشار اور شرر نے ڈالی ہے۔ ان لوگوں نے قصہ گوئی کی دنیا میں ایک نیا راستہ نکالا۔ اپنے فنی عمل کے ساتھ اس راستہ کو ہموار کیا جس سے آنے والوں کے لئے انتہائی آسانی ہوگئی۔ ''مراۃ العروس'' ''بنات النعش''، ''توبتہ النصوح''، ''ابن الوقت''، ''فسانہ مبتلا''، ''فسانہ آزاد'' اور فردوس بریں جیسی شاہکار تخلیقات اس کی روشن دلیل ہے۔ نذیر احمد، سرشار، راشد الخیری، محمد علی طبیب، منشی سجاد حسین، ریاض خیر آبادی اور قاری سرفراز حسین کے ناولوں میں زندگی نظر آتی ہے۔ ان کے ناول رسوا کی طرح اخلاقی زوال کی فضا میں گہری معنوی تعبیر وتفہیم کے ساتھ نظر آتی ہے۔ انھوں لکھنو کی زوال

آمادہ تہذیب پر چوٹ کی ہے۔ حقیقت نگار کا کمال ایسا تھا کہ لوگ 'امراءوجان ادا' کو تلاش کرنے لکھنو کا سفر کرنے لگے۔

ناول نے آزادی کے بعد سب سے اردو ادب کو متاثر کیا وہ ہے۔ ناول میں طرح طرح کے تجربات کئے گئے۔ ایسے کئی ادیب تھے جو سماج کو آئینہ دکھانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سماج نے جو انھیں دیا ہے اسے لوٹائے۔ انھیں ایسی کوئی صنف اردو میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ 'ناول' کی صورت میں انھیں ایک 'ہتھیار' ہاتھ لگ لیا اور پھر کیا تھا انھوں نے فوری ناول لکھ ڈالا۔ جیسے عصمت چغتائی نے بعض کہانیاں ترجمہ کیں اور اپنا شاہکار ناول 'تیڑھی لکیر'، تخلیق کر دیا۔

ناول کو عروج ایسے وقت ہوا جب ترقی پسند تحریک زوروں پر تھی۔ مشینوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ حقیقت نگاری کی اہمیت بھی زیادہ تھی۔ بعض لوگ ادب کے ذریعے سے اخلاقیات کو پروان چڑھانا چاہتے تھے۔ بعض ادیبوں نے ناول کا اخلاقی درس کا سامان بنایا تو بعض نے ادب برائے ادب کے ذریعے صرف پڑھنے اور محظوظ ہونے تک ہی اکتفا کیا۔ اسی تعلق سے ڈاکٹر سید یحییٰ نے بھی تفصیل سے لکھا ہے جسے یہاں شامل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ترقی پسند تحریک کے ادیبوں نے مارکسزم اور موجودہ سائنس اور سماجی علوم کی روشنی میں اپنا اظہار خیال کیا۔ ان لوگوں کا مقصد سماجی اصلاح تھا اور اس کام کو ان لوگوں نے ایک جذبہ امید اور پروگرام کے تحت بخوبی انجام دیا۔ اس کی تشہیر ان لوگوں نے اردو ادب میں افسانہ لکھ کر کیا یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے ترقی پسند تحریک کا رویہ زندگی کے بارے میں صداقت پر مبنی تھا۔ سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی عزیز احمد اس زمانہ کے ناول نگار تھے۔ ان میں سوچنے سمجھنے اور اظہار خیال کا انداز جداگانہ تھا۔ یہ لوگ درمیانی طبقہ کے لوگ تھے قدامت پرستی رسم رواج اور اخلاقی بندھنوں کی چہار دیواری میں قید تھا جس کا مستقبل تاریک ہی تاریک نظر آ رہا تھا جس کا احساس ان لوگوں کو شدت سے تھا کہ یہ طبقہ برباد ہونے جا رہا ہے۔ یہ طبقہ اپنے قدیم رواج کی ڈوری میں جکڑا ہوا شاید ہمیشہ رہ جائے اور اس کا پھر بہت برا ہو جائے آخر کار انہوں نے اس طبقہ کے لوگوں کو تعلیم کی دعوت دی انسانیت اور جدید قدیم کے موضوع پر نہایت ہی خلوص ومحبت کے ساتھ تبلیغ کی۔ یہ تبلیغ ان لوگوں نے تحریری اور تقریری دونوں طرح سے کی۔ ان لوگوں نے جدید سائنس کی روشنی میں

اچھے مواد اور فن کی کسوٹی پر ناول نگاری کر کے متوسط طبقہ کے لوگوں کو بیدار کیا جیسا کہ سجاد ظہیر نئے ناول ''لندن کی ایک رات'' میں اپنا دانشورانہ جذبات واحساسات اور داخلی اظہار خیال کی تکنیک سے تخلیقی حسن کو پیراہن بخشا یہ ناول سجاد ظہیر کی وہ نثری کاوش ہے جو 1938ء سے اب تک مسلسل شائع ہوتی رہی ہے ناولٹ کے متن اور مواد کی اہمیت کی پیش نظر تنقیدی ایڈیشن بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ یہ ناول اردو میں فنی نقط نظر سے جدید ناول کی خشت اول ہے۔ لندن کی ایک رات ترقی پسند ادب کا ابتدائی نمونہ ہے۔ یہ ایک ایسا ناول ہے جو 1965ء سے پہلے لکھے جانے کے باوجود آج کے نئے زمانے سے بھی نہ صرف جڑا ہوا ہے بلکہ عکاس اور آئینہ دار بھی ہے کیونکہ آج بھی مغربی دنیا میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کے مسائل زیادہ بدلے نہیں ہیں۔ تو عصمت چغتائی تحلیل نفسی کے ذریعہ شمن کے کردار کو اجاگر کیا اور گاؤں گھروں میں استعمال ہونے والی روزمرہ کی بول چال کو اردو ادب میں ادبی مقام بخشا۔ کرشن چند نے سماج کے مختلف طبقہ میں ہونے والے ظلم و ستم انسان کی پریشانی اور بے بسی کے پردہ کو فاش کیا تو عزیز احمد نے تعلق دارانہ مشنری اور متوسط طبقہ کے سماج میں عام لوگوں کی تنگدستی اور دیگر بدحال کو اپنا موضوع بنایا۔ ان لوگو ں کی ناول نگاری سماجی مسائل پر مبنی اعلی شاہ کار ہے جس کے ذریعہ عام لوگوں کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ خواہ غریبی ہو یا باہمی کشیدگی یا ایک دوسرے پر ظلم وستم کے واردات۔ ہر مسائل اور مسائل کے حل کو اپنے ناولوں میں قلم بند کیا۔ ان لوگوں کا ناول فن اور اسلوب کے لحاظ سے بہت دلکش اور دلچسپ ہے جس کا نذیر احمد یا پریم چند کی ناول نگاری میں سراغ نہیں۔ ان ترقی پسند ادیبوں کے دل میں قوم کا درد تھا جو کچھ دیکھا اس کو محسوس کیا اور ناول کے سانچے میں ڈھال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی ناول میں صداقت پر مبنی کردار ملتے ہیں۔ ان لوگوں کے ناول میں صرف اقربا پروری قدیم عقائد اور زمانے سے چلی آنے والی رسم و رواج کی کشمکش اور پیچیدگی ہی نہیں بلکہ آزادی، انصاف اور انسان دوستی کے نئے

ادارے، نئی دنیا کی تلاش اور نئے خوابوں کی تعبیر بھی نظر آتی ہے۔'' 11

خواجہ احمد عباس کا ناولٹ ''سیاہ سورج سفید سائے'' اس میں مصنف نے اشترا کی جمہوریت پر چلنے والے نو آبادی ملکوں کے خلاف جا گیردارانہ نظام کی جارحانہ ظلم وستم کا پردہ فاش کیا ہے۔ کرشن چندر نے پوری کائینات کی جا گیردارانہ نظام کی جارحانہ ظلم وستم سماجی نابرابری اعلی ادنی کا بھید بھاو لوٹ کھسوٹ خوشحال زندگی گذارنے کو اشارہ کنایہ کے ذریعہ بااثر بنا کر پیش کیا ہے۔ ''گدھے کی سرگذشت'' ''الٹا درخت'' اسی نوعیت کی تخلیق ہے۔ کرشن چندر نے ''جب کھیت جاگے'' تخلیق کر کے محنت کش مزدور کی زندگی اور حالات کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ قرۃ العین حیدر اردو ناول کا پہلا ناول ''میرے بھی صنم خانے'' کے شروع میں اردو نوابوں تعلقداروں جا گیرداروں کی عیاشی معاشقہ رنگا رنگ محفل کی اور آخر میں جنگ آزادی کی تباہی و بربادی افلاس ومصیبت کے المناکی کی عکاسی کر کے ہندوستانی مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشی کی اصلاح کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا دوسرا ناول ''سفینہ غم دل'' ان کی اپنی آپ بیتی پر مبنی ہے۔ جس میں مصنفہ اپنے عزیز واقارب کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ مختلف ناول نگاروں نے اس فن میں طبع آزمائی کرتے ہوئے حقیقت نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور جدت پسندی کے شاہکار نمونے اردو ادب کو دیئے ہیں۔

ناول کے تراجم:

اردو ادب میں ناول کے آغاز کے ساتھ ہی مختلف زبانوں سے اردو میں ناولوں کے تراجم بڑے پیمانے پر کئے گئے۔ دیگر افسانوی ادب کے مقابلہ میں سب سے زیادہ تراجم ناول کے ہی کئے گئے ہیں۔ تمام ہی اقسام کے ناولوں کے تراجم کئے گئے جن میں جاسوسی، معاشرتی، المیہ، طربیہ وغیرہ شامل ہیں۔

ناول کے تراجم کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہی ہوا۔ 1857ء کے بعد ہندوستانی دو حصوں میں بٹ گئے تھے ایک مغربی ادب کو سمجھنا چاہتے تھے جب کہ دوسرے اس ادب سے کنارہ کشی میں عافیت سمجھتے تھے۔ اس کشمکش میں افسانوی ادب کے تراجم کئے گئے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں ہمیں افسانوی تراجم کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ چنانچہ منشی پریم چند نے ناول کے تراجم کئے ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے بھی ناول کے تراجم کئے ہیں۔ یہ فہرست کافی طویل ہے۔ ایک فہرست مرزا حامد بیگ نے بھی

'مغرب سے نثری تراجم' میں بھی شامل کی ہے۔اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر بھی ترجمہ شدہ ناولوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ باب اول چوں کہ تمہیدی ابواب ہیں اسی مناسبت سے یہاں صرف چند ناولوں کے نام دیئے جا رہے ہیں جن کے اردو میں تراجم کئے گئے ہیں۔

(۱) آتشی کتا: کانن ڈائل، آرتھر، ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری، لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، ناول۔ اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل ہوا۔ The Hound of the Basker Villes کا ترجمہ۔

(۲) آخری راستہ: ٹالسٹائی، لیو، ترجمہ: ن۔ن، لاہوری، ہندی پستک مندر، س۔ن۔ ناول۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ 1944 سے قبل شائع ہوا۔

(۳) آخری سلام: اینڈرسن، اشروڈ، ترجمہ: محمد حسن عسکری، لاہور: مکتبہ جدید: سویرا آرٹ پریس، 1948ء ناول Good bye to Berlin کا ترجمہ۔

(۴) آدم خور: آرتھر، ولسن، ترجمہ: مظہر الحق علوی، لکھنو۔نسیم بکڈ پو، 1961ء، ص:381، ناول۔ آدم خور شیروں سے متعلق ۔

(۵) آدمی اور انڈے: موپاساں، گائے دی، ترجمہ: نوح فاروق، دہلی: انڈیا پبلشرز 1955ء، ناول Maupassant، کے فرانسیسی ناول کا ترجمہ۔

(۶) آدمی کا مقدر: شولوخوف، میخائل، ترجمہ: قرۃ العین حیدر، دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ لمٹیڈ، 1965، ص: 53، ناولٹ۔ روسی ناولٹ کے انگریزی روپ The Fate of Man کا اردو ترجمہ۔

(۷) آپس کے گیت: بائیکوف، واسل، ترجمہ: قرۃ العین حیدر، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، س۔ن۔ ناولٹ۔ روسی زبان سے ترجمہ۔

(۸) آرزو کی کلیاں؛ بک، جان اسٹین، ترجمہ: مخمور، جالندھری، نئی دہلی: انڈین اکیڈیمی، س۔ن۔ ص: 159، ناول۔ ناول کا آغاز 1911ء سے ہوتا ہے۔ مرکزی کردار ایک کلرک ہے۔ جنگ عظیم کے اثرات مرتب ہوتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔

(۹) اجالے کے دشمن: ترجمہ: ن۔ن۔ کراچی: ماہنامہ 'سی آئی اے' پرویز پبلی کیشنز، جاسوسی ناول۔ انگریزی سے ترجمہ۔

(۱۰) الجھن: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: یزدانی، دہلی: پنجاب ۔ پبلشرز۔س۔ن، ص: 240، ناول The Wreck کا ترجمہ۔

(۱۱) امیر تیمور: لی، ہیرلڈ، ترجمہ: بریگیڈیر گلزار احمد، لاہور، مکتبہ جدید، 1956ء، سوانحی ناول، ''از ہیبت شاہ جہاں لرزدہ زمین وآسماں' امیر تیمور کی زندگی سے متعلق۔

(۱۲) امی جان کا کھاتہ: فورمین، کیتھرائن، ترجمہ: ن۔ن۔ نئی دہلی: نوکیتن پبلی کیشنز، س۔ن، ص: 144، ناول: 17 ابواب پر مشتمل حقیقت پسندانہ روایت کا ناول۔

(۱۳) امی میں تمہاری ہوں: بک، پرل۔ ایس، ترجمہ: ن۔م۔راشد، لاہور: مکتبہ معین الادب، س۔ن، ناول: امریکی ناول کا ترجمہ۔ معین الادب کے مالک حزیں کاشمیری کے مطابق درحقیقت یہ ترجمہ یوسف ظفر نے کیا تھا جب کہ ناول راشد کے نام کے ساتھ شائع ہوا، محض اس لیے کہ راشد کا نام نمایاں تھا۔

(۱۴) انجام: ہیگرڈ رائیڈر، ترجمہ: آغا اقبال، کراچی: ماہنامہ، ناول، 1954ء، اسراری ناول۔ انگریزی سے ترجمہ۔

(۱۵) اسپارٹاکس: فاسٹ، ہاورڈ، ترجمہ: ایس اعظمی، نئی دہلی: معیار پبلی کیشنز، 1982ء، ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اسی ترجمے کو مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے 'میں واپس آؤں گا'' کے نام سے شائع کیا۔

(۱۶) ایک دریا ایک کہانی: توین، مارک، ترجمہ: آر کے سکسینہ، نئی دہلی: انڈین اکیڈیمی، 1976ء، ص:528، ناول۔ امریکن ناول Life of the Mississippi کا ترجمہ، طنزیہ، مزاحیہ و رومانی ناول دریا کے حوالے سے۔

(۱۷) باغبان: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: عبدالمجید سالک، لاہور: دارالاشاعت، 1926ء، ناول، انگریزی سے ترجمہ۔ اس کتاب کا اولین ترجمہ شیام سندر منور نے اسی نام سے کیا ہے۔

(۱۸) بزدل قاتل: براؤن، کارٹر، ترجمہ: سراج الدین شیدا، راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، جاسوسی ناول Lament for Lousy Lover کا ترجمہ۔

(۱۹) بغاوت: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، امرتسر: بھارت پستک بھنڈار، 1943، ناول۔ بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۲۰) بوتل کا جن: راتھر، رچرڈ۔ ایس، ترجمہ: سراج الدین شیدا، راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، جاسوسی ناول۔ Patteron for Panic کا ترجمہ۔

(۲۱) بوڑھا اور سمندر: ہیمنگوے، ارنسٹ، ترجمہ: بشیر ساجد، لاہور: مکتبہ جدید۔ ناول۔ ناوبل ادبی انعام یافتہ ناول۔ اس ناول پر جان اسٹرجز کی ہدایت کے تحت 1958ء میں ہالی ووڈ سے بننے والی فلم یادگار ہے، جس میں آسکر ایوارڈ یافتہ اداکار اسپنسر ٹریسی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اسی ناول کا ایک ترجمہ ابن سلیم نے کیا ہے۔

(۲۲) بہار کب آئے گی؟ سن، الگزینڈر، ترجمہ: ن۔ن، نئی دہلی: انڈین اکیڈیمی، س۔ن۔ ص: 232، ناول۔ چینی منظر نامے سے متعلق انگریزی ناول کا ترجمہ۔

(۲۳) بہرام کی رہائی: لیبلانک، مارس، اخذ و ترجمہ: مرزا ہادی رسوا، جاسوسی ناول، فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۲۴) بے گناہ قاتل: ہولٹ، ہنری، ترجمہ: ایف ایم صدیقی، راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر،

جاسوسی ناول Calling all Cars کا ترجمہ۔

(۲۵) پتھریلے راستے: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، نئی دہلی: آہلو والیہ بک ڈپو، س۔ن۔ص: 204، ناول: بنگلہ معاشرتی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۲۶) پراسرار شہزادی: کیوی، ولیم لی، ترجمہ: عبدالحلیم شرر، راولپنڈی: ناول ایجنسی، طبع دوم، س۔ن، ناول۔انگریزی سے ترجمہ۔

(۲۷) پریم پجاری: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، دہلی: خاتون کتاب گھر، 1944ء، ناول۔بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرف ترجمہ۔

(۲۸) جنگل کی جھونپڑی: وائلڈز، لارا اینگلز، ترجمہ: آفتاب احمد صدیقی، نئی دہلی: انڈین اکیڈمی، 1960ء، ص: 119، ناول۔امریکی ناول جس میں مرکزی کردار ایک ایسی لڑکی کا ہے جو جنگل میں پروان چڑھی اس کے ماں باپ جنگلی جانوروں کا شکار کرتے اور جنگلی کی زندگی سے دلچسپی رکھتے تھے۔

(۲۹) خدائی فوجدار: سروانتیس، ترجمہ: رتن ناتھ سرشار لکھنوی، پنڈت، لکھنو: نولکشور، طبع اول: 1903ء، ناول۔ڈان کیھوٹے دی لامانشا، کا ترجمہ وتلخیص۔سپینش زبان سے انگریزی کی معرفت اردو ترجمہ۔آخری بار 1934ء میں طبع ہوا۔

(۳۰) خونی بھید: کوریلی، میری، ترجمہ: مرزا ہادی رسوا، جاسوسی ناول۔انگریزی سے ترجمہ۔

(۳۱) خونی تلوار (دو جلدیں): رینالڈس، جارج ولیم، ایم، ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری، لاہور: لال برادر، 1923ء جاسوسی ناول۔میکسیکر آف گلینکو، کا ترجمہ۔ایک ایڈیشن مکتبہ عظمت لاہور نے بھی شائع کیا۔

(۳۲) خونی جورو: کوریلی، میری، ترجمہ: مرزا ہادی رسوا، جاسوسی ناول۔انگریزی سے ترجمہ۔

(۳۳) خونی عاشق: کوریلی، میری، ترجمہ: مرزا ہادی رسوا، جاسوسی ناول۔Worwood کا ترجمہ۔

(۳۴) خونی مصور: کوریلی، میری، ترجمہ: مرزا ہادی رسوا، جاسوسی ناول۔انگریزی سے ترجمہ۔

(۳۵) خیالی پلاؤ: ترجمہ: قرۃ العین حیدر، دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ لمٹیڈ، 1967ء، ص: 141، ناول۔حقیقت پسندانہ روسی ناول کا ترجمہ۔انگریزی کی معرفت۔

(۳۶) دنیا سے دور، ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، نئی دہلی، آہلو والیہ بک ڈپو، س۔ن، ص 278، ناول۔ٹیگور کے سماجی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۳۷) دھرتی ماتا: بک، پرل۔ایس، ترجمہ: ابوسعید قریشی، لاہور: ہاشم بک ڈپو، 1940ء۔ناول۔مشہور امریکی ناول ''گڈ ارتھ'' کا ترجمہ، مصنف کو اس کتاب پر ناوبل ادبی انعام ملا۔اس ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے رسالہ 'زمانہ' کانپور نے اسے ''کسانوں کی زمین سے محبت، ان کی غربت اور مظلومیت کی جیتی جاگتی تصویر'' قرار دیا تھا۔اس ناول کا دوسرا ترجمہ اختر حسین رائے پوری نے کیا تھا۔

(۳۸) روح کا اغوا: کیتھرائن ڈرنی، ترجمہ: ایم جے عالم، لکھنو، نسیم بک ڈپو، 1958ء، ص 325، ناول۔ایک شخص کی بیوی خودکشی کر لیتی ہے۔ چند برس بعد وہ دوسیر شادی کرتا ہے تو پہلی بیوی کی روح اس کی دوسری بیوی میں منتقل ہوجاتی ہے۔اس ناول کا پس منظراور کرداروں کے نام ہندوستانی ہیں۔

(۳۹) زندگی کی لہر: ساؤ منگ، ترجہ: محمد خلیق، مکتبہ جامعہ ملیہ، 1952ء، ص 242، ناول، چینی ناول کے انگریزی روپ Moving Force کا ترجمہ جودس ابواب پر مشتمل ہے۔ناول میں شمال مشرقی منچوریا کے مزدوروں کی زندگی پیش کی گئی ہے۔12

مرزا حامد بیگ نے اپنی کتاب ''کتابیاتِ تراجم'' میں 921 ناول کے نام لکھے ہیں جن کے تراجم ہوچکے ہیں۔ یہ کتاب 1987ء میں شائع ہوئی ہے۔یعنی اس فہرست میں تا حال بہت اضافہ ہو چکا ہے۔مندرجہ بالا ناولوں کی تفصیل اسی کتاب سے لئے گئے ہیں۔اس کے علاوہ پاکستان سے شائع ہونے والی اخبارات اور میگزین نے کئی افسانے ترجمہ کر کے قسطوں میں شائع کئے ہیں۔انٹرنیٹ پر بھی بعض افسانے دستیاب ہیں۔ان ناولوں کے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ کس مصنف کے ہیں اور کس سن میں شائع ہوا ہے اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہورہی ہے۔افسانوی ادب میں ترجمہ کا کام سب سے زیادہ ناول کے تراجم میں ہوا ہے اور ہورہا ہے۔

(iv) افسانہ

افسانہ کی تعریف:

افسانہ کے لغوی معنی کہانی، قصہ یا کسی ایک تاثر کے آتے ہیں۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں جیسے: علامتی افسانہ، مختصر افسانہ، طویل مختصر افسانہ۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا Encyclopedia Britannica, کے مطابق:

Short story, brief fictional prose narrative that is shorter than a novel and that usually deals with only a few characters. 13

ویکی پیڈیا اردو میں بھی انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کی طرح افسانہ کی تعریف بیان کی گئی ہے:

> ''افسانہ اردو ادب کی نثری صنف ہے۔ لغت کے اعتبار سے افسانہ جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں لیکن ادبی اصطلاح میں افسانہ زندگی کے کسی ایک واقعے یا پہلو کی وہ خلاّقانہ اور فنی پیش کش ہے جو عموماً کہانی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ ایسی تحریر جس میں اختصار اور ایجاز بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ وحدتِ تاثر اس کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ ناول زندگی کا کل اور افسانہ زندگی کا ایک جز پیش کرتا ہے۔ جبکہ ناول اور افسانے میں طوالت کا فرق بھی ہے۔'' 14

افسانہ اردو ادب کی مقبول صنف ہے۔ ناول کی طرح اس میں طوالت نہیں ہوتی۔ اسے ایک نشست میں ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس میں زندگی کے کسی ایک حصہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ افسانہ میں کہانی، کردار، مکالمے وغیرہ ہوسکتے ہیں۔ جدید افسانوں میں کئی تجربے بھی کئے گئے ہیں۔ جیسے خط کی شکل میں افسانے بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بغیر کردار کے یا بغیر مکالموں کے بھی افسانے لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر افسانے مونولاگ یا خودکلامی میں لکھے گئے ہیں۔ تجریدی افسانے بھی تحریر کئے

گئے ہیں۔بغیر پلاٹ کے افسانے بھی لکھے گئے ہیں۔افسانے اپنی تمام تر تبدیلیوں اور تجربوں کے باوجود آج بھی اردو ادب کی سب سے مقبول نثری صنف ہے۔

افسانہ کا آغاز وارتقاء:

افسانہ اردو کی مقبول ترین صنفِ سخن ہے۔افسانوی ادب میں اسے وہی مقام حاصل ہے جو شعری اصناف میں غزل کو حاصل ہے۔صنف افسانہ کے مشہور اجزائے ترکیبی یہ ہیں:ا۔ پلاٹ: کہانی کے واقعہ یا واقعات میں ایک طرح کی فنی تنظیم پیدا کرتا ہے اور اس کے سہارے ہی کہانی آگے بڑھتی ہے۔۲۔کردار نگاری: افسانہ چوں کہ زندگی سے جڑا ہوتا ہے اور اس میں مختلف کرداروں کی جھلک نظر آتی ہے اس لیے اس میں کردار نگاری کی بڑی اہمیت ہے۔بعض افسانوں میں کردار نہیں ہوتے اور بعض افسانے صرف کردار نگاری پر ہی منحصر ہوتے ہیں لیکن عام طور پر افسانوں کا کردار نگاری نہایت اہم جز ہے۔۳۔تکنیک: افسانے کا لازمی جز ہے۔اس میں افسانے سے متعلق مختلف تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔افسانہ کو بہتر بنانے اور ایک اچھا افسانہ تخلیق کرنے کے لیے تکنیک کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر افسانہ اپنی تکنیک خود وضع کرتا ہے۔ جیسے شعور کی رَو کی تکنیک، فلاش بیک کی تکنیک یا مونولاگ کی تکنیک استعمال کی جاتی ہے۔ یہ افسانہ لکھتے وقت طے کیا جاتا ہے کہ کس تکنیک کو استعمال کیا جائے۔۴۔ وحدت تاثر: افسانے کو پڑھنے کے بعد اس کے اختتام پر قاری کے ذہن میں کسی ایک تاثر کا پیدا ہونا کامیاب افسانہ کا لازمی جزو ہے۔بعض افسانوں میں وحدت تاثر اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ ادھر قاری نے افسانہ ختم کیا اور اس کے ذہن میں افسانہ شروع ہو جاتا ہے اور مختلف ممکنہ اختتام اس کے ذہن میں خود بخود آتے رہتے ہیں۔

افسانہ نگاری کے آغاز کے بارے میں آل احمد سرور لکھتے ہیں

> ’’ہمارے ادب میں مختصر افسانے کی عمر ابھی زیادہ نہیں مگر حال میں اس نے بڑی ترقی کی ہے اور 36ء کے بعد سے افسانوں کے بعض اچھے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ جنگِ عظیم سے پہلے سوائے پریم چند کے کوئی اول درجہ کا افسانہ نویس نظر نہیں آتا اگرچہ بہت سے مصنف، ادیب اور انشاء پرداز افسانے بھی لکھے تھے مگر وہ افسانے کو مختصر ناول سے علیحدہ کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اور اکثر ادھر ادھر کی باتوں میں کہانی کا اصل مقصد بھول جاتے تھے مگر چوں وہ شدید احساس اور تیز نظر کے مالک تھے اس لیے ان کی نظر زندگی کے حقائق پر پڑ ہی جاتی

تھی اور براہِ راست زندگیسے خام مواد تیار کر لیتے تھے۔ افسانہ نگاری سے انھوں نے تنقیدِ حیات کا کام لیا۔ ان کے اوپر میتھیو آرنلڈ کا وہ فقرہ صادق آتا ہے جو انھوں نے ایک یونانی ڈرامہ نویس کے متعلق لکھا تھا۔ انھوں نے زندگی کو اچھی طرح دیکھا اور پوری زندگی کو دیکھا''۔15

اردو میں افسانہ نگاری کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز کے بعد ہوا۔ پہلے افسانہ نگار کون ہے اس میں کچھ اختلاف ہے۔ منشی پریم چند، راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم اور خواجہ حسن نظامی کو مختلف محققین نے پہلا افسانہ نگار کہا ہے۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی نے راشد الخیری کے افسانے ''نصیر اور خدیجہ'' (مطبوعہ مخزن 1903ء) کو اردو کا پہلا افسانہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد سبھی افسانہ نگار آتے ہیں۔ علی محمود کا افسانہ ''چھاؤں'' مطبوعہ مخزن (لاہور) جنوری 1904ء دوسرا افسانہ ہے۔ وزارت حسین اورینی کا افسانہ ''حرماں یعنی مرگِ محبوب'' اردو معلّٰی (علی گڑھ) جون 1905ء میں چھپا۔ پریم چند کا افسانہ ''عشق دنیا اور حب وطن'' مطبوعہ ''زمانہ'' (کانپور) اپریل 1908ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر قمر صدیقی نے اپنے تحقیقی مضمون ''اردو کے ابتدائی افسانہ'' میں پہلے افسانے کے بارے میں تحقیق پیش کی ہے جس میں انھوں نے ایک عرصہ سے جاری غلط فہمی کو دور کیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''اس طرح اردو کے پہلے افسانہ نگار راشد الخیری قرار پاتے ہیں۔ دوسرے علی محمود، تیسرے وزارت حسین اورینی، چوتھے سجاد حیدر یلدرم، پانچویں سلطان حیدر جوش اور چھٹے پریم چند۔ مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں پریم چند کا افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' جسے اردو کا پہلا افسانہ تسلیم کیا جاتا رہا ہے، تاریخی اعتبار سے اردو کے طبع زاد افسانوں میں اس کا نمبر چودھواں ہے۔

دیگر حضرات جن کے سر اولیت کا تاج رکھا جاتا رہا ہے ان میں سدرشن کا اولین افسانہ'' سدا بہار پھول'' 1912 کی تخلیق ہے۔ جبکہ خواجہ حسن نظامی کا اولین افسانہ'' بہرا شہزادہ''، ''ہمایوں'' کے جنوری 1913 کے شمارے میں شائع ہوا۔ نیاز فتح پوری کا افسانہ'' ایک پارسی دوشیزہ کو دیکھ کر''، ''تمدن'' (دہلی) اور ''نقاد'' (آگرہ) دونوں رسالوں میں جنوری

1913 میں شائع ہوا۔ اس طرح سدرشن، خواجہ حسن نظامی اور نیاز فتح پوری اردو کے افسانوی منظرنامے پر اس وقت نمودار ہوئے جب اردو افسانے کا سورج طلوع ہو کر کسی قدر روشنی بکھیرنے لگا تھا۔ البتہ چودھری محمد علی ردولوی کا معاملہ ذرا الگ ہے۔ معلوم حقائق کی بنا کر کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے افسانہ نگاری کا آغاز یلدرم اور پریم چند کے ساتھ کیا لیکن چونکہ وہ اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز تھے لہٰذا کچھ اپنی سماجی حیثیت اور کچھ اپنے مزاج کی بنا پر انھوں نے رسائل کے مدیران کو افسانہ اشاعت کے لیے بھجوانے میں تامل برتا لیکن ان کی اس تساہلی کے باوجود انھیں اردو افسانے کے اولین معماروں میں شمار نہ کرنا بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔''16

الغرض اردو کے ابتدائی افسانہ نگار راشد الخیری نے اردو افسانہ کا آغاز کیا۔ اس کے بعد منشی پریم چند، سجاد حیدر یلدرم وغیرہ نے افسانے لکھے۔ افسانوں کے تراجم کا آغاز بھی اسی وقت سے ہو گیا تھا۔ افسانوی تراجم میں سب سے مشہور نام سعادت حسن منٹو کا ہے۔ ان کے علاوہ تقریباً سب ہی افسانہ نگاروں نے افسانوں کے تراجم میں اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔

افسانوں کے تراجم:

افسانوں کی تاریخ جتنی قدیم ہے اتنی ہی اس کے ترجموں کی روایت بھی قدیم ہے۔ اولین افسانہ نگاروں میں سجاد حیدر یلدرم کا نام آتا ہے۔ انھوں نے انگریزی اور ترکی زبانوں کے افسانوں کا ترجمہ کیا ہے وہ اس قدر رواں اور سلیس ہے کہ پڑھنے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔

مغرب سے افسانوں کے تراجم کے بارے میں آل احمد سرور نے اپنے مضمون ''اردو میں افسانہ نگاری'' میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں پر اس کا ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے:

''مغرب میں افسانہ نگاری کے دو اسکول بن گئے تھے، ایک موپاساں کا، دوسرا چیخوف کا۔ اردو میں انگریزی کے واسطے سے ان دونوں کے بکثرت ترجمے ہوئے۔ چیخوف کا خاص طور پر اثر ہوا کیوں کہ اس کے کردار بالکل مشرقی معلوم ہوتے تھے۔ موپاساں کی سی حقیقت نگاری یہاں ناممکن تھی، چیخوف کے یہاں بعض لوگوں کو ایک دھندلکا نظر آیا حالانکہ اس میں

فارم کا احساس بھی موجود ہے۔اس کی روحانیت اورنفسیاتی تجربے نے ہمارے افسانہ نگاروں کو بہت متاثر کیا اوراس کا رنگ کئی طبیعتوں میں رچ گیا۔

ایک طرف ملک میں ان ترجموں کی وجہ سے ایک نئی وسعت ذہنی پیدا ہورہی تھی دوسری طرف پریم چند کے افسانوں کا اثر ہورہا تھا۔ پریم چند نے جو بیج بویا تھا اس کے لیے انھیں زمین بھی اچھی ملی اور آب و ہوا بھی۔ چنانچہ ان کے اسلاحی رنگ سے متاثر ہوکر سدرشن، اعظم کریوی، حامد اللہ افسر،علی عباس حسینی، پروفیسر مجیب نے کامیاب افسانے لکھے۔ سدا بہار پھول، ڈالی کا جوگ، آئی سی ایس کیمیا گر، اب بھی دلچسپی سے پڑھے جاسکتے ہیں۔ مجنوں نے اپنے المیہ افسانوں سے ابتدائے جوانی کے رومانی جذبات کو بہت متاثر کیا۔'' 17

اولین افسانوں کے ترجمہ کرنے والوں میں منشی پریم چند اور سعادت حسن منٹو کے نام اہم ہیں۔کہا جاتا ہے کہ سعادت حسن منٹو کی کتاب ''بغیر اجازت'' یوروپی زبانوں کے افسانوں کو اردو میں ترجمہ کرکے لکھی گئی ہے۔لیکن اس کتاب میں کہیں بھی اصل افسانہ کا نام اور افسانہ نگار کا نام نہیں ہے۔اسی طرح مختلف قدیم افسانوں کے تراجم کے بارے میں یہ واضح نہیں ہوسکا کہ یہ کس افسانے کا ترجمہ ہے۔

افسانہ اردو کی ایک صنف ہے جس میں دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان سے تراجم ہوئے ہیں۔انگریزی، روسی، چینی، ترکی، عربی، اور ہندوستانی علاقائی زبانوں سے بھی اردو میں تراجم ہوئے ہیں۔اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں آئے گی۔ یہاں پر مرزا حامد بیگ کی کتاب ''کتابیاتِ تراجم'' سے چند منتخب افسانوں کے نام دیئے جارہے ہیں جنھیں دوسری زبانوں سے انگریزی کی معرفت ترجمہ کیا گیا۔

(۱) آپ بیتیاں: ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری، لاہور: کتابستان، اردو۔س۔ن، افسانہ۔

(۲) آسیہ اور دوسری کہانیاں: چیخوف، تورگنیف وغیرہ، ترجمہ: منظور حسین، خواجہ، لاہور: وین گارڈ، دی مال، 1984ء، ص 338، افسانے: سہر مونیوف، ترگنیف، چیخوف، سولوکب، کیتاریف اور ایوانوف کے روسی افسانوں کے تراجم انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۳) آلائم حیات: ترجمہ: ن۔ن، کانپور: زمانہ بک ایجنسی، 1931ء، افسانے: انگریزی کے معترف افسانہ نگاروں سے انتخاب۔

(۴) آئرستان کے بہترین افسانے: ترجمہ: رحیم، لاہور: مکتبہ کائنات، س۔ن، افسانے: انگریزی سے ترجمہ۔

(۵) اتیاچار: ٹیگور، رابندرناتھ، ترجمہ: ن۔ن، راولپنڈی: لکشمی دیوناگیہ، 1943ء، افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۶) رغوان زار؛ ڈکنز، چارلس، ترجمہ: احمد حسین خان، لاہور: فیروزسنز لمٹیڈ (پاکستان، افسانے: انگریزی سے ترجمہ۔

(۷) اس پار: ترجمہ تیرتھ رام فیروزپوری، لاہور: دائرہ ادبیہ، س۔ن، افسانے۔

(۸) الحمرا کے افسانے: ارونگ، واشنگٹن، ترجمہ: غلام عباس، افسانے: Tales from Alhamra سے ماخوذ و ترجمہ۔ کتاب میں عرب نجومی، سنگ مرمر کی پریاں، الحمرا کا گلاب، شہزادہ احمد اور سحر زدہ سپاہی 5افسانے شامل کتاب ہیں۔

(۹) اندھا کنواں اور دیگر کہانیاں: پو، ایڈگر ایلن، ترجمہ: ابن انشائی، لاہور: شیش محل کتاب گھر، افسانے: یہ ترجمہ دوسری بار موسہ فرینکان کے تعاون کے ساتھ لارک پبلشرز کراچی نے شائع کیا۔

(۱۰) انگریزی افسانے: ترجمہ: عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، 1931ء، افسانے: انگریزی افسانوں کی انتھالوجی، یہ ایک عظیم منصوبے کی تیسری جلد ہے۔

(۱۱) انگریزی افسانے: ترجمہ: غلام عباس، افسانے، انگریزی افسانوں کے تراجم کی انتھالوجی۔

(۱۲) بحر جاسوسی: کانن ڈائل، سرآرتھر، ترجمہ: نوازش علی خان، لاہوری، لاہوری، افسانے: شولاک ہومز کے سلسلے کی جاسوسی کہانیوں کا ترجمہ جو 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

(۱۳) بغیر اجازت: ترجمہ: منٹو، سعادت حسن، لاہور: ظفر برادرز، افسانے: روسی اور انگریزی افسانوں کا انتخاب و ترجمہ۔

بلغارین افسانے: ترجمہ: اظہر جاوید، لاہور: مطبوعات تخلیق، 1971ء، افسانے: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

بہترین ہسپانوی افسانے: ترجمہ: رحیم، لاہور: مکتبہ جدید، 1964ء، افسانے: 20 ویں صدی کے شاہکار افسانے، دوسیر بار البیان لاہور نے شائع کیا۔

بیوہ: ٹیگور، رابندرناتھ ترجمہ: ن۔ن، لاہور، فرنٹیر، بکڈپو، ۱۹۴۳ء، افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

پردیسی۔ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، لاہور، رام دۃ مل، 1944ء، افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

پہلی کتاب : مرتبہ اجمل کمال، حیدرآباد، پاکستان۔ 205۔ ای یونٹ، 9 لطف آباد، اگست 1981ء، افسانے/شاعری۔

ٹالسٹائی کے افسانے: ٹالسٹائی، کاونٹ۔لیو، ترجمہ: اکرم قمر، لاہور: لاجپت رائے، 1940ء، افسانے۔

ٹیگور کے افسانے: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، لاہور، آزاد بکڈپو، س۔ن، افسانے بنگلہ افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

جرمن ادب پارے: بوشر، ولف گینگ لنجن، ترجمہ: محمد اسلم فرخی، داکٹر، لاہور: فیروزسنز لمیٹڈ (پاکستان): 1971ء، ص:388، افسانے: جرمن ادب سے مکمل انتھالونی کا ترجمہ۔

چینی جاپانی افسانے: عبدالقادر سروری، افسانے: چینی اور جاپانی زبان سے افسانوں کا انتخاب، انگریزی کی معرفت ترجمہ جو 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

خاموش حسن: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، افسانے، بنگلہ افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ جو 1938ء سے قبل شائع ہوا۔

خلانوردوں کے افسانے: رابنسن، فرینک ودیگر، ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن، لاہور: نیا ادارہ سرکلر روڈ، س۔ن، افسانے: فرینک رابنسن، والٹ شیلڈن، آرتھر، سی کلارک، بل براؤن، دے بریڈ بری، آئزک ازیموف اور روبرٹ مورولیمز وغیرہ کا سائنس فکشن سے انتخاب و ترجمہ۔

دلہن: کرین، اسٹیفن، ترجمہ: جاوید صدیقی، لاہور: یونائیٹڈ بک ڈپولمیٹڈ، 1960ء ص:288ء، افسانے و کہانیاں۔انگریزی سے ترجمہ۔

دنیا کے بہترین افسانے: انتخاب و ترجمہ منصور احمد، لاہور: نام مطبع ندارد، 1925ء، افسانے: انگریزی سے ترجمہ۔

دنیا کے بہترین افسانے: ترجمہ بالکرشن موج، لاہور: راج پال اینڈ سنز، 1943ء، افسانے: مختلف مغربی افسانہ نگاروں کے افسانوں کا انتخاب، انگریزی زبان کی معرفت ترجمہ۔

دنیا کے شاہکار افسانے (تین جلدیں): گلشہ، تھیوفیل وغیرہ متعدد نام، مرتبہ: عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، طبع اول: 1341ھ بمطابق 23-1922ء، افسانے: انتھالوجی کئی جلدوں پر مشتمل

تھی۔ جرمن افسانے، فرانسیسی افسانے، روسی افسانے اور ولندیزی افسانے نامی جلدوں میں غلام عباس، عزیز احمد، ڈاکٹر تاثیر، صوفی تبسم، معراج الدین شامی، بدرالدین بدر، افتخار الدین، معین الدین اور خواجہ میر مترجمین تھے۔ تیسری جلد 1930ء اور دوسری جلد 1931ء میں طبع ہوئی۔

دنیا کے قدیم افسانے: انتخاب و ترجمہ: عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ پریس، 1927ء افسانے: مصر، یونان، روم، ایران، عرب اور ہندوستان کے قدیم منتخب افسانے۔ 25 افسانوں میں سے بیشتر انگریزی کی معرفت ترجمہ ہوئے۔

دھڑکتے دل: آسکر وائلڈ و دیگر، ترجمہ اختر شیرانی، نام مطبع ندارد، افسانے: فرانسیسی، جرمن، روسی اور انگریزی افسانہ نگاروں، جیسے آسکر وائلڈ، موپاساں، آئیون بیون، گالز وردی اور لامرتین کی تحریروں سے انتخاب و ترجمہ۔

روسی افسانے: ترجمہ: منٹو، سعادت حسن، لاہور: دارالادب پنجاب، 1934ء، افسانے: روسی افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

روسی افسانے (دو جلدیں): انتخاب و ترجمہ: محمد مجیب، پروفیسر، دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1940ء، افسانے: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

روسی افسانے: ترجمہ: راحت، لاہور: کتابستان اردو، 1943ء، افسانے: روس کے نامور افسانہ نگاروں کے افسانوں کا انتخاب: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

سانس کی پھانسی: پو، ایڈگر ایلن، ترجمہ: ابن انشاء، لاہور۔ شیخ محل کتاب گھر بہ اشتراک مؤسسہ فرینکلن، افسانے انگریزی سے ترجمہ۔

فرانسیسی افسانے: مرتبہ: عبدلاقادر سروری، ترجمہ: عزیز احمد افسانے: فرانسیسی سے انگریزی کی معرفت انتخاب و ترجمہ۔ 1939ء۔ سے قبل شائع ہوا۔

گورکی کے افسانے: گورکی، میکسم، ترجمہ: سعادت حسن منٹو، لاہور: مکتبہ، شعر و ادب، سمن آباد، طبع دوم، س۔ ن، افسانے: منٹو نے دیباچے کے طور پر گورکی کی شخصیت اور فن پر 31 صفحات کا مقالہ رقم کیا ہے۔ کتاب میں ''میدانوں میں چھبیس مزدور'' اور ''دوشیزہ، خان اور اس کا بیٹا'' اور ''خزاں کی ایک رات'' نامی افسانے شامل ہیں۔

لاکھوں کا شہر: ہنری او، ترجمہ: ابن انشاء، کراچی، لارک پبلشرز، The Four Million کا ترجمہ۔

مشرق ومغرب کے افسانے: ترجمہ: عاشق حسین بٹالوی، لاہور: تاج کمپنی، 1943، افسانے: انتھالوجی، انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

معیاری افسانے: ترجمہ وانتخاب: حفیظ جالندھری، ابوالاثر، لاہور: مجلس اردو۔ کتاب خانہ حفیظ اردو بازار، س۔ن، افسانے: (انتھالوجی)۔ کتاب پر نظر ثانی ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے کی تھی۔

موپاساں کے افسانے: موپاساں، گائے ڈی، ترجمہ ن۔ن، لاہور: ہاشمی بک ڈپو، انار کلی، 1940ء، افسانے: فرانسیسی افسانوں کا ترجمہ۔

موپاساں کے افسانے: موپاساں، گائے ڈی۔ ترجمہ: نصیر حیدر، سید، لاہور: دارالادب پنجاب۔ س۔ن، افسانے: فرانسیسی افسانوں کا براہ راست اور انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

ناسور: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، دہلی: محبوب المطابع، س۔ن، افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

نگارستان: ارونگ، واشنگٹن، ترجمہ: نیاز فتح پوری، لکھنو، نگار بک ایجنسی، افسانے: انگریزی سے آزاد ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

نئے بنگالی افسانے: انتخاب وترجمہ: الطاف گوہر، کراچی: مطبوعات پاکستان، 1955ء، افسانے: انتھالوجی، بیشتر افسانے انگریزی کی معرفت ترجمہ ہوئے۔

ہتیا اور دوسرے افسانے: ہارڈی، ٹامس و دیگر، ترجمہ: مجنوں گورکھپوری، گورکھ پور: ایوان پریس، س۔ن، کے افسانوں سے موخوذ و ترجمہ۔

ہسپانوی افسانے: ترجمہ: رحیم، لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، افسانے: انگریزی کی معرفت ہسپانوی افسانوں کا ترجمہ۔

ہیبت ناک افسانے: لیول، مورس، ترجمہ: امتیاز علی تاج، سید لاہور: دارالاشاعت پنجاب، طبع دوم: 1931ء، افسانے: مغربی ادبیات سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ کتاب پہلی بار 1927ء سے شائع ہوئی۔

ہیمنگوے کے افسانے: ہیمنگوے، آرنسٹ، ترجمہ: مظفر احمد لاہور: لاہور پبلشرز یونائیٹڈ، 1960ء، افسانے: نوبل ادبی انعام یافتہ مصنف کے افسانوں کا انتخاب و ترجمہ۔18

مختصر یہ کہ مختلف افسانہ نگاروں نے افسانے تخلیق کرنے سے پہلے بیرون ملک زبانوں کے افسانوں کے تراجم کئے اور

کسی نے لکھا کہ کس افسانہ کا ترجمہ ہے اور کسی نہ بات گوارا نہیں کی۔ اصل افسانہ اور ترجمہ کی پہچان قدیم افسانوں میں مشکل ہے۔ بعد کے مترجمین نے کس کا افسانہ ہے اور افسانہ کا عنوان کیا تھا یہ بھی واضح کر دیا ہے۔

اکثر مترجمین نے ترجمہ کرتے وقت اردو کے مزاج کے مطابق تھوڑی بہت تبدیلی کی ہے۔ اسی کی بات کا اعتراف مشہور و معروف مترجم حسن عسکری نے کیا ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> ''پچھلے سال میں نے استاں دال کے ناول ''سرخ و سیاہ'' کا ترجمہ کیا۔ اس ناول نے مجھے رُلا رُلا دیا۔ اگر سلاست اور روانی کی بات ہوتی تو میں لیٹے لیٹے ترجمے کے پاس صفحے روز لکھوا سکتا تھا۔ لیکن استاں دال، تو کمبخت وہ آدمی ہے جو نثر کے فن کو نظم سے بڑا سمجھتا ہے۔ اب میرے سامنے سوال یہ تھا کہ اردو سے غداری کروں یا استاں دال سے، مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اپنے پبلشر کے مفاد کا احترام کرتے ہوئے استاں دال سے غداری کی۔ کیونکہ پبلشر بچارے کی یہی ہمت کیا کم ہے کہ اتنا لمبا چوڑا ناول چھاپا، لیکن ایک لحاظ سے اردو زبان نے بھی میرے ہاتھ باندھ دئے تھے۔ استاں دال جذبات کا تجزیہ فکر محض کی زبان میں کرتا ہے۔ اردو میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اگر میں اس کے لئے کوئی نیا اسلوب بنانے کی کوشش کرتا، تو ڈر یہ تھا کہ اردو کے نقاد پوچھیں گے، یہ ناول ہے یا مقالہ مرتا کیا نہ کرتا میں نے استاں دال کی روح سے معافی مانگ کے اس کی خشک عبارت کو تھوڑا سا جذباتی رنگ دیا۔'' 19؎

محمد حسن عسکری نے مذکورہ بالا اقتباس میں یہ اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ اردو میں کوئی نیا اسلوب شامل کیا جائے تو قارئین اس کو قبول نہیں کرتے۔ مترجم کو یہ بھی مشکل ہے کہ وہ ترجمہ کرتے وقت اردو اصل زبان کے متن کو اردو میں نہ صرف ترجمہ کرے بلکہ اس کو اردو کے مزاج کے مطابق بنا کر ترجمہ کرے۔

اردو میں افسانوی تراجم کرتے وقت تہذیبی الفاظ کو منتقل کرنا بھی اہم مسئلہ ہے۔ اردو میں بعض الفاظ نہیں ہے جو کہ یوروپی زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں اسی طرح اردو میں بعض الفاظ ہیں جو انگریزی میں مستعمل نہیں ہے۔ جیسے انگریزی چاچا اور تایا، ماموں وغیرہ کو صرف انکل ہی کہتے ہیں۔ اکثر مترجمین نے انگریزی افسانوی ادب کو سمجھ کر اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا تا کہ اردو پڑھنے والوں کو مشکل نہ ہو۔

☆☆☆

حوالے:

1۔مولوی فیروزالدین، فیروزالغات،صفحہ 103

2 ڈاکٹرسید محمد یحییٰ صبا،اردو ناول کاارتقاء،ویب ایڈیشن)

3داستان کافن،اطہر پرویز،اردوگھر،علی گڑھ،سن اشاعت 2010ء،ص20)

4۔ مرزا حامد بیگ،اردو ترجمے کی روایت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،2016ء،ص336-337)

5۔ اردوادب کی مختصر تاریخ،عظیم الحق جنیدی،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،صفحہ 253-254

6۔ اردوادب کی مختصر تاریخ،عظیم الحق جنیدی،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،صفحہ 337,343

7۔علی عباس حسینی،اردوناول کی تاریخ اور تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،صفحہ 40)

8۔ Wikipedia.org

9۔ اردوناول کی تاریخ اور تنقید،علی عباس حسینی،ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ،صفحہ 16)

10۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی،ڈاکٹر سید نورالحسن ہاشمی،ناول کیا ہے؟ ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،سن 2006ء،صفحہ 133)

11۔ ڈاکٹر سید محمد یحییٰ صبا،اردوناول کاارتقاء،ویب ایڈیشن

12۔ مرزا حامد بیگ،اردو ترجمے کی روایت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،2016ء،ص

13(www.britannica.com/art/short-story)

14۔ Wikipedia.org

15(پروفیسر گوپی چند نارنگ،اردوافسانہ روایت اور مسائل،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی ص108)

16(قمر صدیقی ڈاکٹر ۔''اردو کے ابتدائی افسانہ''مطبوعہ ایشیاء ٹائمز ڈاٹ کام۔اشاعت 16 فروری 2015ء)

17(اردوافسانہ روایت اور مسائل، پروفیسر گوپی چند نارنگ،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی ص109)

18۔ مرزا حامد بیگ،اردو ترجمے کی روایت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،2016ء،ص

19۔محمد حسن عسکری،گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے،مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت،ڈاکٹر قمر رئیس،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2004ء،ص119،120

باب دوم

افسانوی تراجم کی اہمیت وافادیت

افسانوی تراجم کی اہمیت وافادیت

افسانوی ادب کی بنیادی خصوصیت اس کا کہانی پَن ہے۔یعنی کہانی جو زندگی کے مختلف حادثات سے لڑنا اوراس پر قابو پا کر جیت حاصل کرنا سکھاتی ہیں۔کبھی ہنساتی ہے کبھی رلاتی ہے۔کہانی سننا انسان کو اس وقت بھی پسند تھا جب وہ غاروں میں رہتا تھا۔انسانوں نے ترقی کے منازل طئے کئے لیکن اس کے شوق میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ نئی نئی کہانیوں کے جاننے کے شوق میں دوسری زبانوں سے کہانیوں کو ترجمہ کیا گیا ہے۔ہندوستان میں قدیم داستانیں ہوا کرتی تھیں۔ان داستانوں میں جن، پری،شہزادہ اور مافوق الفطرت عناصر ہوتے تھے۔یہ داستانیں عوام وخواص میں بہت پسند کی جاتی تھیں۔ایک وقت تک داستانیں پسند کی گئیں جب کہ بعد میں یہ قدیم ہونے لگی۔یہ داستانیں اگر چہ عجیب وغریب قصوں پر مشتمل ہوتی تھی لیکن ان کہانیوں میں روزمرہ زندگی سے جڑی باتوں کو بھی اشاروں میں یا راست طور پر سمجھا جایا جاتا تھا۔جیسے مشکل حالات میں نہ گھبرانا اور ڈٹ کران کا مقابلہ کرنا، بہادری اور شجاعت کا دامن نہیں چھوڑنا، جھوٹ اور مکاری کا انجام برا ہوتا ہے، اچھائی کی جیت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔لوگوں کو نئی نئی کہانیوں کی تلاش نے دوسری زبانوں کی رخ کرنا۔ افسانوی تراجم کی اہمیت ہر دور میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔داستانیں کے بعد سب سے مقبول صنف ناول ہی ہے۔ناولوں کے تراجم بہت زیادہ تعداد میں ہونا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ لوگ ناول کو پڑھتے ہیں اور انھیں مغربی ناول پسند ہیں۔1987ء سے پہلے ہی زائد از 921 مختلف زبانوں کے ناولوں کے ترجمے ہو چکے تھے۔یہ فہرست مرزا حامد بیگ کی کتاب ''کتابیاتِ تراجم'' میں درج ہے۔

ترجمہ باز بیانیہ ہے۔یعنی ایک بیان جو پہلے کسی زبان ہو چکا ہے اسے دوبارہ دوسری زبان میں لکھا جاتا ہے۔باز بیانیہ میں کسی باتیں درآتیں جیسے ماحول، مصنف کا ذہن وغیرہ۔ماحول اور ثقافت باز بیانیہ میں داخل ہو جاتا ہے۔جیسے امریکن ماحول

میں کوئی کہانی لکھی گئی ہے تو اسے ترجمہ کرتے ہوئے ترجمہ کبھی جان بوجھ کر یا کبھی انجانے میں وہ اپنی تہذیب اور تمدن کو اس میں شامل کر لیتا ہے۔ امریکن افسانے میں اگر کوئی شخص مخرب الاخلاق حرکت کرتا ہے تو اس افسانہ کا حصہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اس افسانہ کا ترجمہ کرتا ہے تو اسے بدل دیتا ہے ورنہ وہ یہاں فحش نگاری کہلاتی ہے۔

اردو افسانے پر دوسری زبانوں اور خاص کر مغربی افسانے کا اثر بہت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اگر مغرب کے افسانوں پر ہمارے مصنفین نظر نہ کرتے تو شاید اردو میں ہمیں بہترین افسانے نظر نہ آتے۔ یہاں پر کئی مصنفین نے تخلیقات کے علاوہ تراجم بھی کئے ہیں اور کئی نے تو تراجم کو تخلیق بتایا ہے۔ بعض افسانوں کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ ترجمہ ہے یا تخلیق۔ اردو افسانہ پر مغرب کے سبھی افسانہ نگاروں نے اپنا اثر چھوڑا ہے لیکن خاص طور پر چیخوف اور موپاساں دو اہم نام سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ممتاز شریں اس تعلق سے لکھتی ہیں:

> چیخوف اور موپاساں، ایک روسی دوسرا فرانسیسی، دو بڑی قوتیں ہیں جو مغربی افسانے پر، لہٰذا ہمارے افسانے پر بھی اثر انداز ہوئیں۔ دونوں برابر کے قد کے تھے۔ اگر ایک طرف چیخوف کے اچھے افسانوں The Party, The Steppe, Ward N6, The Darling اور The School Mistress کو رکھا جائے اور دوسری طرف موپاساں کے اچھے افسانوں Maison Tellir, Mademoiselle Fifi, Bonle De saif کو رکھا جائے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا کہ کس کا پلڑا بھاری ہے۔ دونوں افسانہ نویسی میں نئے اور نرالے طرز کے بانی اور موجد تھے۔ براعظم کے افسانوں ادب پر دونوں کا اثر برابر تھا۔ مگر دونوں کا اثر اپنی نوعیت میں متوازی نہیں مختلف بلکہ بڑی حد تک متضاد تھا کیوں کہ دونوں صاحبِ طرز ادیب تھے۔ اور مختلف طرز کے ادیب۔ چیخوف اور موپاساں کا ہمارے ادب پر بھی زبردست اثر پڑا ہے۔ افسانے کے یہ دونوں طرز، جن کے یہ دو استادانِ فن موجود تھے اور جنھیں انھوں نے تکمیل تک پہنچایا بھی تھا، شروع ہی سے ہمارے افسانوی ادب میں رواج پائے، بلکہ ان دو مختلف طرز کے افسانوں کے سرِ فہرست نظر دوڑائیں تو ہم اپنے ادب میں بھی ایک پوساں اور ایک چیخوف کو ڈھونڈ ہی نکالیں گے۔[1]

افسانے میں سب سے اہم موضوع ہوتا ہے۔ نئے نئے موضوعات ہمیں مغرب سے ہی نظر آتے ہیں۔ اردو میں کئی ایسے موضوعات ہے جن پر بالکل نہیں لکھا جاتا تھا لیکن مغرب کی طرف نظر کرنے کے بعد یہاں پر اس موضوع پر لکھا جانے لگا۔ ایسے موضوعات جس پر لکھنا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا لکھا اور پڑھا جانے لگا۔ منشی پریم چند سے لے کر حیدرآباد کے اقبال متین تک مختلف موضوعات کا جائزہ لیں تو ان میں ایسے موضوعات شامل ہیں جو نئے ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے چوں کہ مغرب کے افسانوں کے تراجم کئے ہیں اس لیے ان کے افسانوں میں مغرب کا اثر بھی نظر آتا ہے۔ سعادت حسن منٹو کے موضوعات پر موپاساں کے اثر کے بارے میں ممتاز شیریں لکھتی ہیں

> ''منٹو کے موضوعات بھی موپاساں کی طرح انسان کے وحشیانہ، ہیجانی اور جذبات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنس، شہوانیت، ظلم، ایذا دہی، قتل و خون، تیز ہیجانی جذبات، غیر معمولی واقعات اور غیر معمولی انوکھے کردار کے ساتھ منٹو نے چونکا دینے والے افسانے تخلیق کیے۔''2

کئی اردو افسانوں میں مغرب کے افسانوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ جیسے حسن عسکری کا افسانہ ''چائے کی پیالی'' چیخوف کے افسانے ''اسٹیپ'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ کرشن چندر کا افسانہ ''حسن اور حیوان'' چیخوف کے افسانہ ''The steppe'' کی طرز پر لکھا گیا ہے۔ احمد علی کا ''موت سے پہلے'' افسانہ میں The Trial کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

افسانوی تراجم کی اہمیت و افادیت ہمہ جہت ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے ہم اسے مختلف ضمنی عنوانات کے تحت تقسیم کر سکتے ہیں۔ جیسے ادبی، سماجی و ثقافتی، تاریخی اور سوانحی وغیرہ۔ ان ذیلی عناوین کے تحت افسانے کی اہمیت و افادیت کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ افسانوی ادب کے تراجم کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اسے ایک باب میں باندھنا سمندر کو کوزے میں شامل کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن یہاں پر کوشش کی گئی ہے کہ منتخب افسانوی ادب کو پیش کیا جائے۔

(الف) ادبی اہمیت

ادب میں دوسری زبانوں سے کئی افسانوی اصناف داخل ہوئیں اور اب اردو کا ہی حصہ بن گئیں۔ اگر ترجمہ نہ ہوتا تو اردو کا دامن اتنا وسیع نہ ہوتا۔ کسی بھی زبان کے فروغ کے لیے اسے دوسری زبان سے حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسے اور دوسری زبان سے اس زبان ترجمہ ہونا ضروری ہے۔ دنیا کی کوئی زبان کتنی ہی مقبول ہو، اسے ترجمہ کے ذریعہ دوسری زبانوں کی تخلیقات کو شامل کرنا ہوتا ہے۔

افسانوی ادب نثر کی مقبول قسم ہے۔ افسانوی ادب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں کہانی ہوتی ہے ساتھ ہی یہ زندگی سے جڑی سچائیوں کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ افسانوی ادب میں چاہے وہ ناول ہو یا افسانہ اس میں کہانی ہوتی ہے جو حقیقت سے قریب ہوتی ہے۔ افسانہ کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے۔ گویا افسانوی ادب میں ایک کہانی اور حقیقت دونوں کو لے کر چلتا ہے۔

کسی بھی زبان کے ادب میں ترجمہ کے ذریعہ سے وسعت ہوتی ہے۔ دوسری زبانوں کے ذریعہ کسی زبان میں بہت ساری نئی باتیں شامل ہوتی ہیں۔ کسی زبان زندہ رہنے اور اس کے ترقی یافتہ ہونے کے لیے اس کا ترجمہ ہونا اور دوسری زبانوں سے اس زبان میں ترجمہ ہونا ضروری ہے۔

ترجمہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری زبانوں کے ادب سے راست استفادہ ہمیشہ تھوڑے ہی لوگ کرتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ اپنی زبان کی معرفت ہی دوسری زبانوں کے ادب کو پڑھتے ہیں۔ اسی جانب شہباز حسین نے بھی توجہ دلائی ہے، چناں چہ وہ کہتے ہیں:

> کہا جاتا ہے کہ ترجمہ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اس میں اصل کے تمام محاسن آ ہی نہیں سکتے۔ یہ بات مشرقی ترجمے کے لئے یا ان زبانوں کے لئے تو ٹھیک ہے جو ابھی ترقی یافتہ نہیں ہیں جو ہر قسم کے معانی و مطالب کے اظہار پر قادر نہ ہوں مگر دنیا کی ترقی یافتہ زبانیں اب اس مرحلے پر پہنچ گئی ہیں کہ وہ کم از کم نثری تخلیقات کو بجنسہ دوسری زبانوں میں منتقل

کر سکیں۔ کسی دوسری زبان سے براہ راست استفادہ کرنے والے ہمیشہ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہیں لہٰذا ترجمے کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے گی کیوں کہ کالی داس، عمر خیام، اقبال اور ٹیگور کی عظمت کا اعتراف ترجموں کی بدولت ہی ہوا ہے'' 3

افسانوی ادب میں ترجمہ کی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے افسانہ نگاروں نے افسانے وغیرہ ترجمہ کیئے۔ اس کے بعد انھوں طبع زاد کہانیاں لکھی۔ کلاسیکی ادب میں سب سے اہم نام منشی پریم چند کا آتا ہے انھوں نے بھی طبع زاد کہانیوں کے علاوہ دوسری زبانوں سے کہانیں کے تراجم کئے ہیں۔

اردو ادب میں افسانوی تراجم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اگر اردو ادب میں افسانوی تراجم نہ ہوتے شیکسپیئر کے نام سے کوئی بھی واقف نہ ہوتا۔ کوئی بھی 'قلوپطرہ' کو نہیں پہنچاتا اور نہ کسی پتہ ہوتا ہے 'رومیو اور جولیٹ' کون تھے۔ مختلف کردار جو مغرب سے یہاں آئے ہیں اب یہیں کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اردو ادب کی ہی تخلیق ہے۔ اردو میں افسانوی تراجم کے ذریعے سے مختلف کردار متعارف ہوئے ان کرداروں نے ایک دنیا سے اردو ادب کو واقف کروایا۔

اردو میں افسانوی ادب کے تراجم سے مختلف ادبی تحریکوں سے شناسائی ہوئی۔ ادب برائے ادب، یا پھر ادب برائے اخلاق وغیرہ جیسی بحثیں اردو کے افسانوی ادب میں داخل ہوئیں۔ جس کی وجہ سے اردو کے قاری کو مختلف نوعیت کے ادب سے روشناس کیا گیا۔

سعادت حسن منٹو نے بھی طبع زاد افسانے لکھنے سے روسی اور انگریزی افسانوں کے ترجمے کئے۔ ان تراجم کی اشاعت عمل میں لائی گئی۔ ان ترجمہ شدہ افسانوں کی پذیرائی کے بعد انھوں نے طبع زاد افسانے تخلیق کئے۔ ترجمہ شدہ افسانوں کے مجموعوں میں ''بغیر اجازت'' اور ''روسی کہانیاں'' شامل ہیں۔

ادب میں ترجمہ کے ذریعہ ہی مختلف موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ اسے دوسری زبانوں سے جلا ملتی ہے۔ ایسے موضوعات جو اردو زبان میں اچھوتے تھے اور جن پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی اس پر مغربی افسانوں کے مطالعہ کے بعد نظر کی جانے لگی اور ان پر بھی لکھا جانے لگا۔ یہاں پر بہت سارے اردو کے افسانوں کی فہرست گنائی جاسکتی ہے جن میں مختلف موضوعات کے افسانوں کے تراجم کئے گئے ہیں لیکن صرف چند نام مرزا حامد بیگ کی کتاب ''کتابیاتِ تراجم'' سے دیئے جاتے ہیں۔

(ا) آئرستان کے بہترین افسانے: ترجمہ: رحیم، لاہور: مکتبہ کائنات، س۔ن، افسانے: انگریزی سے ترجمہ۔

(۲) اتیاچار: ٹیگور، رابندر ناتھ، ترجمہ: ن۔ن، راولپنڈی: لکشمی دیوناگیہ، 1943ء، افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(۳) انگریزی افسانے: ترجمہ: عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، 1931ء، افسانے: انگریزی افسانوں کی انتھالوجی، یہ ایک عظیم منصوبے کی تیسری جلد ہے۔

(۴) بہترین ہسپانوی افسانے: ترجمہ: رحیم، لاہور: مکتبہ جدید، 1964ء، افسانے: 20ویں صدی کے شاہکار افسانے، دوسرے بار البیان لاہور نے شائع کیا۔

(۵) بیوہ: ٹیگور، رابندر ناتھ ترجمہ: ن۔ن، لاہور، فرنٹیر، بکڈپو، ۱۹۴۳ء، افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

اردو ادب میں تراجم کے سبب ہی نئی نئی کہانیاں شامل ہوئی ہیں۔ ان کہانیوں کی وجہ سے ادب میں مختلف تہذیبوں کے بارے میں معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ افسانوی ادب کے مختلف معیارات متعین کرنے کے لیے مختلف زبانوں کے افسانوی ادب کا مطالعہ ناگزیر ہوتا ہے۔ کئی افسانہ نگاروں نے دوسری زبانوں کی کہانیوں کو پڑھا اور انھیں اردو میں ترجمہ کیا۔ مختلف تحریکوں سے واقفیت ہوئی۔ مختلف علاقوں کے عوام کے مسائل کو دیکھا۔ انھوں نے کیسے ان مسائل سے نجات حاصل کی۔ اس کے تناظر میں انھوں نے اپنے علاقے کے مسائل کے حل کے لیے کہانیاں لکھی۔ سعادت حسن منٹو نے روسی کہانیوں کا ترجمہ کیا تو عصمت چغتائی اور دیگر نے بھی کئی دوسری زبانوں کے افسانوں کے تراجم کیے۔

(ب) سماجی وثقافتی اہمیت

انسان ہمیشہ سے نئی نئی کہانیاں سننا چاہتا ہے۔ جب اس کے پاس مقامی کہانیوں میں دلچسپی نہ رہی تو وہ ایران، توران ،شیشان وغیرہ کی کہانیوں میں دلچسپی لینے لگا۔ اگر وہاں کی کوئی کہانی آتی تو اسے فوری ترجمہ کر کے یہاں بیان کر دیا جاتا۔

مختلف زبانوں کے درمیان سماجی وثقافتی لین دین بھی ہوتا ہے۔ اسی بات کی جانب سید احتشام حسین نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

> ''تجارت کی طرح مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان تہذیبی لین دین کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ دنیا کی کوئی تہذیب اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ خالص ہے اور اسے کسی دوسری تہذیب میں ایسے عناصر نظر نہیں آئے جن کی طرف اس نے شوق اور رشک آمیز تجسس کے ساتھ نہ دیکھا ہو۔ تہذیب کے دوسرے پہلوؤں کے مقابلہ میں ادب میں یہ بات زیادہ نمایاں ہوتی ہے کیونکہ رقص موسیقی اور مصوری کی نقل اتارنے کے بہ نسبت خیالات کو اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں ڈھال لینا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے ایک ادب دوسرے ادب سے وہ چیزیں اپنے یہاں منتقل کر لیتا ہے جنھیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے اپنے ادبی مزاج سے ہم آہنگ یا مفید پاتا ہے'' 4

کہانیوں میں سماجی پہلو بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں منشی پریم چند کے افسانوں میں گاؤں چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ منشی پریم چند نے نہ صرف حقیقت نگاری سے کام لیا ہے بلکہ انھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں سماجی وثقافتی پس منظر کو ملحوظ رکھا ہے۔ کئی سماجی مسائل پر انھوں نے لکھا ہے۔

مغرب سے ترجمہ کی گئے افسانوں اور ناولوں سے یہاں کے عوام نے بھی تہذیبی وثقافتی اثر کو قبول کیا ہے۔ بعض باتوں سے انحراف کیا اور بعض باتوں کو اپنایا۔ طرز زندگی میں تبدیلی لائی گئی۔ کہیں ڈھکے انداز میں تو کہیں کھلے عام مغربی کلچر کو اپنایا گیا۔ جو باتیں یہاں کبھی دیکھنے میں نہیں آتی تھی اور جن کا تصور بھی محال تھا وہ اب اخبارات کی زینت بنتی جارہی ہیں۔ سماجی وثقافتی اثر منفی بھی پڑا ہے اور مثبت بھی۔ منفی اثر میں وہ تمام خرافات شامل ہیں جو آئے دن ہم اخبارات میں پڑھتے اور ٹی وی پر دیکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے بھی کہیں نہ کہیں مغربی ادب کا اثر ہوتا ہے۔ جیسے یہاں مغربی کلچر میں والدین اور ضعیف لوگوں کی بہت عزت کی

جاتی تھی اور کسی گھر میں تو کسی محلّہ میں کوئی ضعیف شخص ہوتا تو لوگ اس سے اپنے مسائل بیان کرتے اور اس کی بات سنتے اور اس کے مشورے پر عمل کرتے لیکن آج کل بعض جگہ ضعیفوں کو دھرتی پر بوجھ سمجھا جا رہا ہے اور انھیں Old Age Home میں داخل کر دیا جاتا ہے تو بعض شر پسند انھیں جائیداد یا دوسری مالی منفعت کے لیے قتل بھی کرتے ہیں۔

وہیں دوسری طرف مغربی ادب میں بیان کردہ محنت اور جہد مسلسل سے کامیابی کا حصول بھی مثبت تبدیلی ہے۔

اردو ادب میں افسانوی تراجم کی وجہ سے مختلف تہذیبیں ہمیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ ہم بعض ممالک نہیں جا پاتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ وہاں جائیں اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں وہ کیسے رہتے ہیں کیا کھاتے ہیں کیا پیتے ہیں۔ وہاں کی رسوم ورواج کیا ہیں۔ یہ سب حقیقت نگاری کے ساتھ ہمیں صرف افسانوی ادب میں ہی نظر آتے ہیں۔ اردو ادب میں مغرب سے ہو یا پھر دیگر سمتوں سے جو بھی کہانی شامل ہوئی ہیں ان میں وہاں تہذیب، رسم ورواج اور عادتیں وغیرہ بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی ہیں۔

آزادی کے بعد جب افسانوی تراجم بڑے پیمانے پر کئے جا رہے تھے تو اس وقت جدید ٹکنالوجی نہیں تھی۔ اس لیے تفریح اور نئی تہذیب کو جاننے کا واحد ذریعہ صرف افسانوی ادب ہی تھا۔ لوگ انتظار کرتے تھے کہ کب نیا ناول یا نیا افسانہ ہمیں ملے ہم اسے پڑھ کر خود کو اس ملک میں محسوس کریں۔ غرض یہ کہ اردو میں افسانوی تراجم کو کسی ایک شعبہ میں نہیں بلکہ مختلف شعبہ حیات میں تہذیبی، سماجی وثقافتی اہمیت حاصل ہے۔

(ج) تاریخی اہمیت

ہمیشہ آج کے انسان نے کل تاریخ کو اہمیت دی ہے۔ تاریخی واقعات سے وہ سبق سیکھنا چاہتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کیسے گذشتہ قوموں نے تاریخی کی ہے اور کیسے مشکل حالات سے نجات حاصل کی۔ تاریخی افسانوی ادب میں ہمیں بہت کچھ دیکھنے کو ملتا ہے۔ تاریخی افسانوی تراجم کے ذریعہ کئی تاریخی حقائق سامنے آتے ہیں۔ ان میں کئی اہم تاریخی ناول، افسانے وغیرہ شامل ہیں۔

اس ضمن میں ''داستان امیر حمزہ''، ''انارکلی''' ''داستان ایمان فروشوں کی'' وغیرہ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم پر بھی بہت سارے ناول لکھے گئے ہیں۔ بے شمار افسانے ملک کی تقسیم پر رقم کئے گئے ہیں۔ ان کہانیوں میں کہیں نہ کہیں اصل تاریخ کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ کہانیاں ادب میں قارئین کے لئے عمدہ اضافہ ہوتی ہیں۔

عبدالحلیم شرر نے 28 تاریخی ناول لکھے ہیں۔ ان میں 1910ء میں فلپانا، 1912ء میں زوالِ بغداد، 1913ء میں روضۃ الکبری، وغیرہ شامل ہیں۔

علی احمد فاطمی نے تاریخی ادب کے بارے میں لکھا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> ماضی کی جانب مڑ کر دیکھنے اور تاریخ کی کھوج اور تلاش کرنے کے عمل میں دراصل موجودہ زندگی کے اضطراب کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ بہتر سے بہتر زندگی گذارنے کی خواہش بھی اسے ماضی کی دنیا میں لے جانے پر مجبور کرتی ہے۔ یہاں پر ایک بات کی وضاحت اور ضروری ہے کہ صرف ماضی کی طرف پلٹنے کی بات کو بہت اچھے معنی نہیں پہنائے جا سکتے۔ نیطشے نے ایک جگہ لکھا ہے: یہ بزرگوں کا کام ہے کہ وہ ماضی میں جھانکیں اور اس کا جوڑ توڑ کریں۔ اور ماضی کی یادوں میں سکون پیدا کریں۔''[5]

کئی تاریخی شواہد و حقائق ہمیں ترجمہ کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔ افسانوی ادب کے تراجم میں بڑے پیمانے پر تاریخی ناول، افسانے، ڈرامے اور کہانیاں لکھی گئیں۔

افسانوی ادب میں بعض ناول اور افسانے یوں تو تاریخی نہیں ہے لیکن ان میں تاریخ کا ایک بڑا حصہ نظر آتا ہے۔ جیسے مرزا ہادی رسوا کا ناول ''امراؤ جان ادا'' ایک ایسا ناول ہے جس میں ہمیں لکھنو کی قدیم تاریخ نظر آتی ہے۔

روسی انقلابی کہانیوں میں روس کی مختلف تحریکوں کا عروج و زوال نظر آتا ہے۔ خاص طور پر کمیونسٹ تحریک کی تاریخ ادب میں جا بجا بکھری ہوئی نظر آتی ہے۔

چینی کہانیوں میں نہ صرف چینی تہذیب نظر آتی ہے بلکہ چین کے کئی تاریخی واقعات اس میں قید ہیں۔ دیوارِ چین کی تاریخ کئی کہانیوں میں نظر آتی ہے۔ اگرچہ یہ تاریخ افسانوی نوعیت کی ہے لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

تاریخی افسانوی ادب بڑے پیمانے پر ادب میں پایا جاتا ہے۔ اس کی ایک جھلک کم از کم ضروری دکھائی دیتی ہے۔ مختلف افسانوں اور ناولوں کا پلاٹ یا اس کا جز تاریخی ہوتا ہے۔

آن لائن وکی پیڈیا کے مطابق:

Historical fiction is a literary genre in which the plot takes place in a setting located in the past.

ایسی کہانی جس کا پلاٹ ماضی کے کسی واقعہ سے ملتا ہے اسے تاریخی افسانوی ادب کہتے ہیں۔

انگریزی کہانیوں اور ناولوں میں ہمیں بڑے پیمانے پر مختلف تحریکات اور تاریخی واقعات نظر آتے ہیں۔ انگریزی ادب نے اپنے اندر بڑے بڑے تاریخی واقعات کو سمویا ہوا ہے۔ عالمی جنگیں ہو یا پھر امریکہ کی مختلف تحریکات، سب نے انگریزی ادب پر گہرے تاثرات چھوڑے ہیں۔

تاریخی کہانیوں کے تراجم نے اردو ادب میں مقبولیت حاصل کی۔

(د) سوانحی اہمیت

کامیاب انسان ہر کسی کے لیے آئیڈیل ہوتے ہیں۔کامیاب لوگوں نے کس طرح ترقی کی ہے یہ جاننا ہر کسی کی خواہش ہوتی ہے۔مشہور تاریخی ہیروز کی بائیوگرافی یا آٹو بائیوگرافی لکھی جاتی ہے۔ان سوانح حیات دوسروں کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔

مغرب کے کئی اہم اشخاص ہیں جنھوں نے نہ مغرب پر بلکہ ساری دنیا پر ایک اثر ڈالا ہے۔ان میں ایک قسم کی مقناطیسی کشش تھی جس کی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہوئے۔ان کے بارے میں جاننے کے متمنی ہوئے۔کوئی اپنی زندگی کسی چیز کی ایجاد کے لیے کھپا دیتا ہے تو کوئی اپنی زندگی خدمت خلق کے لیے وقت کر دیتا ہے۔کسی کا مقصد دولت کمانا ہوتا ہے تو وہ دنیا کے امیر ترین اشخاص میں شامل ہو جاتا ہے۔

جس طرح ہندوستان میں مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسی ہستیوں پر افسانوی ادب تخلیق دیا گیا اسی طرح انگریزی ادب میں بڑے پیانے پر سماجی، معاشرتی، معاشی یا کسی اور شعبہ میں کام کرنے والے افراد پر بھی کہانیاں اور ناول لکھے گئے۔اس کی مثالیں ہٹلر پر لکھے گئے ناول ہیں۔ساتھ ہی امریکہ کے کامیاب اشخاص پر کئی جلدوں میں ناول لکھے گئے ہیں۔

الغرض افسانوی ادب اور افسانوی تراجم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ افسانوی ادب سچائی کی بازیاب ہے۔ غیر افسانوی تحریر صرف سچ کو دکھاتی ہے۔افسانوی ادب میں یہ سچائی پورے احساسات کے ساتھ نظر آتی ہے۔جیسے ایک شخص کی خودکشی کی خبر صرف سچائی کو پہنچاتی لیکن اس واقعہ پر لکھا گیا افسانہ تمام اسباب اور کیفیات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

افسانوی ادب سے تخیل کو پرواز ملتی ہے۔افسانوی ادب کے ذریعے سوچ کے مختلف زاویے کھولتے ہیں۔غیر افسانوی کے ذریعے تخیل یا خیالات کو جلا نہیں ملتی۔اس کے ذریعے سے صرف خبر ہی معلوم ہوتی ہے۔افسانوی ادب کے ذریعے ہر قسم کے امکانات پر غور کیا جاتا ہے۔

افسانوی ادب کے ذریعے سے خوبصورتی کو ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح کسی آرٹ گیلری میں خوبصورت کو بہتر انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے اسی طرح الفاظ کو موتیوں کی طرح پرو کر ایک اچھے انداز میں افسانوی ادب کو تخلیق کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ غیر افسانوی ادب میں یہ حسن نہیں پایا جاتا۔صرف کہانی یا افسانوی ادب میں خوبصورتی اور حسن کو دوبالا کیا جاسکتا ہے۔

افسانوی ادب سے ذہن کی وسعتوں کو بڑھاوا ملتا ہے۔ غیر افسانوی ادب میں یہ بات ممکن نہیں ہے۔ افسانوی ادب سے سوچ میں گہرائی آتی ہے۔ نئی نئی باتیں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک جگہ مرکوز نہیں رہتا۔ ذہن ہمیشہ نئی نئی تکنیک اور طریقہ کار سوچتا رہتا ہے۔

افسانوی ادب کے ذریعے ادیب تیار ہوتے ہیں۔ ان کا اسلوب مختلف ہوتا ہے۔ غیر افسانوی ادب میں اسلوب نہیں ہوتا۔ جیسے اخبارات کی خبریں ایک طرح کی ہوتی ہیں جب کہ افسانوی ادب میں ہر ادیب اپنا ایک مخصوص اسلوب اختیار کرتا ہے۔ صاحبِ طرز ادیب کی پہچان ان کے مخصوص اسلوب کے ذریعے ہوتی ہے۔

افسانوی ادب دلچسپی کا باعث ہے۔ یہ مشغلہ ہے۔ جب کہ غیر افسانوی تحریر ایک کام ہے۔ افسانوی ادب سے محظوظ ہوا جا سکتا ہے۔ غیر افسانوی ادب میں دلچسپ اور پرلطف تحریر نہیں ہوتی۔ افسانوی ادب میں کہانیاں ہوتی ہیں۔ مختلف کردار ہوتے ہیں، پلاٹ اور مکالمے ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچوں سے لے کر بڑے بزرگوں تک سبھی کو نئی اور دلچسپ کہانیاں پڑھنا اچھا لگتا ہے۔

☆☆☆

(ھ) مذہبی اہمیت

ترجمہ کی مذہبی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان ترجمہ کے اولین نقوش مذہبی ہی ہیں۔ چنانچہ عیسائی پادریوں نے بائبل کے اردو تراجم کروائے تھے۔اٹھارویں صدی عیسوی سے ہی مذہبی کتابوں کے تراجم کروائے گئے۔انیسویں صدی میں بڑے پیمانے پر تراجم ہوئے ہیں۔ مذہبی تراجم میں قرآن مجید، بائبل اور دیگر مذاہب کی کتابیں شامل ہیں۔اگر چہ ان کا کتابوں کا تعلق غیر افسانوی ادب سے ہے لیکن ان کتابوں میں قصہ کہانیوں اور گذشتہ لوگوں کی داستانوں کو شامل کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف انبیاء اکرام کے قصوں کو پیش کیا گیا ہے۔سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ایک نہایت تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے قصوں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ کہانیاں عبرت اور نصیحت کے لئے پیش کی گئی ہیں۔

بائبل کی کہانیاں بھی کافی مشہور ہیں۔انھیں ٹی وی اور فلموں میں شکل میں بھی محفوظ کر لیا گیا ہے۔

ہندو دیوی دیوتاؤں کے قصہ کہانیاں بھی بڑی تعداد میں اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں۔جن میں مہارت اور رامائن شامل ہے۔ان قصوں میں مذہبی تعلیمات نظر آتی ہے اور اچھائی اور نیکی کے لئے ابھارا جاتا ہے۔

انگریزی سے اردو میں ترجمہ شروعات بھی مذہبی نقطہ نظر سے ہی ہوئی۔ مذہبی کی ترویج و اشاعت کے لئے سب سے پہلے اردو میں مذہبی کتابیں ترجمہ کی گئیں ۔اردو کے ابتدائی دور میں سب سے پہلے جو کتاب ترجمہ ہوئی وہ بائیبل ہے۔ چناں چہ شہباز حسین نے بھی اس جانب توجہ دلائی ہے وہ لکھتے ہیں:

> ’’مغلیہ دور حکومت میں سنسکرت سے فارسی میں کافی ترجمے ہوئے ۔انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی سے مقامی زبانوں میں ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا۔فورٹ ولیم کالج میں انگریزی سے کسی کتاب کا ترجمہ اردو میں نہیں ہوا لیکن عربی اور فارسی اور سنسکرت کے تراجم ضرور ہوئے ۔انگریزی سے اردو میں ترجمہ شدہ پہلی کتاب بنجمن شلر کا ’’انجیل مقدس‘‘ ہے جو 1748ء میں شائع ہوئی۔ بعدہ مرزا فطرت نے دل ہیز کی مدد سے 1805 میں انجیل

کے ''عہد جدید'' کا ترجمہ شائع کیا۔'' 6

مذہبی تعلیمات کو ترجمہ کے ذریعے سمجھنے کو شروع میں غلط کہا جاتا تھا۔ بعض تہذیبوں میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شودر مذہبی تعلیم سن لے تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔

مختصر یہ کہ اردو میں افسانوی تراجم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ادبی، تاریخی، سماجی و ثقافتی اور مذہبی اہمیت کا ذکر یہاں پر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ سب ہی ادب میں فکشن کی اہمیت سے واقف ہی ہیں۔

اردو کے آغاز کے دور میں دیگر زبانیں ترقی یافتہ بن چکی تھی۔ اردو چوں کہ اس ملک میں نئی زبان تھی اس لئے اس نے تمام زبانوں کے تراجم کو اپنے اندر سمولیا۔ اس سے اردو کا دامن بھی وسیع ہوا اور اردو والوں کو نئے نئے موضوعات اور نئی نئی کہانیاں پڑھنے کا موقع ملا۔

☆☆☆

حوالے

1اردو افسانے پر مغربی افسانے کا اثر، ممتاز شریں، اردو افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2000ء، صفحہ 83
2 اردو افسانے پر مغربی افسانے کا اثر، ممتاز شریں، اردو افسانہ روایت اور مسائل، مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2000ء، صفحہ 85
3 شہباز حسین، ترجمہ کی اہمیت، مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2004ء، ص181
4 سید احتشام حسین، اردو میں دوسری زبانوں کا افسانوی ادب، مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2004ء، ص181
5علی احمد فاطمی، تاریخی ناول فن اور اصول، ای بک، بزم اردو لائبریری
6شہباز حسین، ترجمہ کی اہمیت، مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2004ء، ص181

باب سوم

اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کی روایت

اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کی روایت

اردو میں ترجمہ کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود اردو زبان۔ اردو زبان کی ابتداء ہی سے دوسری زبانوں سے اس میں تراجم کئے گئے۔ اردو کا دامن دوسری زبانوں سے ہی وسیع ہوا۔ انگریزی ادب سے اردو میں کئی اصناف داخل ہوئیں اور انگریزی نے ہی نوزائیدہ زبان کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنا سکھایا۔ مرزا حامد بیگ اردو کے پہلی ترجمہ شدہ کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ہمارے ہاں ادبی تراجم کی تاریخ میں ''از ڈاکٹر سیموئیل جانسن کے ترجمہ ''تواریخ راسلس، شہزادہ حبش کی'' از سید محمد میر لکھنوی مطبوعہ آگرہ، طبع اول 1839ء کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ بلا کسی شک وشبہ کے مغرب کی کسی بھی زبان سے اردو میں ہونے والا، کتابی صورت میں پہلا ادبی ترجمہ ہے۔ اس سے قبل ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اپنی کتاب ''ہندوستانی زبان کے قواعد'' مطبوعہ کلکتہ، طبع اول 1786ء'' میں ولیم شیکسپیئر کے دو ڈراموں ''ہیملٹ'' اور ''ہنری ہشتم'' کے دو چیدہ اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش کیا تھا۔''[1]

انیسویں صدی کے آغاز سے ہی اردو میں ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے اولین مترجم سید محمد میر لکھنوی نے ریورنڈ چالس کی چھ جلدوں میں کیمسٹری سے متعلق کتاب کا ترجمہ 1828ء میں کیا تھا۔ پہلی جنگ آزادی 1857ء کی ناکام غدر کے بعد ترجمہ کے کام میں تیزی آئی۔ ہندوستانی ادیب مختلف تہذیبوں کی جانب دیکھنے لگے۔ انھوں نے روسی، چینی اور امریکی ادب کو پڑھا۔

مغربی تہذیب کی مخالفت میں مشرقی ادب میں اخلاقی درس دیا جانے لگا۔ یہ اخلاقیات کا درس فکشن کے ذریعے بھی دیا جارہا تھا۔ اس میں ابتدائی ناول نگار نذیر احمد کا نام سب سے اہم ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعہ سے اخلاقی قدروں کو بچانے کی تلقین کی۔ چنانچہ وقار عظیم لکھتے ہیں:

لوگوں کے دلوں میں مغربی تہذیب وتمدن کے زہریلے اثرات کے خلاف جوشدید
جذبہ تھا، اسی نے ادب میں مذہبی اور معاشرتی اصلاح کی صورت اختیار کی تھی اور اسی کی
جھلک ہمیں نذیر احمد کے ناولوں میں نظر آتی ہے۔[2]

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں نیکی کرنے اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کی۔اس کی مثال ان کا ناول ''توبۃ النصوح'' ہے۔جس کے کردار دعوت عمل دیتے ہیں۔بھلائی کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اردو میں آزادی کے بعد کے افسانوی تراجم بڑے پیمانے پر کئے گئے۔1947 سے 2015ء تک افسانوی ادب میں چند تحریکیں بھی شامل ہوئیں۔

جن میں اہم ترقی پسند، جدیدیت اور مابعد جدیت ہیں۔ترقی پسند ادیبوں نے اپنی بات کو منوانے کے لیے یوروپ کے ترقی پسند ادب کا اردو میں ترجمہ کیا۔اس ادب کے ذریعے اردو والوں کو بتایا گیا کہ دیکھئے یہ ہوتا ہے ترقی پسند ادب۔انقلابی ادب اور تبدیلی پسند ادب تیار کیا گیا۔سعادت حسن منٹو نے روسی انقلاب سے متاثر ہو کر روسی کہانیوں کے اردو میں ترجمہ کیا۔ڈراما ''ویرا'' اسی کی ایک بہترین مثال ہے۔

جدیدیت سے متاثر ہوکر جو افسانے ترجمہ کئے گئے وہ روایتی افسانوں سے مختلف تھے۔حقیقت نگاری کے ساتھ اس میں تجریدیت بھی شامل ہوگئی۔بعض کہانیوں میں صرف کچھ عجیب واقعات بیان کردیئے جاتے جس کی تشریح نہیں جاتی۔قاری خود فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ یہ کیوں ہوا اور ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا یا پھر ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

انگریزی ادب سے کا اثر ہندوستانی مصنفین نے بھی قبول کیا۔انگریزی ادب کی طرز پر اردو میں بھی کہانیاں لکھی جانے لگی۔ اس کی مثال مجنوں گورکھپوری سے بھی دی جاسکتی ہے۔وقار عظیم اس تعلق سے لکھتے ہیں:

مجنوں گورکھپوری کے افسانے بھی انگریزی کے گہرے اثر کی ایک نمایاں مثال ہیں۔
ان کا حزنیہ نظریۂ حیات اور ان کے افسانہ پر چھائی ہوئی ایک گہری سنجیدگی، گھٹا ہوا پلاٹ اور
جذبات کی رَو، یہ سب چیزیں انھوں نے انگریزی کے مشہور ناولسٹ ہارڈی سے لی ہیں اور
انھوں نے ہارڈی کی افسانویت اور ان کی سنجیدگی و دلکشی کو بالکل اپنالیا ہے۔اسی طرز کے
افسانے ایک اچھے خاصے طبقے میں پسندیدہ نظر سے پڑھے جاتے ہیں۔''خواب وخیال''،

''بے گانہ''،''شکست بے صدا''،''سمن پوش''،''تم میرے ہو''،''مادر چہ خیالم و فلک در چہ خیال''ان کے اس خاص طرز کی نمائندگی کرتے ہیں۔3

جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباس میں وقار عظیم نے بتایا ہے اردو ادیبوں پر انگریزی ادیبوں کے اسلوب کے اثرات مرتب ہوئے۔ مجنوں گورکھپوری کے علاوہ بھی کئی اردو مصنفین پر یہ بات صادق آتی ہے کہ ان کی تحریروں میں مغرب کے طرز تحریر کی خوشبو آتی ہے۔

مابعد جدیدت میں افسانوی ادب کی روایت الکٹرانک دور کے آغاز کے بعد ہوئی۔ یہ افسانوی ادب جدیدیت کے آگے کی اختراع ہے۔ یہاں پر بعض چیزیں شعور کی رَو کی طرح ہوتی ہیں جو کبھی ایک جگہ نہیں رکتی بلکہ خیالات کی ندی میں تیرتی رہتی ہیں۔ انسان کو کسی ایک مرکز پر توجہ مرکوز نہیں کرنے دیتی بلکہ ابھی کسی خیال میں گم ہوتے ہیں تو کبھی اچانک دوسرا خیال آجاتا ہے۔ ایک بات ذہن میں چل رہی ہوتی ہے پھر اچانک اس کی مخالف بات ذہن میں آجاتی ہے۔اس طرح کے کئی افسانے اور ناول اردو میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔

اردو میں اشاروں اور کنایوں میں بات کو پیش کرنے کی روایت جارج آرویل کے ناول''اینمل فارم'' کے ترجمہ سے ہوئی۔ اس کا ایک ترجمہ جانورستان کے نام سے بھی ہوا۔اس میں انسانوں اور ان کے واقعات کو راست طور پر نہ بتاتے ہوئے جانوروں کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ روس کے انقلاب کی پول کھول کر رکھ دی گئی ہے۔انقلاب کے لیے عوام کو اکسایا گیا لیکن پھر جب انقلاب آیا تو وہ نئے لوگ بھی پرانے لوگوں کی ہی طرح ظلم کرنے لگے۔ جانور انسانوں کو دشمن سمجھتے ہیں اور ان سے آزادی حاصل کرتے ہیں۔لیکن دیکھتے دیکھتے سور جو بدشکل اور غلاظت کھانے والا جانور ہے یہ جانورستان پر قابض ہوجاتا ہے اور انسانوں کی طرح جانوروں پر ظلم کرتا ہے۔

اردو میں افسانوی تراجم کی روایت کو مزید دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) اہم بیرونی زبانوں سے اردو میں تراجم

اردو میں افسانوی تراجم کی روایت آزادی سے پہلے ہی ملتی ہے۔ اردو میں زیادہ تر تراجم آزاد خیالی اور آزادی پسند ادب سے کئے گئے۔ ہندوستان کا اردو قاری ان باتوں سے نا آشنا تھا۔آزادی کے بعد وہ ایک حادثہ سے گذر چکا تھا۔اس کے زخم

ابھی ہرے تھے۔ وہ اسے بھلانے کے لیے نئی نئی کہانیوں میں کھو جانا چاہتا تھا۔ کبھی انقلاب کی باتیں اسے بھاتی تھی تو کبھی یورپ کی عشق وعاشقی سے یہ محظوظ ہوتا تھا۔

پیٹرول کی دریافت کے بعد خلیجی ممالک میں برصغیر ہندو پاک سے بڑی تعداد میں لوگ ملازمت کے سلسلہ میں جانے لگے۔ یہ لوگ صرف اردو جانتے تھے۔ ان کی دل بہلائی کے لیے پاکستان سے ضخیم میگزین نکلتے تھے۔ یہ میگزین ملازمت کرنے والوں کے لیے واحد تفریحی سامان تھے۔ ان ضخیم ماہنامہ میگزین کے ایڈیٹر حضرات کے لیے یہ ایک اہم مرحلہ عمدہ مواد کی فراہمی تھا۔ جو قارئین کو پسند بھی آئے اور اس کا انتظار بھی کرتے رہیں۔ اسی کے پیش نظر انگریزی کے بہترین ناولوں کے اردو میں قسط وار تراجم شروع ہوئے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک یہ کافی عروج پر پہنچ گئے تھے۔ اردو میں افسانوی تراجم میں یہ ایک واقعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

حیدرآباد کے معروف ادیب وطبیب ڈاکٹر عابد معز اس تعلق سے کہتے ہیں:

> ''1980ء کے دہے میں اپنے گھربار سے دور ملازمت کے سلسلے میں جانے والے افراد اردو ڈائجسٹ خرید کر پڑھتے تھے۔ ان ڈائجسٹوں میں قسط وار کہانیاں، ناولیں شائع ہوتے تھے جن میں بیرونی ممالک کی کہانیوں اور ناولوں کے تراجم شامل تھے۔ لوگوں کی دلچسپی کے پیش نظر بڑے پیمانے یوروپی اور دیگر ممالک کے کی زبانوں کے ادب کے اردو میں تراجم کئے گئے جو قارئن کو بہت پسند آتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ترجمہ شدہ افسانوی ادب کا ذخیرہ بھی جمع ہو گیا''۔ 4

بیرونی زبانوں انگریزی اردو کے افسانوی ادب پر کافی گہرا اثر پڑا ہے۔

ولیم شیکسپیئر کا نام انگریزی افسانوی ادب میں بہت اہم ہے۔ ولیم شیکسپیئر کے ڈراموں کے نا صرف اردو میں تراجم ہوئے بلکہ ان کے موضوع پر کئی فلمیں بھی بن چکی ہیں۔ افسانوی ادب کی روایت میں ان کا اہم کردار ہے۔ ہیملٹ ان کا اہم ڈراما ہے۔ اس ڈرامے کا اہم کردار ہیملٹ نہایت فعال ہے۔ جو اپنے باپ کے قتل کے تعلق سے کافی پریشان رہتا ہے۔ وہ سوچتا رہتا ہے کہ یہ دنیا نہایت تکلیف دہ جگہ ہے یہاں پر لوگ مختلف مفادات کے تحت جیتے اور اس کے لئے دوسروں کو قتل بھی کرتے ہیں۔ شہزادہ ہیملٹ نہایت شریف ہے جس کے باپ کی روح اسے دکھائی دیتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ انتقام لے۔ آخر میں وہ انتقام

لیتا ہے اور خود بھی مر جاتا ہے۔

شیکسپیر کے دیگر ڈراموں میں رومیو جیولٹ، اُتھلو وغیرہ اہم ڈرامے ہیں۔

آسکر وائلڈ، کا ڈراما ویرا بھی اہم ہے جو انقلاب روس کے تعلق سے پیدا شدہ حالات کی عکاسی کرتا ہے۔

اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم کے شواہد ملتے ہیں ان پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی۔ بیرونی زبانوں میں فرانسیسی، انگریزی، روسی، جاپانی اور جرمن وغیرہ شامل ہیں۔

(ب) اہم ہندوستانی زبانوں کے اردو میں تراجم

ہندوستان میں بیرونی ممالک کی زبانوں کے تراجم کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں کے تراجم بھی کئے گئے۔ اس کے تحت تقریباً ہر اہم زبان سے اردو میں افسانوی تراجم شامل ہیں۔

مراٹھی زبان کے کئی شاہکار ناول اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں۔ 'کوسلا' ایک اہم مراٹھی ناول ہے جس کا اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا۔

مراٹھی ادب کے تعلق سے پروفیسر صاحب علی نے لکھا ہے:

> مراٹھی ناولوں کے ترجمے کی ابتداء ہری نارائن آپٹے کے ناول ''میں'' اور وینکٹیش ماڈگلکر کے ناول '' بنگرواڑی'' سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کا تیسرا ناول مدھومنگیش کرنک کا ناول ''ماہم کی کھاڑی'' ہے جسے سلام بن رزاق نے اردو کا جامہ پہنایا۔ شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی کے مقاصد میں ایک مقصد ترجمے کے ذریعے مراٹھی اور اردو میں لسانی اور ادبی رشتہ کو استوار کرنا بھی ہے۔ اس سلسلے میں راقم نے جدید مراٹھی ادب کے دو شاہکاروں پروفیسر پرشوتم رام ریگے کے ناولٹ ''ماوتری'' اور وشرام بیڈیکر کے ناولٹ ''رن آنگن'' کے اردو ترجمے پیش کئے جو اردو کے ادبی حلقوں میں پسند کیے گئے۔ زیر نظر ترجمہ بھی پروفیسر ریگے کے دوسرے مشہور ناولٹ ''اولوکتا'' کا ہے جو اپنے ادبی مرتبے کے لحاظ سے ساوتری ہی کی طرح اہم ہے اور ناول کی ٹیکنیک کے لحاظ سے ساوتری سے مماثلت رکھتا ہے''۔5

مذکورہ بالا اقتباس میں مراٹھی کے مشہور شاہکاروں کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے مراٹھی ادب کے ابتدائی

تراجم کے تعلق سے بھی روشناس کروایا ہے۔ مراٹھی ادب کے کئی شاہکار ناول اور افسانے ایسے ہیں جن کی مقبولیت بہت زیادہ ہے اور جن پر فلمیں بھی بن چکی ہیں۔

کشمیری افسانے کے نام سے کئی افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ زماں آزردہ نے اردو میں تراجم بھی کئے ہیں۔

ہندی چونکہ اردو سے مماثلت رکھتی ہے اس لئے اردو سے ہندی میں اور ہندی سے اردو میں کافی کچھ تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ ہندی کے مشہور ناولوں کے اردو میں تراجم ہو چکے ہیں۔

پنجابی افسانوی تراجم کی کتاب 'پنجابی افسانے' جو ہر بھجن سنگھ نے لکھی ہے اسے ترجمہ مخمور جالندھری نے کیا ہے اور نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی نے اسے شائع کیا۔

ڈوگری زبان کا مشہور ناول 'قیدی' دیش بندھو ڈوگرا نوتن نے لکھا ہے، اس کو ڈوگری سے اردو میں ترجمہ بلراج بخشی نے کیا ہے۔

مرزا حامد بیگ نے اپنی کتاب مغرب سے نثری تراجم میں ایک طویل فہرست بھی شامل کی ہے۔ اس کے علاوہ کے بہت سی علاقائی زبانوں سے اردو میں افسانوی ادب کے تراجم ہوئے ہیں۔

''اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے تحت منتخب افسانوی ادب کے شاہکاروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ترجمہ کی روایت کے باب کو مختصر ہی رکھا گیا ہے۔ تمام اصنافِ سخن کے منتخب شاہکاروں کو شامل کرنے کے بعد آئندہ ابواب میں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆☆☆

حوالے:

1۔مرزا حامد بیگ ڈاکٹر،اردو میں ترجمے کی روایت،مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ، 2004ء،ص189

2۔ وقار عظیم، نیا افسانہ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2009ء،ص15

3۔ وقار عظیم، نیا افسانہ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2009ء،ص23

4۔ شخصی انٹرویو،ڈاکٹر عابد معز،15 مئی 2017ء،ٹولی چوکی حیدر آباد

5۔''ممبئی کے ساہتیہ اکاڈمی انعام یافتگان، شاعر ادیب اور مترجم'' مصنف پروفیسر صاحب علی،ممبئی یونیورسٹی، ناشر شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی،صفحہ 169

باب چہارم

اُردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ

اُردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ

اردو ادب میں انگریزی اور دیگر زبانوں سے کافی تراجم ہوئے ہیں۔خاص طور پر انگریزی سے کافی تعداد میں ہوئے ہیں۔مختلف مکاتب فکر نے اپنے اپنے نظریات کی تشہیر کے لیے ادب کا ترجمہ کیا۔مختلف تحریکوں سے متاثر ہوکر انقلابی ادب کے تراجم بھی کئے گئے۔آزادی کے بعد سے اب تک بہت زیادہ تراجم ہو چکے ہیں۔اس مقابلہ کی مناسبت سے یہاں پر مختلف اصناف کے منتخب افسانوی ادب کا جائزہ لیا جائے گا۔زمانی اعتبار سے ترتیب دی جارہی ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے

(الف) داستان

(ب) ڈرامے

(ج) افسانے

(د) ناول

افسانوی ادب کے انتخاب میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا کہ وہ شہ پارہ جس کا جائزہ لیا جارہا ہے کلاسیکی ، ایوارڈ یافتہ،مشہور یا پھر غیر معمولی اہمیت کا حامل ہو۔آزادی کے زمانے میں داستانیں تو کم ہی ہیں۔دیگر ڈراموں کے علاوہ شیکسپیئر کے ڈراموں کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔افسانوں میں انگریزی کے علاوہ روسی افسانوں کے تراجم کا بھی انتخاب کیا جائے گا۔افسانوی ادب میں سب سے زیادہ مواد 'ناول' کا ہی ہے۔جاسوسی،تاریخی،رومانی غرض بہت سارے ناول دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں۔اس میں تمام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

(الف) داستانیں

’’داستان‘‘ اردو ادب کی قدیم صنف سخن ہے۔ جس میں حقیقی کرداروں کے علاوہ مافوق الفطرت عناصر جیسے جن، بھوت، پری، راکھشس، انسانوں کی طرح بات کرنے پرندے اور جانور ہوہوتے ہیں اور طویل قصہ ہوتا ہے جس میں کئی ضمنی کہانیاں نظر آتی ہے۔ افسانوی ادب میں سب سے پہلے داستانیں آتی ہیں۔ داستانیں ہندوستان کی آزادی سے پہلے کافی عروج پر تھیں۔ عوام وخاص کو فرصت میسر تھی اور طویل داستانیں سنا کرتے تھے۔ خاص طور پر عربی زبان سے اردو میں آئی داستانیں کافی مشہور ہوئیں۔ اس مقالہ میں ’’اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ‘‘ لیا جارہا ہے۔ داستانوں کی اردو ادب میں اہمیت ہے لیکن اردو پر اثر انداز ہونے اور مقبول خاص ہونے کا سہرا افسانوں اور ناول کے سر جاتا ہے۔ اردو کی چند داستانوں کا یہاں جائزہ لیا جارہا ہے جو مختلف تہذیبوں کی ترجمان ہے۔

’الف لیلیٰ‘ کافی مشہور داستان ہے۔ ’’الف لیلیٰ‘‘ عربی زبان کی مشہور داستان ہے جس کا ایک ترجمہ ’’الف لیلہ ولیلہ‘‘ کے عنوان سے ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد نے دو جلدوں میں کیا۔ جسے انجمن ترقی اردو (ہند) نے 1941ء میں شائع کیا۔ جس سلسلہ مطبوعات نمبر 167 ہے۔ جلد دوم 561 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر ٹی وی سیریل بھی بن کر مقبول عام ہو چکا ہے۔ عربی تہذیب اور اسلامی روایات کی جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ الف لیلیٰ، اردو میں اس قدر مقبول ہے کہ اردو کی ہی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ اردو میں موجود داستان الف لیلیٰ میں یہ صراحت نہیں کی گئی ہے کہ یہ انگریزی کے معرفت اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں یا راست عربی سے ترجمہ ہوا ہے۔

’’ہزار داستان‘‘ کے نام سے مولوی محمد حامد علی خان نے الف لیلیٰ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں کل 577 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب عربی یا انگریزی کس زبان سے ترجمہ ہوئی اس کی صراحت نہیں ہے لیکن یہ کتاب عربی سے ترجمہ شدہ معلوم ہوتی ہے۔

انگریزی کتاب THE ARABIAN NIGHTS: THEIR BEST-KNOWN TALES ویب سائٹ www.read.gov پر دستیاب ہے۔ یہ 408 صفحات پر مشتمل ضخیم اسکیان شدہ کتاب ہے۔ یہ کہانی انگریزی کی طرح شروع ہوتی ہے۔ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت بعض الفاظ کے ترجمہ کے بجائے بعض جگہ اس کا مفہوم لکھ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ انگریزی کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> There was an emperor of Persia named Kosrouschah, who, when he first came to his crown, in order to obtain a knowledge of affairs, took great pleasure in night excursions, attended by a trusty minster. He often walked in disguise through the city, and met with many adventures, one of the most remarkable of which happened to him upon his first ramble, which was not long after his accession to the throne of his father.[1]

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس کا اردو میں ترجمہ دیکھیں تو بعض الفاظ کی جگہ اس کے مفہوم کو شامل کیا گیا ہے۔ اسلوب کو داستانوی ہی رکھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا انگریزی اقتباس کا اردو ترجمہ اس طرح ہے:

> ''اگلے زمانے میں سلطنت ملک پارس کی بڑی تھی اور بہت جزیرے دور تک اس کے تابع تھے وہاں ایک بادشاہ بہت بڑا عادل اور رعایا پرور تھا اور خزانہ بسیار اور لشکر بیشمار رکھتا تھا اور اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام شہریار اور چھوٹے کا شاہ زماں اور دونوں بضمیع صفات وموصوف تھے۔ جب وہ بادشاہ جاں بحق تسلیم ہوا بڑا بیٹا بجائے اس کے تخت پر بیٹھا اور شاہ زماں کو اس نے بہت کچھ فوج وخزانہ دے کر حکومت ملک تاتار کی دی۔ شاہ زماں بڑے بھائی کا شکریہ بجالایا اور رخصت ہوا اور شہر سمرقند کو جو اس وقت میں سب شہروں سے بڑا تھا دارالملک مقرر کر کے اس میں رہنے لگا۔''[2]

Persia کا ترجمہ پارس کیا گیا ہے Kosrouschah کے بجائے 'ایک بادشاہ' لکھا گیا ہے۔

---

1 The arabian Nights, There Best Known Tales, Edited By Kate Douglas wiggin and Nora A Smith, Published October 1909., www.read.gov,Page-3

2 محمد حامد علی خان، مولوی، ہزار داستان، ترجمہ الف لیلہ نثر، مطبع تیج کمار پریس لکھنو، اشاعت سن 1960ء، صفحہ 3

مختصر یہ کہ الف لیلیٰ ایک طویل داستان ہے۔اس داستان میں ایک بادشاہ کے دولڑکے ہیں بادشاہ کی موت کے بعد دونوں لڑکے مختلف ریاستوں کے حکمراں بنتے ہیں۔ ان کی بیویاں انھیں دھوکہ دیتی ہیں جس سے شہزادے جواب بادشاہ بن چکے ہیں عورتوں کے تعلق سے متنفر ہوجاتے ہیں۔ ہرروز ایک عورت سے شادی کرتے اور صبح اس کو قتل کردیتے۔ایک دن وزیر کی بیٹی بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔لوگ سمجھاتے کہ کیوں مرنے کی تیاری کررہی ہو۔وہ شادی کرلیتی ہے۔شادی کی پہلی رات وہ بادشاہ کوایک کہانی سنانا شروع کردیتی ہے۔صبح ہوتے کہانی دلچسپ موڑ پرروک دیتی اورکل تک کی مہلت مانگ لیتی۔اسی طرح وہ ایک ہزارراتوں تک مختلف کہانیاں سناتی۔ان کہانیوں کے ذریعہ بادشاہ کے دل میں جوعورتوں کے تعلق سے نفرت تھی وہ بھی دور ہوجاتی ہے۔آخر میں بادشاہ عورتوں کوقتل کرنے سے باز آجاتا ہے۔سب رعایا خوشحال ہوجاتی ہےاورکہانی ختم ہوجاتی ہے۔

کالی داس کے ناٹک ''شکنتلا کواردو''داستان شکنتلا ناٹک'' کے نام سے مرزا حسن کاشانی نے 1838ء میں ترجمہ کیا تھا۔کالی داس نے مہابھارت سے کہانی کا پلاٹ لیا ہے۔اس میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔شکنتلا ایک سادھو کی لڑکی ہے۔ یہ راجا دشرت کی بیوی تھی اوراس کے بیٹے کا نام بھرت تھا۔راجا اپنی بیوی کواس لئے جنگل روانہ کردیتا ہے کہ اس کے پاس راجا کی دی ہوئی انگوٹھی نہیں تھی۔ وہ انگوٹھی ندی میں گرجاتی ہے۔ایک دن وہ مچھلی کے پیٹ سے راجا کے سامنے برآمد ہوتی ہے۔تب راجا شکنتلا کو اپنے بیٹے بھرت کواپنالیتا ہےاور یہ سب مل جل کررہنے لگتے ہیں۔اس داستان میں ہندوتہذیب اوردیومالائی قصے نظر آتے ہیں۔

''داستان چل وزیر'' ترکی زبان کے مشہورقصہ''قرق وزیر تاریخی''مصنفہ شیخ زادہ کواے جے ڈبلیوگپ کے انگریزی ترجم سے اردو میں پیسہ اخبار لاہور نے ترجمہ کیا۔ دوسرا ایڈیشن 1909ء میں شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن 359 صفحات پرمشتمل ہے۔ ایرانی ماحول اس داستان میں نظر آتا ہے۔

سنگھاسن بتیسی، ترجمہ پروفیسر احمد صدیق مجنوں کا کافی مشہور ہے۔اس کا مقدمہ مجنوں گورکھپوری نے لکھا ہے۔

اس کے متن کانمونہ حسب ذیل ہے:

> ہزاروں برس گذرے کہ ہندوستان کے مشہور ملک مالوہ میں ایک بہت بڑا شاندار اور ہمتور بادشاہ راج کرتا تھا۔ جو بہادری اور طاقت میں رستم،عدل وانصاف میں نوشیرواں اور خیرات اوردان پن میں اپنے زمانے کا حاتم تھا۔ دینداری اور پرہیزگاری میں بھی کوئی اس کا جوڑ نہیں تھا۔ اپنے دھرم کی حفاظت کرنا وہ اپنا سب سے پہلا فرض سمجھتا تھا۔ اس کے راج

میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے اس کی دریائے سخاوت سے فائدہ نہ پہنچا ہو۔ اس بادشاہ کا نام راجہ بھوج تھا۔ اس کی راجدھانی اجین تھی۔ جہاں جہاں اس کا راج تھا لوگ امن اور چین کی بنسی بجایا کرتے تھے۔ راجہ خوش، رعیت آباد، دوست خرم اور دشمن برباد تھے''۔ 1

داستان ''سنگھاسن بتیسی'' کا ترجمہ تیج کمار پریس وارث نول کشور پریس لکھنو میں چھپوا کر شائع کیا گیا۔ یہ مشہور داستان ہے۔ اسے کئی مرتبہ شائع کیا گیا۔ آزادی کے بعد 14ویں مرتبہ ماہ جولائی 1969ء میں شائع ہوا۔ مترجم کا نام کتاب میں نہیں ہے۔ پریس کا نام ہے اور ایم ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ کی نگرانی کا ذکر ہے۔ 98 صفحات پر مشتمل یہ داستان کا ترجمہ کافی مشہور تھا۔ اس پر ٹی وی سیریز بھی بن چکی ہے۔

متن کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے:

''ایک راجہ بھوج اُجین نگری کا راجہ مہابلی اور بڑا دھنی جسی اور دھرما تما تھا۔ جتنے لوگ اس کے راج میں بستے تھے سب چین کرتے تھے راجہ راج پر جا سُکھی۔ کسی کو کوئی دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ یہ نیاؤ اُس کے یہاں تھا کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے تھے او رسب اس کے آسرے سے جیتے تھے۔ پرمیشر نے جیسے اسے دنیا کے پردے پر اتارا سب نے سہاروں کا کیا سہارا اور روپ اس کا دیکھ کر چودھویں رات کے چاند کو چکا چوندھی۔'' 2

مذکورہ بالا اقتباس سے اس داستان کی زبان کا پتہ چلتا ہے۔ ہندی آمیز اردو میں ہندی کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ مبالغہ آرائی بھی ہے۔ دیگر داستانوں کی طرح اس میں بھی کہانی کے پلاٹ پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ عوامی کی خوشحالی کو دکھانے کے لئے محاوروں کا استعمال کیا گیا ہے۔ ایک گھاٹ پر شیر اور بکری کا پانی پینا امن وامان کی انتہا کو اجاگر کرتا ہے۔ غرض یہ کہ ایک ایسے بادشاہ کی کہانی ہے جس کی رعایات بہت خوشحال تھی۔ ہندوستان میں اس نام کا ایک راجہ حقیقت میں راج کرتا تھا۔ اس کے نام کو استعمال کرتے ہوئے یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ سنسکرت کی اس مشہور داستان کے اردو میں ترجمہ کے کافی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

---

1 سنگھاسن بتیسی، ترجمہ پروفیسر احمد صدیق مجنوں، باہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ، مطبع منشی نول کشور لکھنو، ص 8
2 ''سنگھاسن بتیسی''، مطبع تیج کمار وارث نول کشور لکھنو، 1969ء، صفحہ 3

اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ راجہ کے راج میں ایک تخت یعنی سنگھاسن زمین میں نظر آتا ہے۔لوگ اسے مختلف کوششوں کے بات باہر نکالتے ہیں لیکن جب راجا اس سنگھاسن پر بیٹھنے جاتا ہے تو اس کے چاروں طرف 8،8 مورتیاں ہوتی ہیں جو اس ایک کے بعد ایک آتی ہیں اور بادشاہ کو سنگھاسن پر جانے سے روکتی ہے۔ایک ایک کہانی سناتی ہے۔پہلا مجسمہ جسے پتلی رتن منجری کہا گیا ہے روک لیتی ہے۔اور اسے قصہ سناتی ہے۔ہر مجسمہ کی کہانی اس طرح بتیس کہانیاں سنائی جاتی ہے۔آخر میں بادشاہ اس سنگھاسن کو واپس رکھوا دیتا ہے۔جہاں سے یہ برآمد ہوا تھا وہاں اسے واپس رکھوا دیا جاتا ہے۔

داستان کے اختتام پر ایک نصیحت کے ساتھ یہ بتایا جاتا ہے کہ جس کا کام وہی کر سکتا ہے دوسرے اس کام کو نہیں کر سکتے ہیں۔آخری مورتی جب راجہ سے بات کرتی ہے تو وہ مایوس ہوجاتا ہے اور مایوسی کے عالم میں تخت و تاج چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ ترجمہ کا متن ملاحظہ ہو۔

> ''راج بھوج پچتا پچتا کر نراس ہوسدھن کر اٹھا اور دیوان کو بلا کر کہا کہ جہاں سے سنگھاسن نکل کر آیا ہے وہی نگڑ وا دو،منتری کو آ گیا دی آپ اپنے جی سے راج کاج چھوڑ بیٹھا، منتری راج کرنے لگا اور آپ تیرتھ میں تپشیا کرنے لگا اور یہ خبر سب راجاؤ کو پہنچتی ہے کہ راجا بھوج نے اپنا راج تیاگ کر بیراگ لیا سچ ہے جو جس کام کے جوگ نہ ہو تو لازم ہے وہ کام نہ کرے''۔[1]

داستان کے آخر میں راجا کے راج چھوڑ کر چلے جانے کے ساتھ ہی داستان ختم ہوجاتی ہے۔مہاراجہ اشوک کلنگ کی لڑائی کے بعد عظیم سلطنت کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔جنگ میں کئی بے قصور جانی ضائع ہوجاتی ہے۔امن ہی دنیا میں قائم رہنا چاہئے۔ اس بات کو مختلف افسانوں اور کہانیوں اور داستانوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔''سنگھاسن بتیسی'' میں بھی یہی بات بتائی گئی ہے۔

داستان کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں ایک کہانی نہیں ہوتی بلکہ کہانی در کہانی سامنے آتے رہتی ہے۔ اصل کہانی کے ساتھ کئی کہانیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔یہ داستان سنگھاسن کے بتیس مورتیوں سے جڑی ہے لیکن اس میں بتیس کہانیوں کے علاوہ بھی سنگھاسن یعنی تخت دریافت ہونے کی بھی ایک کہانی ہے۔ایک عام آدمی ہوتا ہے جو مٹی کے ٹیلے پر چڑھ کر خاص بن جاتا ہے۔ وہاں پر بیٹھ کر وہ بڑے بڑے فیصلے آسانی سے کر دیتا ہے۔دور دور سے لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔اس علاقہ کا راجہ بھی جو فیصلہ

---

[1] ''سنگھاسن بتیسی''،مطبع تیج کمار وارث نول کشور لکھنو،1969ء،صفحہ 95

نہیں کرسکتا اسے وہ عام آدمی کردیتا ہے۔ راجہ کو تشویش ہوتی ہے کہ آخر یہ ایسا کیسے ممکن ہے۔ تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جو مٹی کے ٹیلے پر عام بیٹھتا ہے اس کے نیچے سنگھاسن ہے جس پر بیٹھنے سے اس عام آدمی میں عجیب سے رعونت آجاتی تھی اور نیچے اترنے کے بعد وہ عام بن جاتا تھا۔ اس طرح سنگھاسن دریافت ہوتا ہے۔

اس کہانی میں داستان کے تمام اجزاء موجود ہیں۔ مافوق الفطرت عناصر جیسے مورتیوں کا بات کرنا۔ عجیب وغریب واقعات کا رونما وغیرہ اس میں شامل ہے۔ کئی کہانیوں سے مل کر داستان بنتی ہے۔ کہانی در کہانی اور قصہ میں ایک نیا قصہ سامنے آتے جاتا ہے۔ پلاٹ کافی عمدہ ہے۔ داستان دلچسپ ہے آخر میں سیکھ بھی دیتی ہے۔

سنسکرت سے ہندی میں یہ داستان ترجمہ ہوئی۔ ہندی داستان اور اردو داستان کے تنقیدی جائزہ کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ ہندی (flgklu cRrhlh) سہناسن بتیسی 77 صفحات پر ای بک کی شکل میں دستیاب ہے۔ اردو داستان سنگھاسن بتیسی اسی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ اردو ترجمہ میں بھی ہندی الفاظ کو شامل رکھا گیا ہے۔ یہاں ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

cgr fnuk fd ckr gA mTtu uxjh e jktk Hkkt uke dk ,d
jktk jkt djrk Fkk A og cMk nkuh vkj ?kekRek Fkk A U;k; ,lk djrk fd n?k
vkj ikuh vyx-vyx gk tk; A mld jkt e 'kj vkj cdjh ,d ?kkV ikuh
ihr Fk A itk lc rjg l l[kh Fkh A 1

مذکورہ بالا اقتباس کا اردو ترجمہ دیکھئے جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ہندی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت ہندی کے الفاظ کو اردو میں شامل کیا گیا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

> ''ایک راجہ بھوج اُجین نگری کا راجہ مہابلی اور بڑا دھنی جسی اور دھرماتما تھا۔ جتنے لوگ اُس کے راج میں بستے تھے سب چین کرتے تھے۔ راجہ راج پر جاسُکھی کسی کو کوئی دُکھ نہیں دے سکتا تھا۔ یہ نیاؤ اس کے یہاں تھا کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے تھے اور سب اس کے آسرے سے جیتے تھے۔''2

اردو میں علاقہ کا نام وہی رکھا گیا ہے جو کہ ہندی میں ہے یعنی اُجین۔ اسی طرح راجہ کا نام بھوج جو ہندی میں ہے وہی

---

1 (سنہاسن بتیسی ہندی (flgklu cRrhlh)، مصنف کا نام ندارد، ای بک http://books.jkhira.com)

2 (''سنگھاسن بتیسی''، مطبع تیج کمار وارث نول کشور لکھنو، 1969ء، صفحہ 2)

یہاں بھی رکھا گیا ہے۔شیر اور بکری کے ایک ہی گھاٹ پر پانی پینے کے محاورے کو جوں کا توں برتا گیا ہے۔ترجمہ میں بعض نقص بھی در آئے ہیں جو شاید جدید اردو سے کم واقفیت کی بنا پر ہو سکتی ہیں۔جیسے ''یہ نیاؤ اس کے یہاں تھا کہ'' لکھا گیا ہے جب کہ ''یہ انصاف راجہ کا تھا کہ'' یا پھر ''یہ نیائے اس کے یہاں تھا کہ'' لکھا جا سکتا تھا۔مجموعی طور پر ہندی سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت ہندی الفاظ اور محاوروں کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔رسم الخط کی تبدیلی کی گئی ہے۔بعض جگہ اردو کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

تہذیبی عناصر بھی ہندی کی داستان میں نظر آتے ہیں جن کو اردو میں بھی شامل کیا گیا ہے۔اردو ان کے متبادل الفاظ نہیں تھے۔لیکن بعض الفاظ کو اردو تہذیب کے مطابق ڈھال دیا گیا ہے۔مثال کے طور پر دیکھئے

एक दिन राजा ने सभा की और पंडितों को बुलाकर कहा, “मैं एक अनुष्ठान करना चाहता हूं । आप देखकर बतायें कि मैं इसके योग्य हूं । या नहीं ।” पंडितों ने कहा, “आपका प्रताप तीनों लोकों में छाया हुआ है । आपका कोई बैरी नहीं । जो करना हो, कीजिए ।” पंडितों ने यह भी बताया कि अपने कुनबे के सब लोगों को बुलाइये, सवा लाख कन्यादान और सवा लाख गायें दान कीजिए, ब्राह्माणों को धन दीजियें, जमींदारों का एक साल का लगान माफ कर दीजिये ।”
[illegible]
दुनिया के लोग धन्य –धन्य करते रहे । 1

مذکورہ بالا اقتباس میں میں ہندو تہذیب کے عناصر کافی نظر آتے ہیں۔جن کا ترجمہ سنگھاسن بتیسی کے اردو ترجمہ میں بھی نظر آتے ہیں۔مذکورہ بالا اقتباس کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

> ایک روز راجہ بکرم نے دربار منعقد کیا اور ملک کے تمام عالم و فاضل، پنڈت مدعو کر کے اپنی خواہش ظاہر کی کہ دنیا میں اس کے نام سَن جاری کیا جائے۔اس لئے جو طریقہ شاستر کا ہو اسی کے مطابق یہ کام شروع کیا جائے۔پنڈتوں نے عرض کیا کہ مہاراج!''اس وقت آپ کی چاردانگ عالم میں شہرت اور عزت ہے۔اس لئے اپنے نام کا سَن (سمبت) جاری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔آپ تمام ملکوں کے امیروں، رئیسوں اور عالموں کو طلب فرمائیں۔ایک قومی جشن منعقد کریں۔سوالاکھ کنواری لڑکیوں کی اپنے خرچ سے شادیاں کر دیجئے۔سوالاکھ گائیں بطور خیرات غرباء کو دیجئے۔سوالاکھ برہمنوں کو جوڑے پہنائیے۔تمام برہمنوں کو کھانا کھلائیے اور مالی مدد دیجئے۔سال بھر کی مالگذاری معاف

1۔ سنہاسن بتیسی ہندی (flgklu cRrhlh)، مصنف کا نام ندارد، ای بک http://books.jkhira.com، صفحہ نمبر 8

کر دیجئے۔

الغرض راجہ بکرم نے پنڈتوں کی ہدایت کے موافق تمام کام کئے۔ راجہ ایک سال تک اپنے محل میں بیٹھا ہوا پران سنتا رہا اور اس طرح اپنے نام کا سن وسال جاری کیا۔ بادشاہ کی فیاضی اور سخاوت کی تمام دنیا میں شہرت ہوگئی اور آج تک چلی آتی ہے۔'' 1

مذکورہ بالا اقتباس میں ''انوشٹھان'' کا اردو میں لفظی ترجمہ دستیاب نہیں ہے اس لئے اس کی تشریح کی گئی ہے۔ بادشاہ نے سوالا کھ گائے خیرات کی جسے ترجمہ میں اضافہ کے ساتھ کہا گیا ہے کہ غریبوں میں سوالا کھ گائے کو تقسیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح برہمنوں کو دھن، گاؤں کے ساہکاروں کا قرض معاف کرنا، غرض رعایا کے بہت سے مسائل کو حل کرنے کی بات اس اقتباس میں کہی گئی ہے۔

سنگھاسن بتیسی سے اور کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اردو میں ہندی الفاظ کا استعمال اس داستان میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ یہ استعمال معیوب بھی نظر نہیں آتا بلکہ اصل کہانی یا اصل داستان سے قریب کرتا ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہم ایک سنسکرت کی داستان کا ترجمہ پڑھ رہے ہیں۔ ترجمہ کو ترجمہ لگنا بھی چاہئے۔ یہ خوبی اس داستان میں نظر آتی ہے۔

سنسکرت سے اردو میں آئی ایک اور داستان ''وکرم بیتال'' شامل ہے۔ زیادہ داستانوں کی سرپرستی بادشاہوں نے کی تھی۔ بادشاہ فرصت کے لمحات کو پر کیف بنانے کے لیے داستانیں سنا کرتے تھے۔

داستانوں کا اصل مقصد تفریح طبع ہے۔ سبق آموزی اس کی ثانوی صفت ہے۔ تفریح طبع کا سامان دیگر اصناف سے حاصل ہونے لگا تو عوام وخواص کی توجہ داستان سے ہٹنے لگے۔

بادشاہوں، نوابوں اور ان کے درباروں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی داستان کو بھی زوال آیا۔ عوام دوسری اصناف کی طرف اپنی دلچسپی دکھانے لگے۔ آزادی کے بعد دیگر زبانوں سے اردو میں داستانوں کے کم ہی ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی مترجمین نے ناول اور افسانوں کے تراجم میں دلچسپی لینا شروع کر دیئے تھے۔

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں داستان سب سے پہلے آتی ہے اسی لئے اسے پہلے شامل کیا گیا ہے۔ داستانیں اردو کے ابتدائی دور میں سنی اور پڑھی جاتی تھیں۔ ان کے اثرات جدید اردو پر کم ہی نظر آتے ہیں۔ اس کی مقبولیت بھی

---

1 احمد صدیق مجنوں، سنگھاسن بتیسی، ناشر منشی نول کشور، صفحہ 23

جدید تراجم جو کہ بیرون ملک یا اندرون ملک کی دوسری زبانوں سے ہوئے ہیں ان سے کم ہی ہے۔اس مقالہ میں دیگر منثور افسانوی اصناف سخن پر زیادہ بحث کی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو ادب پر انھوں نے گہرا اثر مرتب کیا ہے۔خاص کر موضوعات اور حقیقت نگاری کے رجحان کو بھی ان تراجم کے سبب تقویت ملی۔

تہذیبی الفاظ ہندی سے اردو میں کافی داخل ہوئے ہیں۔سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ کرتے وقت ایسے بہت سے الفاظ کا اردو میں لفظی تہیں کیا گیا بلکہ انھیں جوں کا توں اردو میں شامل کرلیا گیا۔کیوں کہ ایک بڑی زبان کے تمام الفاظ ایک نو وارد اور ترقی پذیر زبان میں بھی دستیاب ہونا ضروری نہیں ہے۔ہندو رسم و رواج کے ناموں کو بھی ویسے ہی شامل کیا گیا۔بعض ناموں کے متبادل اردو میں تھے انھیں شامل کیا گیا جیسے اشنان کا ترجمہ غسل یا نہانا لکھا گیا ہے۔بعض الفاظ کے لفظی معنے نہیں تھے ان کا مطلب لکھ دیا گیا جیسے انوشٹھان، کے معنی نہیں لکھے گئے جب کہ اس کی مفہوم لکھا گیا کہ بادشاہ اپنے نام کی شہرت چاہتا ہے۔غرض یہ کہ ہندی داستانوں نے اردو کا دامن وسیع کیا۔

☆☆☆

(ب) ڈرامے

(ب) ڈرامے

ڈرامے قدیم صنف سخن ہے۔ ڈراما کے معنی کچھ کر کے دکھانا ہے۔ ڈراما ایسا قصہ ہوتا ہے جو اسٹیج پر اداکاری کے لئے لکھا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں لوگ شام کے اوقات میں وقت گذاری کے لئے ناٹک، سوانگ، ڈرامے وغیرہ کرتے تھے۔ جب زبان بھی دریافت نہیں ہوئی تھی تب سے انسان اشاروں کے ذریعہ ناٹک، ڈرامے کرتا آرہا ہے۔ اس کا باقاعدہ آغاز یونان سے ہوا۔

> ڈراما (Drama) انگریزی زبان سے اسم ہے جو اصل مفہوم کے ساتھ عربی رسم الخط میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ تحریراً سب سے پہلے 1907ء میں "سفرنامۂ ہندوستان" میں مستعمل ملتا ہے۔ لغت میں اس کے معنی "ایسا قصہ جو اسٹیج پر اداکاری کے لیے لکھا جائے"، حادثہ یا پریشان کن واقعہ، ڈھونگ وغیرہ ہیں۔[1]

یہاں پر ڈرامے کو ادب کی صنف کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ قدیم صنف سخن ہے جس میں اسٹیج پر کچھ کر کے دکھا جاتا ہے۔ مختلف کہانیوں کو مکالموں اور اسٹیج پر اداکاری کے ذریعے سے دکھا جاتا ہے۔ یوں تو فلموں کے عروج کے ساتھ ہی تھیٹر کی رونق کم ہوئی ہے لیکن اس کی اہمیت ادب اور عوام میں اب بھی ہے۔

ڈراموں کے تراجم کا سلسلہ قدیم ہے۔ مختلف ادیبوں نے شیکسپیئر کے ڈراموں اور دیگر ڈراموں کے تراجم کئے ہیں۔ بعض نے ڈراموں کے نام وغیرہ کو بدل کر تخلیقی انداز میں پیش کیا ہے جب کہ بعض نے ترجمہ کیا ہے۔

ڈراموں کے مترجمین آغا حشر کاشمیری کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اسٹیج کے لئے بہت سے ڈراموں کے ترجمے بھی کئے اور تخلیق بھی کئے ہیں۔ آغا حشر کاشمیری کے ترجمہ شدہ ڈراموں کی تفصیل اس طرح ہے۔

ڈرامے:

---

1. بحوالہ، لغت ڈاٹ کام

آغا حشر کاشمیری (1) مغربی ماخذ 1- مرید شک (شکسپیئر Winters Tale)

-2 مار آستین 3- اسیر حرص عرف ظلم چنگیز (شیریڈن Pizarro)

-4 شہید ناز (شکسپیئر Measures For Measure)

-5 صید ہوس (شکسپیئر King John)

-6 سفید خون (شکسپیئر King Lear)

-7 سلور کنگ (Silver King - Arthur Jones Henry Herman)

-8 خواب ہستی (شکسپیئر Mecbeth)

-9 یہودی کی لڑکی (The Jewess - Moncrieff) [1]

آغا حشر کاشمیری کا انتقال 1935 میں ہوا۔ انھوں نے اپنے ترجمہ شدہ ڈراموں کو سادہ اسلوب کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ ان کے مکالمے زیادہ طویل نہیں تھے۔ انھوں نے انگریزی ادب کو پڑھا اور اس کے تراجم بھی کئے۔

ڈراموں کے ترجمہ کرنے والوں میں ایک اور اہم نام احسن لکھنوی کا بھی ہے۔ انھوں نے بھی ڈرامے لکھے اور ترجمہ کئے ہیں۔ احسن لکھنوی کے بارے میں انجمن آراء لکھتی ہیں:

> ''احسنؔ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے شیکسپیئر کے ڈراموں کو اردو قالب میں ڈھال کر فن ڈراما نگاری کو ایک نیا موڑ دیا۔ حالانکہ احسنؔ سے پہلے ہی یہ کام شروع ہو گیا تھا، مگر صحیح معنی میں شیکسپیئر کو متعارف کرانے کا سہرا انھیں کے سر ہے۔ بقول امتیاز علی تاج ''داستانی انداز کے ان راگ ناٹکوں کی یکساں روش سے نمایاں اختلاف مہدی حسن احسنؔ لکھنوی کے ڈراموں میں ملتا ہے۔ میری دانست میں کی تصنیفات میں زیادہ اہمیت ان ڈراموں کو حاصل ہے جو انگریزی سے ماخوذ ہیں۔ یہ اس لیے کہ انگریزی ڈرامے بھلے بُرے طور پر جیسے بھی اپنائے گئے ہیں ان کے ذریعہ ہماری زبان کم از کم پلاٹ کی صحیح تعمیر سے روشناس ہوئی۔ احسن کے ڈرامے پرانے راگ ناٹکوں سے نمایاں طور پر مختلف اور زیادہ دلچسپ اور موثر ہیں۔ ان کا پلاٹ ڈرامے کا پلاٹ تھا۔ کردار نگاری میں حقیقت نظر آتی تھی۔ زبان مقابلتاً بے تکلف تھی اور ان میں ایکٹروں کے لئے ایکٹ کرنے کی گنجائش

---

1 بحوالہ: وکی پیڈیا

موجود تھی۔ان ڈراموں میں ''چندراولی''، ''خونِ ناحق عرف مارِ آستین (ہیملٹ)، ''بزمِ فانی (رومیو جولیٹ)، ''دلفروش (مرچنٹ آف وینس'، ''بھول بھلیاں (کامیڈی آف ایررز) اور اوتھلو بہت مشہور ہوئے''۔احسن کے ڈرامے کی زبان اور نظم ونثر دونوں کو نکھارا اور سنوارا، مکالموں کو دلکش بنایا اور انھیں ادبی رنگ وآہنگ بخشا، پلاٹ کی تعمیر پر زور دیا اور فنی تدبیر گری سے کام لیا۔''[1]

احسن لکھنوی کے فن پر مذکورہ بالا اقتباس میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔احسن لکھنوی نے اپنے ڈراموں میں جدت پیدا کی۔اسلوب سادہ اور سلیس تھا۔ انھوں نے پیچیدہ پلاٹس کو بھی آسان بنا کر پیش کیا۔ان کے علاوہ بھی بہت سے نام ہیں جن لیکن یہاں پر صرف منتخب ڈراموں کی بات کی جارہی ہے۔

اردو میں شیکسپیئر کے ڈراموں کے ترجموں کی ابتداء فورٹ ولیم کالج سے ہوئی۔جان گلکرسٹ نے سب سے پہلے شیکسپیئر کے ڈرامہ ''میکبتھ'' (Macbeth) کا ترجمہ کروایا تھا۔اس کے بعد سے انگریزی سے اردو میں تراجم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اردوادب میں ہیملٹ کے تراجم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اس ڈرامے کا پلاٹ ایک نوجوان شہزادہ ''ہیملٹ (Hamlet) کے گرد گھومتا ہے۔ڈنمارک کے شہزادہ کو اس کے باپ جس کا نام بھی کنگ ہیملٹ تھا، کی روح دکھائی دیتی ہے جو کہتی ہے اسے دھوکہ سے قتل کیا گیا ہے۔اس کے بھائی نے اسے قتل کیا ہے۔ہیملٹ کی ماں شوہر کے بھائی سے شادی کرلیتی ہے۔شہزادہ نہایت غمزدہ ہوجاتا ہے۔اسے باپ کی موت کا غم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ایک مہینہ میں ماں کی قاتل چچا کے ساتھ شادی اور غم ہوتا ہے۔اس کہانی میں مختلف کردار آتے رہتے ہیں لیکن سب سے زیادہ اداکاری اور جملے شہزادہ ہیملٹ کے ہی ہوتے ہیں۔ڈرما کی کہانی کے آخر میں شہزادہ ہیملٹ کے قاتل چچا کا بھی قتل ہوجاتا ہے اور اس کی ماں خودکشی کرلیتی ہے۔شہزادہ ہیملٹ بھی زہرآلود تلوار کے زخم سے مرجاتا ہے۔لیکن مرنے سے پہلے وہ اپنے دوست سے کہتا ہے کہ وہ بادشاہ بن جائے اور میرے بارے میں حقیقت عوام کے سامنے لائے۔ڈراما کا یہاں اختتام ہوتا ہے۔

اس ڈراما میں مذہبی تعلیمات بھی ہیں۔برائی سے بچنا اور برائی کو برائی سمجھنا اس کہانی کا بنیادی عنصر ہے۔اس کہانی کا

---

1 ڈاکٹر انجمن آرا انجم، آغا حشر کاشمیری کے نمائندہ ڈرامے، ناشر، ڈاکٹر انجمن آراء انجم، جولائی 2004، صفحہ 20

ہیرو برائی سے بچتا ہے اور قتل کرنے والے چچا سے بدلہ لینا چاہتا ہے لیکن جلد بازی نہیں کرتا کیوں کہ وہ نہیں چاہتا کہ جلد بازی میں بے قصور کا قتل ہو جائے۔

1888ء امتیاز علی نے ہیملٹ کا ترجمہ جہانگیر کے نام سے کیا تھا۔ انھوں نے ہی نے بعد میں 1925 میں اصلی ناموں سے لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''1888ء میں میں نے ہیملٹ کا ترجمہ اردو میں کر کے جہانگیر نام رکھا تھا۔ اشخاص ڈراما کے اصلی نام قائم نہیں رکھے تھے۔ یہ غلطی تھی۔ اس مرتبہ اصلی نام قائم رکھے گئے ہیں اور ترجمہ میں حتی الامکان انگریز خیالات اور مضامین کو اپنی اصلی حالت میں قائم رکھنے کا خاص لحاظ کیا گیا ہے۔ ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنا خالی از وقت نہیں ہوتا''۔ 1

جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے قدیم ترین ہیملٹ کے تراجم میں سب سے پہلا نسخہ امتیاز علی کا ہی ہے۔ اگرچہ انھوں نے اسے جہانگیر کے نام سے شائع کیا تھا لیکن یہ ہیملٹ ہی ہے۔

شیکسپیئر کے ڈرامے ہیملٹ کی کہانی پر مبنی ایک ترجمہ بعنوان ''قصہ شہزادہ ہیملٹ'' مترجم مولوی محمد احسان اللہ چڑیا کوٹی، ناشر منشی نول کشور پریس، جنوری 1890ء، بھی ہے۔ عنایت اللہ دہلوی نے ایک ترجمہ کیا ہے جسے ساقی بک ڈپو کھادی باؤلی دہلی نے شائع کیا۔ یہ غالباً 1934ء میں شائع ہوا۔ ''شیکسپیئر کی مشہور کہانیاں''، سردار احمد، ناشر علم کدہ پرکاشن، کانپور، 1972ء میں بھی ''ہیملٹ'' کا ترجمہ موجود ہے۔ فراق گورکھپوری نے 1976 میں ترجمہ کیا جسے ساہتیہ اکیڈیمی دہلی نے شائع کیا۔ سید عرفان علی کا ترجمہ تحریری اور صوتی دونوں شکلوں میں موجود ہے۔ پروفیسر سید عبدالباقی نے ہیملٹ کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ ''خون ناحق عرف ہیملٹ'' نام سے تلسی داس دت شیدا نے ترجمہ کیا ہے جسے دیا سنگھ پبلشرز، لاہور، نے شائع کیا۔ طبع اول 1912ء اور صفحات 22 ہیں۔ ''ہیملٹ'' کا ترجمہ مصطفیٰ زیدی نے ہیملٹ کے ایک حصے کا منظوم ترجمہ کیا۔ یہ ''موج مری صدف صدف، لاہور اکیڈیمی میں شامل ہے۔ سن اشاعت 1960 ہے۔

ہیملٹ کے جدید تراجم میں سید عرفان علی کا نام آتا ہے۔ ہیملٹ کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ سید عرفان علی نے بھی کیا ہے۔ تحریری شکل میں بھی یہ ڈراما ویب سائٹ www.server555.com پر موجود ہے۔ وہ ڈراما ''ہیملٹ'' کے بارے میں

1۔ ہیملٹ، مولوی امتیاز علی، اشاعت 1925ء، دیباچہ صفحہ 51

کہتے ہیں:

''یہ تخلیق ہے ولیم شیکسپیئر کی جو انگریزی پڑھنے والوں میں سب سے زیادہ مقبول ڈرامہ نگار ہے۔ مختصر یہ کہ وہ لوگ بائیبل کے بعد اس رائٹر کی تحریروں کو (شاید) سب سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ ہیملٹ 3924 سطور کے ساتھ شیکسپیئر کے طویل ترین ڈراموں میں شامل ہے اور اس کے مرکزی کردار کو 1569 سطور دے کر شیکسپیئر نے سب سے باتونی کردار بنا دیا۔ ہیملٹ 1601-02 میں لکھا گیا اور اس میں ولیم شیکسپیئر اپنے فن کی بلندیوں پر نظر آتا ہے۔ اس ڈرامے میں روح، موت، لاشیں، قتل، خودکشی، بیماری اور قبریں جا بجا نظر آتی ہیں اور ہمیں یہ پیغام دے جاتی ہیں کہ یہ زندگی اہم ہے۔ اگرچہ یہ خراب دنیا خراب لوگوں کے درمیان ہو اور اس میں سچے انسان کو انصاف کی توقع بھی نہ ہو۔'' 1

مذکورہ بالا اقتباس سے ہیملٹ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انگریزی ادب میں ہیملٹ کو بہت اونچا مقام ہے۔ اس ڈرامے میں دلچسپی کا سامان بھی ہے اور نصیحتیں بھی ہیں۔

عرفان نے ہیملٹ کو آڈیو میں پیش کیا ہے۔ ان کا ترجمہ جدید ترین ہے اور ڈرامے کو کہانی کے انداز میں پیش کیا ہے۔ مکالموں کو کم کر کے پلاٹ پر ترجیح دی ہے۔

مختلف تراجم نے انگریزی ڈرامے کی روح کو مجروح ہونے نہیں دیا ہے۔ انگریزی کے مکالموں کو اردو میں ترجمہ کرتے وقت اصل متن کو پیش نظر رکھا ہے اور ترجمانی کے بجائے الفاظ کے ترجمے پیش کئے ہیں۔ اسی موازنہ کے لئے یہاں پر انگریزی متن کا اقتباس دیا جا رہا ہے اور ساتھ میں چند مترجمین نے اس متن کیا جو ترجمہ کیا ہے اسے بھی پیش کیا جائے گا۔

ڈراما ''ہیملٹ'' کے انگریزی ورژن میں بادشاہ کی روح نظر آنے کے سین کے ڈائیلاگ اس طرح ہیں:

MARCELLUS
Peace, break thee off; look, where it comes again!
BERNARDO
In the same figure, like the king that's dead.
MARCELLUS
Thou art a scholar; speak to it, Horatio.

1 سید عرفان علی، بحوالہ ویب سائٹ سرور 555

BERNARDO
Looks it not like the king? mark it, Horatio.
HORATIO
Most like: it harrows me with fear and wonder.
BERNARDO
It would be spoke to.
MARCELLUS
Question it, Horatio.
HORATIO
What art thou that usurp'st this time of night,
Together with that fair and warlike form
In which the majesty of buried Denmark
Did sometimes march? by heaven I charge thee, speak!
MARCELLUS
It is offended.
BERNARDO
See, it stalks away!
HORATIO
Stay! speak, speak! I charge thee, speak!
Exit Ghost [1]

مذکورہ بالا انگریزی مکالمہ نگاری میں بادشاہ کی روح کی آمدورفت کو دکھایا گیا ہے۔اس طویل ڈرامے میں کئی الفاظ جنھیں اردو میں ترجمہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ ترجمانی کی گئی ہے۔اردو میں انگریزی الفاظ کا صرف ترجمہ کردیا جائے تو اردو قاری اسے روکھا تصور کریں گے اس لئے مختلف مترجمین نے ترجمہ کرتے وقت اردو اصل متن کی روح کو مجروح کئے بغیر اس میں تبدیلی کی ہے۔ مذکورہ بالا انگریزی اقتباس کے اردو ترجمہ کو ملاحظہ کیجئے جسے فراقؔ گورکھپوری نے ترجمہ اس طرح کیا، سب سے پہلے بادشاہ کے بھوت کو دیکھ کر پہریدار کہتے ہیں:

”مارسلس: چپ رہو۔دیکھو اس طرف سایہ پھر ظاہر ہو رہا ہے۔
برنارڈو: اس روپ اور بھیس میں جو مرحوم بادشاہ کا روپ اور بھیس تھا۔
مارسلس: تم ایک عالم فاضل آدمی ہو۔اس سے باتیں کرو، ہوریشیو۔
برنارڈو: کیا یہ بالکل بادشاہ کی طرح نہیں ہے؟ اسے غور سے دیکھو ہوریشیو۔
ہوریشیو: جوں کا توں بادشاہ کی طرح۔ڈر اور اچمبے سے میرا برا حال ہے۔

1ـــ Shakespeare William, Hamlet, Ebook from Feedbooks, Page 7

برنارڈو: اس سے بولنا چاہئے

مارسلس: اس سے کچھ پوچھو، ہوریشیو۔

ہوریشیو: تم کون ہو جس نے رات کے اس وقت پر اپنا قبضہ جمالیا ہے۔ تم اتنے ہی خوبصورت اور سپاہیانہ شکل میں نظر آرہے ہو جس میں ڈنمارک کی دفن شدہ شہنشاہیت نظر آتی تھی۔ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، بولو۔

مارسلس: وہ ناراض ہو گیا۔

برنارڈو: دیکھو بڑے بڑے ڈگ بھرتا چلا جا رہا ہے۔

ہوریشیو: ٹھہر جاؤ۔ بولو۔ بولو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔

(سایہ چلا جاتا ہے) 1

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے انگریزی الفاظ کے اردو متبادل کو استعمال کیا گیا ہے۔ بعض الفاظ کے مفہوم کو شامل کیا گیا ہے۔ ہیملٹ کا ترجمہ کرتے وقت اردو مترجمین نے کئی مکالموں کو چھوڑ دیا ہے۔ جیسے ہیملٹ کے آخری یعنی Vویں ایکٹ کے سین II میں پہلے امبیسیڈر (First Ambassador) کے مکالموں کو فراق گورکھپوری اور امتیاز علی دونوں نے حذف کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی جگہ پر مترجمین نے اردو قارئین کے پیش نظر تبدیلی کی ہے۔

مختصر یہ کہ ہیملٹ ایک مشہور ترین ڈراما ہے۔ شیکسپیئر کے اس ڈرامے میں کئی نصیحتیں بھی ہیں۔ انگریزی ثقافت سے مماثلت کی باتیں بھی ہیں اور کئی آفاقی مسائل کی طرف بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسے قتل وغارت گری، دھوکہ دینا، یہ ایسی برائیاں ہیں جو کسی علاقے سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔ کہیں کم تو کہیں زیادہ یہ نظر آتی ہیں۔ شیکسپیئر کے اس ڈرامے کے اردو تراجم کافی مشہور ہوئے ہیں۔ اس پر فلمیں بھی بنیں اور کافی مشہور بھی ہوئی ہیں۔ اس کہانی کے خیال کو لے کر ہندی فلم ''حیدر'' بھی بن چکی ہے جسے کشمیر کے تناظر میں فلمایا گیا۔ اس ڈرامے کو سید عرفان علی نے اپنی آواز کے ذریعے سے Server555 پر پیش کیا ہے جو کافی مقبول ہو چکا ہے اور اب Youtube پر بھی دستیاب ہے۔ اس ڈرامے نے اردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کئے نہ صرف ڈرامے کی دنیا میں بلکہ اردو فکشن کی دنیا میں بھی اس نے تہلکہ مچادیا۔ اردو ادب میں اس کے تراجم کے سبب اردو کے قارئین کو نئی کہانی سننے کو ملی اور ایسے کردار سے واقف ہوئے جو ہمیشہ سچائی اور اچھائی کی طاقت بننا چاہتا ہے۔

---

1 ''ہیملیٹ''، مترجم فراق گورکھپوری، ناشر ساہتیہ اکیڈیمی دہلی، 1972ء، ص:8

Vera; or, The Nihilists.   Oscar Wilde

''ویرا'' ترجمہ سعادت حسن منٹو

ڈراما ''ویرا'' آسکر وائیلڈ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ سعادت حسن منٹو نے بھی کیا ہے۔

آسکر وائیلڈ کا پورا نام Oscar Fingal O'Flahertie Wills Wilde ہے۔ وہ انگریزی اور فرانسیسی کے مصنف، شاعر اور ڈرامہ نگار تھے۔ انھوں نے شیکسپیئر کے بعد ایک بڑے ڈرامہ نگار کے روپ میں بہت نام کمایا۔ انھوں نے 1880ء میں ''ویرا۔ یا نھیلسٹ'' (Vera; or, The Nihilists) نام سے ایک ڈرامہ لکھا جس میں 1795 کے روس کو پیش کیا گیا۔ یہ آسکر وائیلڈ کا پہلا ڈراما تھا۔ اس کی چند کاپیاں طبع ہوئی تھی۔ یہ ڈراما سب سے پہلے نیویارک میں 1883ء میں پیش کیا گیا اور کافی مقبول ہوا۔

اس ڈرامے میں انقلاب روس کی کہانی ہے۔ زار بادشاہوں نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ جو بھی باغی نظر آتا ہے اسے پھانسی دے دی جاتی ہے۔ ایسے میں پیٹر سیبوروف نامی ایک سرائے کا مالک ہے جس کی ایک بیٹی ویرا سیبوروف اور ایک بیٹا متری ہے۔ بیٹا باغیوں کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔

پیٹر کی ہوٹل میں اسے قیدی بنا کر لایا جاتا ہے۔ پیٹر کی بیٹی اپنے باغی بھائی سے ملتی ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ زار حکمراں نے اس پر بہت سے مظالم ڈھائے ہیں۔ وہ اپنے بھائی کو وعدہ کرتی ہے کہ باغیوں کے ساتھ مل کر حکومت سے بدلہ لے گی۔

کہانی میں کئی دلچسپ موڑ آتے ہیں۔ ڈراما سامعین کی توجہ اپنے طرف مبذول کئے ہوئے ہوتا ہے۔ باغیوں میں زار بادشاہ کا بیٹا الیکسنر جو طب کا طالب علم ہے بھی شامل ہو جاتا ہے۔ وہ بادشاہ کو ختم کرنے کا پلان بناتے ہیں تب ہی انہیں پتہ چلتا ہے کہ ان ساتھ جو سازشی ہے وہ بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن وہ اپنے باپ کے خلاف ہے۔ ایک جنرل آتا ہے جو سازشیوں کو دیکھ کر بھانپ لیتا ہے لیکن شہزادہ اس جنرل کو لوٹا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تماشہ کرنے والے ہیں۔ اس طرح

شہزادہ بھی سازشیوں کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے۔

سازشی یہ قسم کھاتے ہیں کہ کوئی بھی سر پر تاج نہ پہنے گا۔ بادشاہ کو مار دینگے۔ بادشاہ اور اس کے شہزادے کے درمیان بحث ہوتی ہے۔ تب ہی بادشاہ کھڑ کے پاس جاتا ہے اور اسے ایک گولی ماردی جاتی ہے۔ شہزادہ الیکسز اپنے سر پر تاج پہن لیتا ہے۔ ادھر اس کی محبوبہ ویرا کے ہاتھوں بادشاہ کو مارنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ منصوبہ یہ بنایا جاتا ہے کہ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد خنجر کو محل کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا جائے گا۔ خون آلود خنجر کو دیکھ کر باغی سمجھ جائیں گے کہ بادشاہ مر چکا ہے اور سب محل پر قبضہ کر لیں گے۔

الیکسز اپنے باپ کی موت کے بادشاہ بن جاتا ہے اور سر پر تاج پہن لیتا ہے۔ ادھر قرعہ اندازی کے ذریعہ الیکسز یعنی بادشاہ زار (Czar) کی موت کی ذمہ داری کا نام ویرا کا ہی نکلتا ہے۔ اسے یہ ذمہ داری دی جاتی ہے وہ بادشاہ کو قتل کرے۔ اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ وہ زہر سے قتل کرے گی یا پھر خنجر سے تو وہ خنجر کا انتخاب کرتی ہے۔ ویرا پلان کے مطابق محل میں داخل ہو جاتی ہے۔ زار اور ویرا کے درمیان گفتگو ہوتی ہے اور بادشاہ کہتا ہے کہ میں نے ویرا تمہارے لیے سر پر تاج پہنا ہے اور ہم دونوں اب روس کو خوبصورت بنائیں گے۔ لیکن ویرا کہتی ہے کہ باغی یہاں آگئے ہیں اور تمہیں ماردیں گے۔ تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ شہزادہ نہیں جاتا ہے۔ تب ہی ویرا زہر میں بجھا ہوا خنجر اپنے سینے میں اتار لیتی ہے اور خنجر کو باہر پھینک دیتی ہے۔ ویرا کی موت کے ساتھ ہی عوامی انقلاب رونما ہوتا ہے اور ڈراما ختم ہو جاتا ہے۔

سعادت حسن منٹو نے ترجمہ کرتے وقت اصل متین کو روح کو مجروح ہونے نہیں دیا۔ ڈراما ویرا کے تمام سین اور مکالموں کو انھوں نے سلیس اردو میں منتقل کر دیا ہے۔

اس روسی ڈرامے کو انگریزی سے ترجمہ کرتے وقت سعادت حسن منٹو نے اردو قارئین کی پسند کو پیش نظر رکھا ہے۔ انھوں نے روکھا ترجمہ کرنے کی بجائے کہانی کے بیانیہ انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ آسکر وائیلڈ کے انگریزی متن کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

Vera. Oh, love ! love ! love ! be merciful to me !
The wolves are hot upon you ! you must live for

liberty, for Russia, for me ! Oh, you do not love me ! You offered me an empire once ! Give me this dagger now ! Oh, you are cruel ! My life for yours ! What does it matter ? {Loud shouts in the street, " Vera ! Vera ! To the rescue I To the rescue I ")

Czar. The bitterness of death is past for me.

Vera. Oh, they are breaking in below ! See ! The bloody man behind you ! (Czarevitch turns round for an instant.) Ah ! (Vera snatches dagger and flings it out of window.)

CoNSPS. {below). Long live the people !

Czar. What have you done ?

Vera. I have saved Russia. {Dies.) 1

مندرجہ بالا سطور اس ڈرامے کے اہم مکالمے ہیں۔اس مکالمے میں روس کی آزادی کے لئے جان کو قربان کرنے کے جذبہ کو بتلایا گیا ہے۔اس مکالمہ کا سعادت حسن منٹو نے اردو میں جو ترجمہ کیا ہے وہ اس طرح ہے:

ویرا: آہ پیارے! پیارے.... مجھ پر رحم کرو۔ بھیڑیئے تمہاری تاک میں ہیں۔تمہیں آزادی.... روس.... میرے لئے زندہ رہنا چاہئے! آہ! تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔تم نے ایک دفعہ مجھے سلطنت پیش کی تھی۔اب یہ خنجر مجھے دے دو.... میری موت تمہاری زندگی کی خاطر.... یہ کون سی بڑی بات ہے۔

زار: موت کی تلخی میرے لئے اب کچھ اثر نہیں رکھتی۔

ویرا: آہ! وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو رہے ہیں ! دیکھو تمہارے پیچھے یہ کون خونی آدمی کھڑا ہے۔(زار ایک لمحہ کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے) آہ!

(ویرا خنجر چھین کر پھینک دیتی ہے)

سازشی: (بازار میں) زندہ باد عوام....

زار: یہ تم نے کیا کیا؟

ویرا: روس کو بچالیا۔

1 Oscar Wilde.,Vera; or, The Nihilists,Published 1902,Page72)

(مرجاتی ہے)

ختم شد

(پردہ گرتا ہے)1

سعادت حسن منٹو نے روسی انقلاب کے اس ڈرامے کو اردو میں پیش کر کے اردو ڈرامے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس ڈرامے میں مقصد پر توجہ مرکوز کرنے کی بات کہی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ڈرامہ قدیم صنف سخن ہے۔ اردو ادب میں ڈرامے کے اہمیت بہت زیادہ ہے۔ حالاں کہ اسلام میں موسیقی کی ممانعت ہے اور نقل اتارنے کو بھی پسند نہیں کیا جاتا۔ کئی اردو داں حضرات ڈرامے کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اردو میں بہت سے مشہور طبع زاد اور ترجمہ شدہ ڈرامے ہیں جنھوں نے اردو کا نہ صرف دامن وسیع کیا بلکہ تمام اردو قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ ایسے ہی ڈراموں کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے اردو میں ڈراموں کی اہمیت باقی رہے گی۔

☆☆☆

1 سعادت حسن منٹو حسن عباس، ''ویرا''، مطبوعہ دارالاحمر امرتسر، 1934، صفحہ 149

افسانے

(ج) افسانے

افسانہ اردو کی مقبول صنف سخن ہے۔ افسانوی ادب میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ و یکی پیڈیا اردو میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کی طرح افسانہ کی تعریف بیان کی گئی ہے:

> ''افسانہ اردو ادب کی نثری صنف ہے۔ لغت کے اعتبار سے افسانہ جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں لیکن ادبی اصطلاح میں افسانہ زندگی کے کسی ایک واقعے یا پہلو کی وہ خلاّقانہ اور فنی پیش کش ہے جو عموماً کہانی کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ ایسی تحریر جس میں اختصار اور ایجاز بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ وحدتِ تاثر اس کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ ناول زندگی کا کل اور افسانہ زندگی کا ایک جز پیش کرتا ہے۔ جبکہ ناول اور افسانے میں طوالت کا فرق بھی ہے۔''[1]

افسانہ اردو کی ایک صنف ہے جس میں دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان سے تراجم ہوئے ہیں۔ انگریزی، روسی، چینی، ترکی، عربی، اور ہندوستانی علاقائی زبانوں سے بھی اردو میں تراجم ہوئے ہیں۔

انگریزی ادیبوں کے افسانوں کے مجموعہ اردو میں جو دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے منتخب افسانوی مجموعے کا یہاں جائزہ لیا جارہا ہے۔ افسانوں پر بہت زیادہ کام ہوا ہے۔ سارے تراجم کا جائزہ لینے کے لئے بہت بڑا دفتر درکار ہوگا۔ ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے تحت اس حصہ میں افسانوں کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ پہلے مشہور انگریزی و روسی ادیبوں کے افسانوں کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ اس کے بعد ہندوستانی زبانوں کے انگریزی کی معرفت یا راست ہندوستانی زبانوں سے اردو میں کئے گئے افسانوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

---

1. حوالہ: https://ur.wikipedia.org/wiki/افسانہ

کافکا کے افسانے

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کرتے وقت سب سے زیادہ مواد جو دستیاب ہوا ہے وہ اردو افسانے ہیں۔ افسانوں کی مقبولیت بھی بہت زیادہ ہے۔ اس مقالہ میں مختلف مصنفین کے افسانوں کو شامل کرنے کے بجائے ان کے افسانوں کے مجموعے کی کتابوں کو شامل کیا گیا ہے۔ فرانز کافکا مشہور ادیب ہے جن کی کتابیں اردو میں کافی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں ۔ جرمن زبان سے انگریزی کی معرفت یہ تراجم ہوئے ہیں ۔ یہاں پر بھی انگریزی کے توسط سے اردو میں شامل ہوئے ان افسانوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

فرانز کافکا Franz Kafka، 3 جولائی 1883ء کو پیروگوئے میں پیدا ہوئے۔ جدیدیت کے علمبردار تھے۔ افسانوں کے علاوہ ناول بھی لکھے ہیں۔ جرمن زبان کے مشہور ادیب ہیں۔ فرانز کافکا کا 3/جون 1924 کو انتقال ہوا۔

کافکا کے افسانوں کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ اردو میں ان کے افسانوں کے مجموعے بعنوان'' کافکا کے افسانے'' پہلی بار 1978ء میں ہندوستان سے شائع ہوئے۔

کتاب'' کافکا کے افسانے'' 2009ء میں شائع ہوئی۔ اس کے ناشر آج کی کتابیں کراچی ہے۔ اس کتاب میں '' کافکا'' کے تعارف کے علاوہ'' شکاری گریکس''،'' گیلری میں''،''ایک قدیم مخطوطہ''،''پاس سے گذرنے والے''،'' خانہ دار کی پریشانیاں''،''بے خیالی میں کھڑکی سے دیکھنا''،''حویلی کے پھاٹک پر دستک''،''پل''،''بالٹی سوار''،''ایک عام خلفشار''''ایک چھوٹی سے کہانی''،''دوغلا''،''لباس''، ''قصبے کا ڈاکٹر''،''درخت''،''نیا وکیل''،''اگلا گاؤں''،''گیدڑ اور عرب''،''ریڈ انڈین ہونے کی خواہش''،''فیصلہ (ف کے لیے ایک کہانی)۔

یہ کتاب 79 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں کسی بھی افسانے پر یہ نہیں لکھا گیا کہ یہ کس انگریزی افسانے سے ماخوذ ہے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ کونسا افسانہ کس کا ترجمہ ہے۔ صرف ایک کہانی ''ایک عام خلفشار'' کے انگریزی ورژن کا پتہ نہیں چل سکا۔

1۔ پہلا افسانہ The Hunter Gracchus (شکاری گریکس) کے نام سے ہے۔ یہ کہانی کافکا نے 1917ء میں

لکھی تھی۔ 1931ء میں برلن میں جرمنی زبان میں یہ کہانی شائع ہوئی۔اس کہانی کو انگریزی میں پہلی بار ترجمہ Willa and Edwin Muir(ویلا اور ایڈن مویر) نے کیا۔1933ء میں Martin Secker میں لندن سے شائع ہوا۔

شکاری گریکس ایک علامتی افسانہ ہے۔اس میں افسانہ کا ہیرو ایک شکار ہے جو کشتی میں مرا ہوا کنارے آتا ہے۔اس کی آخری رسومات ادا کی جارہی ہیں اور چاروں طرف ماتم کا ماحول ہے اور تب ہی برگوماسٹر آتا ہے اور سب کو کمرے سے باہر جانے کو کہتا ہے اور پھر اچانک مرا ہوا شکاری آنکھیں کھول دیتا ہے اور برگوماسٹر سے بات کرتا ہے۔ بات چیت میں وہ کہتا ہے کہ وہ کئی دن پہلے مر چکا ہے۔اسی بات چیت کے دوران افسانہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

انگریزی سے اردو میں ترجمہ نہایت کرتے وقت زماں ومکاں کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔انگریزی الفاظ کے متبادل اردو الفاظ کو شامل کیا گیا ہے۔مثال دیکھئے:

> Two boys were sitting on the wall by the jetty playing dice. A man was reading a newspaper on the steps of a monument in the shadow of a hero wielding a sabre. A young girl was filling her tub with water at a fountain. A fruit seller was lying close to his produce and looking out to sea. Through the empty openings of the door and window of a bar two men could be seen drinking wine in the back. The landlord was sitting at a table in the front dozing. A small boat glided lightly into the small harbour, as if it were being carried over the water. A man in a blue jacket climbed out onto land and pulled the ropes through the rings. Behind the man from the boat, two other men in dark coats with silver buttons carried a bier, on which, under a large silk scarf with a floral pattern and fringe, a man was obviously lying. 1ے

مذکورہ بالا انگریزی متن سمندر کے کنارے استعمال ہونے والے کئی الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے Boat، sea،

1ے Franz Kafka,The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir, Ebook

Fountain وغیرہ۔ مذکورہ بالا اقتباس کا ترجمہ نیر مسعود نے اس طرح کیا ہے:

''بندرہ گاہ کی دیوار پر دولڑکے بیٹھے ہوئے پانسے سے کھیل رہے تھے۔ تاریخی یادگار کی سیڑھیوں پر بیٹھا ایک شخص اخبار پڑھ رہا تھا اور اس سورما کے سائے میں ستا رہا تھا جو تلوار علم کیے ہوئے تھا۔ ایک لڑکی چشمے سے بالٹی بھر رہی تھی۔ ایک پھل والا اپنی ترازو کے پاس لیٹا سمندر کو گھور رہا تھا۔ ایک کیفے کی کھلی ہوئی کھڑکی اور دروازے میں سے دو آدمی کیفے کے اس سرے پر شراب پیتے دیکھے جاسکتے تھے۔ کیفے کا مالک سامنے ہی میز کے پیچھے بیٹھا تھا اور اونگھ رہا تھا۔ ایک بادبانی جہاز چھوٹی سی بندرگاہ کی طرف ایسی خاموشی کے ساتھ بڑھتا چلا آرہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی شئے اسے پانی کے اوپر چلا رہی ہو۔ نیلی وردی پہنے ہوئے ایک شخص جہاز سے اتر کر کنارے پر آیا اور ایک حلقے میں جہاز کی رسی گذار کر کھینچنے لگا۔ اس جہاز والے کے پیچھے پیچھے دو اور آدمی، سنہرے بٹنوں والے سیاہ کوٹ پہنے ہوئے، ایک ارتھی لیے ہوئے چل رہے تھے جس پر پڑے ہوئے ریشمی چھینٹ کے جھالردار کپڑے کے نیچے کوئی آدمی لیٹا ہوا معلوم ہوتا تھا''۔ [1]

مذکورہ بالا اقتباس میں ہمیں سمندر کا کنارہ ویسا ہی نظر آرہا ہے جیسے انگریزی میں ہے۔ کافکا نے جس طرح انگریزی میں منظر نگاری کی ہے اسی طرح نیر مسعود نے بھی اردو قارئین کے لئے اسے پیش کیا ہے۔

2۔ دوسرا افسانہ ''گیلری میں'' (Up in the Gallery) ہے۔ گیلری میں دراصل سرکس کے ایک کرتب پر لکھا گیا چھوٹا سا افسانہ ہے۔ اس افسانہ میں گھوڑے کے کرتب کے ذریعہ سے افسانہ نگار نے اپنی دلی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ سرکس میں موسیقی چلتی رہتی ہے اور رنگ ماسٹر گھوڑے پر کوڑے برسا کر اسے دوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی اثناء میں ایک لڑکی آتی ہے اور اسے گھوڑے پر بٹھا کر وہ گھوڑے کو کوڑے سے دوڑاتا ہے۔ تمام شائقین تالیاں بجاتے ہیں اور پھر کرتب ختم ہوتا ہے۔ رنگ ماسٹر کرتب کرنے والی لڑکی کو گھوڑے سے اتارتا ہے۔ آخر میں افسانہ نگار نے کیفیت کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

''چوں کہ ایسا ہے، اس لیے گیلری کا تماشائی اپنے سامنے کے کٹہرے پر چہرہ ٹیک دیتا ہے، اختتامی موسیقی میں یوں ڈوب جاتا ہے جیسے خواب میں، اور نادانستہ روتا ہے۔'' [2]

---

[1] کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ، 17،   [2] کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ، 24

اسی متن انگریزی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مترجم نے انگریزی متن کے ساتھ انصاف کیا ہے

since this is how things are, the visitor to the gallery puts his face on the railing and, sinking into the final march as if into a difficult dream, weeps, without realizing it. 1؎

آرٹ گیلری کا خوبصورت منظر اس کے اختتام پر غمگین ہو جاتا ہے۔فن کار نادانستہ طور پر روتا ہے۔

3۔ایک قدیم مخطوطہ (An Old Manuscript) جرمن زبان میں کافکا نے 1919ء میں لکھا۔اس مختصر افسانہ کا ترجمہ نیر مسعود نے 3 صفحات میں کیا ہے۔ یہ ایک جوتے کی دکان والے کی کہانی ہے۔ایک صبح جب وہ دکان کھولتا ہے تو اسے خانہ بدوش لوگ نظر آتے ہیں۔کہانی کا ہیرو سوچتا ہے کہ کس طرح ہماری ریاست میں گھس آئے ہیں اور کیوں کر یہ ہمارے درمیان رہ سکتے ہیں۔ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو روکیں۔ ہمارا نظام کیا ہماری حفاظت کرتا ہے۔اس مختصر افسانہ میں مجموعی بات یہ کہی گئی ہے کہ

''آخر ہونا کیا ہے؟'' ہم سب خود سے پوچھتے ہیں۔'' ہم کب تک یہ بوجھ اور اذیت اٹھا سکتے ہیں؟ شہنشاہ کے محل نے ان وحشیوں کو یہاں کھینچ بلایا ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ان کو واپس کیونکر بھگایا جائے۔ پھاٹک بند پڑا ہے۔فوجی محافظ، جو ہمیشہ اوپچی بن کر باہر نکلا کرتے تھے اب سلاخ دار کھڑکیوں کے پیچھے رہتے ہیں۔ ملک کی حفاظت ہم کاریگروں اور بیوپاریوں پر چھوڑ دی گئی ہے۔لیکن یہ کام ہمارے بس کا نہیں ہے، نہ کبھی ہم نے اس کی اہلیت کا دعویٰ کیا۔ یہ کوئی نہ کوئی غلط فہمی ہے اور یہی ہم کو تباہ کر کے رہے گی''۔2؎

مذکورہ بالا اقتباس کا انگریزی متن دیکھنے سے مترجم کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔انھوں نے مشکل الفاظ کو اردو قارئین کو آسان کر کے پیش کیا ہے۔اس اقتباس کا انگریزی متن اس طرح ہے:

"What is going to happen?" we all ask ourselves.

1؎ Franz Kafka,The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir, Ebook

2؎ کافکا کے افسانے، نیر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 28

"How long can we endure this burden and torment? The Emperor's palace has drawn the nomads here but does not know how to drive them away again. The gate stays shut; the guards, who used to be always marching out and in with ceremony, keep close behind barred windows. It is left to us artisans and tradesmen to save our country; but we are not equal to such a task; nor have we ever claimed to be capable of it. This is a misunderstanding of some kind; and it will be the ruin of us." [1]

اس افسانے میں بیرون ممالک سے لوگوں کی آمد کے سلسلہ کے بارے میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔لوگ دوسرے ممالک سے آجاتے ہیں جن کی وجہ سے یہاں کے کاروبار پر آمدنی پر کافی فرق پڑتا ہے۔ایسے لوگوں کے خلاف کچھ کرنے کے بارے میں عوام کے ذہنوں میں خیالات آتے رہتے ہیں۔یہی بات انگریزی اور اردو دونوں متن میں نظر آتی ہے۔

4۔ پاس سے گذرنے والے (Passers-by)

یہ ایک افسانچہ ہے۔اس میں کل تین پیرا گراف ہیں۔رات کے وقت اگر آپ کے پاس سے کوئی دو لوگ بھاگ رہے ہوں تو آپ کیا کریں گے۔کیا آپ پہلے شخص کو پکڑیں گے۔ ہوسکتا ہے وہ چور ہو یا ہوسکتا ہے اسے کوئی قتل کرنا چاہتا ہے اور ہوسکتا ہے اپنے گھر جانے کی جلدی میں ہے یا ہوسکتا ہے کوئی مستی اور مذاق کررہے ہوں۔اس افسانہ میں انسانی ذہن کی ترنگوں کو الفاظ کا جامع پہنایا گیا ہے۔

5۔ خانہ دار کی پریشانیاں (The Cares of a Family Man)

یہ مختصر افسانہ ''اودرادک''(Odradek) نامی مخلوق کے بارے میں تخلیق کیا گیا ہے۔یہ ایک خیالی مخلوق ہے۔اس کی تفصیل کو دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس انگریزی افسانہ کا موضوع اردو کے لئے نیا ہی تھا اور اس طرح کی کہانیاں انگریزی ادب میں پہلے میں منظر عام پر آچکی ہیں۔اس افسانہ کے آغاز میں کافکا نے لکھا ہے:

SOME SAY the word Odradek is of Slavonic origin, and try to account for it onthat basis. Others again believe it to be of German origin, only influenced by Slavonic.The uncertainty of both

---

1۔ Franz Kafka,The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir, Ebook

interpretations allows one to assume with justice that neitheris accurate, especially as neither of them provides an intelligent meaning of the word. 1؎

مذکورہ بالا انگریزی متن میں کئی الفاظ ایسے ہیں جو اردو میں کم مستعمل ہیں۔ نیرّ مسعود نے ان سطور کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ''اودرادک'' اصلاً سلافی زبان کا لفظ ہے اور اسی بنیاد پر وہ اس کی تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس کی اصل جرمن ہے اور سلافی زبان کا اس پر صرف اثر پڑا ہے۔ ان دونوں تاویلوں کے تذبذب کی وجہ سے یہ نظریہ قائم کر لینا بے جا نہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی تاویل درست نہیں ہے، علی الخصوص جب کہ کوئی بھی تاویل اس لفظ کے قابل قبول معنی نہیں بتاتی۔ 2؎

کافکا جدید افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے مختلف شاہکار افسانے لکھے ہیں۔ مذکورہ بالا افسانہ کے آغاز کے میں انھوں نے قاری کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کروالیا ہے۔ افسانے کے آغاز سے قاری کی توجہ کو افسانے کی جانب مبذول کرنے کا فن کافکا کو آتا ہے۔

6۔ بے خیالی میں کھڑکی سے دیکھنا Absent-minded Window-gazing

چند سطور پر مبنی افسانچہ ہے۔ صبح سویرے کھڑکی میں کھڑی ایک لڑکی کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ننھی بچی کھڑکی سے باہر دیکھتی ہے اور بس۔

Absent-minded Window-gazing

WHAT are we to do with these spring days that are now fast coming on? Early this morning the sky was gray, but if you go to the window now you are surprised and lean your cheek against the latch of the casement. The sun is already setting, but down below you see it lighting up the face of the little girl who strolls along looking about her, and at the same time you see her eclipsed by the shadow of the man behind overtaking her. And then the man has passed by and the little girl's face is quite bright.3؎

1 ؎The complete Story of kafka, The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir Page.469)

2؎ کافکا کے افسانے، نیرّ مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 30

3؎ The complete Story of kafka, The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir Page.469)

ایک عام سے واقعہ کو غیر معمولی بنا کر پیش کرنے کا فن کافکا کے پاس ہے۔ اکثر لوگ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہیں لیکن اس میں ایک انوکھا پن اور کہانی پن پیدا کرنے کی بہترین مثال اس افسانے میں دکھائی دیتی ہے۔

7۔حویلی کے پھاٹک پر دستک The Knock at the Manor Gate

اس کہانی کا ہیرو اپنی بہن کے ساتھ کسی حویلی کے سامنے سے گذر رہا ہے اور راستہ میں اس کی بہن اس حویلی پر دستک دیتی ہے اور حویلی سے گھڑ سوار نکلتے ہیں اور اسے انجانے جرم میں گرفتار کر لیتے ہیں۔ وہ کافی دلیلیں دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسے نامعلوم وقت تک کے لیے جیل کی سزا ہوجاتی ہے۔ اس میں حقوق انسانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں حقیقت نگاری کا بہترین استعمال کیا گیا ہے۔ کافکا کے بہترین افسانوں میں سے یہ ایک افسانہ ہے۔

8۔پل The Bridge

اس کہانی میں ایک پل کی زبانی کہانی بیان کی گئی ہے۔ پل کو گویا کیا گیا ہے۔ ایک پل جو ابھی نقشہ پر وجود میں ہی نہیں آیا ہے۔ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اس کو تعجب ہوتا ہے کہ کون اس پر چل رہا ہے۔ ایسے ایسا لگتا ہے کہ کوئی اسے کرید رہا ہے اور پھر یہ پل ندی میں بہہ جاتا ہے۔ تمثیلی انداز میں ایک اچھوتے موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

9۔ بالٹی سوار The Bucket Rider

یہ ایک جدید افسانہ ہے۔ بے رحم سماج پر شدید تنقید کی گئی ہے۔ شدید سردی ہے اور اس سردی میں آتش داں ہی واحد ذریعہ ہے گرمی حاصل کرنے کا ایسے میں کہانی کا ہیرو خود کلامی میں کہتا ہے کہ اب اس سردی سے بچنے کے لیے اس کے آتش داں میں کوئی گرمی نہیں ہے اور اس میں ڈالنے کے لیے اس کے پاس کوئلہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی اسے خریدنے کے لیے پیسے ہیں۔ وہ دکاندار کے پاس جاتا ہے تا کہ کچھ کوئلہ ادھار مانگ لائے۔ اپنی مجبور کو دیکھتا ہے اور خالی بالٹی اٹھا کر وہ اس طرح چلتا ہے کہ وہ خالی اور ہلکی بالٹی میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ جب وہ مجبوری کے عالم میں کوئلہ والے سے کوئلہ ادھار مانگتا ہے تو کوئلہ والے کی بیوی کہتے ہیں کوئی سڑک پر نہیں ہے اور ہمیں اب دکان بند کر دینا چاہیے۔ خراب کوئلہ اور تھوڑا کوئلہ بھی وہ ادھار دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے اور اس کڑاکے کی سردی میں وہ بالٹی لے کر واپس آتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سرد ہو جاتا ہے۔

افسانے کے انجام کا انگریزی متن ملاحظہ کیجیے:

"You bad woman!" I shout back, while she, turning

into the shop, halfcontemptuous,half-reassured, flourishes her fist in the air. "You bad woman! I begged you for a shovelful of the worst coal and you would not give it me." And with that I ascend into the regions of the ice mountains and am lost forever.

فرانز کافکا نے کی اس کہانی کے اقتباس کا نیر مسعود نے اس طرح ترجمہ کیا ہے:

''خبیث عورت! میں نے تجھ سے فقط ایک بیلچہ بھر سب سے بدتر کوئلہ مانگا، اور تو نے وہ بھی نہ دیا''۔

اور یہ کہہ کر میں برف پوش پہاڑوں کے علاقے کی سمت پرواز کرتا ہوں اور ہمیشہ کے لئے کھو جاتا ہوں۔''2

اس کہانی میں نہایت درد اور تکلیف ہے۔ زمانہ کی بے رحمی ہے اور دکاندار کا گاہک پر بھروسہ نہ کرنا ہے اور وہی دوسری طرف مجبور شخص موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر رحم نہ کرنا۔ لوگوں کی تکلیف کا خیال نہ کرنا سماج میں بڑھتا جارہا ہے جس کی وجہ سے کئی غریب لوگ مر بھی جاتے ہیں۔

10۔ ایک عام خلفشار

کافکا نے اپنے افسانوں میں بعض تجربات بھی کئے ہیں۔ اس افسانے میں ناموں اور جگہ کے ناموں کے بجائے الف ،ب اور ج کہا گیا ہے۔ اس مختصر افسانے میں عام خلفشار کو ظاہر کیا گیا ہے۔ الف اور ب مقام ج پر ملتے ہیں اور پھر ب کو انتظار کرنا پڑتا ہے اور الف کو اندھیرے میں چوٹ بھی لگتی ہے اور اس چوٹ کی تکلیف سے کراہ رہا ہے اور ساتھ ہی پریشان بھی ہے ادھر ب اپنا پیر پٹکتا ہوا چلا جاتا ہے۔ مختصر افسانے میں علامتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

11۔ ایک چھوٹی سی کہانی A Little Fable

واقعتاً بہت چھوٹی ہے۔ ایک چوہا یہ کہتا ہے کہ پہلے دیوار بڑی تھی اب چھوٹی ہے اور اس دیوار کے باہر چوہے دان لگا ہے۔ اسی دوران بلی کہتی ہے کہ ''تم کو صرف اپنا رخ بدلنا ہے'' بلی نے کہا اور اسے کھا گئی۔

1 The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir,Page452

2 کافکا کے افسانے، نیر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 40

اس طرح کہانی ایک تاثر دیتے ہوئے ختم ہو جاتی ہے۔ جدید مختصر افسانے کی بہترین مثال ہے۔

یہ ایک مختصر کہانی ہے۔ اس کہانی کے انگریزی ورژن کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"ALAS," said the mouse, "the world is growing smaller every day. At the beginning it was so big that I was afraid, I kept running and running, and I was glad when at last I saw walls far away to the right and left, but these long walls have narrowed so quickly that I am in the last chamber already, and there in the cornerstands the trap that I must run into." "You only need to change your direction," said the cat, and ate it up. 1

یہ ایک واقعی چھوٹی کہانی ہے لیکن اس میں ایک بڑا سبق چھپا ہوا ہے۔ نیر مسعود نے اس کہانی کو اردو میں ترجمہ کرتے وقت اردو قاری کی آسانی کو ملحوظ رکھا ہے۔

12۔ دوغلا A Crossbreed

کافکا کی اس کہانی میں تشبیہ واستعارے کا استعمال کیا گیا ہے۔ کہانی کا اہم کردار خود اپنی زبان میں کہانی سنا رہا ہے۔ اس کے پاس ایک جانور جو بلی اور بھیڑ سے مماثلت رکھتا ہے۔ کچھ بھیڑ زیادہ ہے اور کچھ بلی۔ ایسا جانور کہیں نہیں ہے۔ یہ جانور اسے ورثات میں ملا ہے۔ فرانز کافکا کی کہانی کا انگریزی متن دیکھئے جس میں عجیب جانور کے بارے میں بتایا گیا ہے:

I HAVE a curious animal, half kitten, half lamb. It is a legacy from my father. But it only developed in my time; formerly it was far more lamb than kitten. Now it is both in about equal parts. From the cat it takes its head and claws, from the lamb its size and shape; from both its eyes, which are wild and flickering, its hair, which is soft, lying close to its body, its movements, which partake both of skipping and slinking. Lying on the window sill in the sun it curls up in a ball and purrs2

مذکورہ بالا انگریزی متن کا اردو میں ترجمہ نیر مسعود نے کیا ہے۔ جس میں جانور کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہانی

1 The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir,Page492)

2 (The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir,Page466)

کا اصل کردار کہتا ہے

''میرے پاس ایک عجیب الخلقت جانور ہے، آدھا بلی، آدھا بھیڑ کا بچہ۔ یہ میرے باپ کا ترکہ ہے لیکن یہ بڑھا میرے ہی زمانے میں ہے۔ پہلے یہ بلی کم اور بھیڑ بہت زیادہ تھا۔اب یہ دونوں میں برابر برابر بٹا ہوا ہے۔اس کا سراور پنجے بلی کے سے ہیں۔ جسامت اور بناوٹ بھیڑ کی سی۔آنکھیں اس نے دونوں سے لی ہیں جو وحشت زدہ اور رنگ بدلتی رہتی ہیں اور بال بھی جو نرم اور بہت گھنے ہیں اور چال ڈھال بھی جس میں قلانچیں بھرنا ور دبک کر چلنا دونوں شامل ہیں۔ دھوپ میں یہ کھڑکی کی چوکھٹ پر گٹھری بنا پڑا خرخر کیا کرتا ہے۔'' 1

اس عجیب وغریب جانور کی کہانی میں آخر میں انجام کسی قدر چونکانے والا ہے۔اس عجیب جانور کو قصاب کے چھرے سے ذبح کرنا سوچتا ہے پھر دوسرے ہی لمحہ یہ سوچتا ہے کہ اسے ہمیشہ اکیلے ہی رہنا ہوگا۔اسے وہ جانور بھی اس نظروں سے دیکھتا ہے کہ وہ اسے عجیب زندگی سے آزاد کرادے۔ یہاں پر افسانہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔اس کہانی میں دوغلے انسانوں پر ضرب معلوم ہوتی ہے۔ایک جانور کی مثال کے ذریعے انسانوں کو دوغلے پن سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

13۔لباس Clothes

کافکا کی یہ ایک مختصر تحریر ہے۔حسینوں کے لباس پر مصنف غور کرتا ہے۔غور کرنے کے بعد وہ اس کے ذریعہ دنیا کی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے۔لباس کتنا چست ہے اور اسے کیسے استری کیا گیا ہے۔پھر مصنف سوچتا ہے کہ

''یہ لباس گھسا پٹا، ڈھیلا ڈھالا، میلا کچیلا ہو چکا ہے۔اس پر اب تک معلوم نہیں کتنوں کی نظر پڑ چکی ہے اور اب شاید یہ مزید پہننے کے قابل نہیں رہا ہے۔'' 2

متوسط طبقے کی عوام کے روزمرہ معمولات کو مصنف نے غیر معمولی بنا کر پیش کیا ہے۔اس کہانی میں انسانیت کے لئے ضروری چیز یعنی لباس کو موضوع بنایا گیا ہے۔روٹی، کپڑا اور مکان میں یہ دوسرے نمبر پر آتا ہے۔

it seems in the looking glass to be worn out, puffy, dusty, already seen by too many people, and hardly wearable any longer. 3

---

1 کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ، 44

2 کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ، 47

3 (The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir,Page409)

کافکا نے لباس کے ذریعے انسانوں کے ظاہر و باطن پر چوٹ کی ہے۔انسان کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور باطن کچھ اور۔ دکھاتا کچھ اور ہے اور ہوتا کچھ ہے۔عمدہ کپڑوں میں خونخار لوگ چھپے ہوتے ہیں اور بعض میلے کچیلے کپڑوں میں عمدہ لوگ ہوتے ہیں۔

14۔قصبے کا ڈاکٹر A Country Doctor

یہ کہانی ایک قصبے کی ڈاکٹر کی ہے۔یہ ڈاکٹر بوڑھا ہے اور اس کے ساتھ روز نامی ایک لڑکی رہتی ہے۔ایک رات اسے کسی مریض کے پاس جانا ہوتا ہے اس کے پاس گھوڑے نہیں ہے اور وہ گھوڑے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسے نہیں ملتے تب ہی اسے ایک سائس دو گھوڑے دیتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ روز کو دبوچ لیتا ہے۔ڈاکٹر اسے متنبہ کرتا ہے۔اس کے بعد ڈاکٹر مریض کے پاس جاتا ہے۔وہاں پر مریض اس سے کہتا ہے کہ وہ اسے کو مرنے دے۔اس مریض کے پیر میں بڑا سا زخم ہے۔سارے گھر والے پریشان ہیں۔ڈاکٹر علاج کر کے گھر واپس آتا ہے اور پھر فون کی گھنٹی بجتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ اب نہیں جاؤں گا۔

کافکا نے اس افسانہ کے اختتامی منظر کو عمدہ طریقہ سے کھینچا ہے۔ملاحظہ کیجئے:

> ''اس رفتار سے میں کبھی گھر نہیں پہنچ سکتا۔میرا چلتا ہوا مطب چوپٹ ہو گیا ہے۔میرا جانشین میرے ساتھ خیانت کر رہا ہے، لیکن بے سود، کیوں کہ وہ میری جگہ نہیں لے سکتا۔ میرے گھر میں گرمایا ہوا سائس بھپر رہا ہے، روز اس کا شکار ہے، میں اب اس بارے میں اور کچھ سوچنا نہیں چاہتا۔ننگا، اس بدترین دور کے پالے میں کھلا ہوا، ارضی گاڑی، غیر ارضی گھوڑوں کی سواری پر، میں اتنا بوڑھا آدمی، بھٹکتا پھر رہا ہوں۔میرا سموری کوٹ گاڑی کی پشت پر لٹک رہا ہے مگر میں اس تک پہنچ نہیں سکتا اور میرے گنے چنے مریضوں میں سے کوئی انگلی تک نہیں ہلاتا۔دغا! دغا! رات کو گھنٹی کی جھوٹی آواز کا ایک بار جواب دے دیا گیا۔اب اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔کبھی نہیں۔''[1]

مفاد دنیا کی ایک جھلک اس افسانے میں نظر آتی ہے۔لوگوں کے علاج و معالجہ کرنے والے ڈاکٹر کے گھوڑے کی

1 (کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ، 55

ضرورت پڑتی ہے لیکن اسے وقت پر نہیں مل سکتے بدلے میں اسے کچھ دینا پڑتا ہے۔ دوسرے جانب مریض کو ڈاکٹر بچانے آتا ہے لیکن وہ خود اپنے گھر والوں پر بوجھ نہیں بننا چاہتا ہے بلکہ مرجانا چاہتا ہے۔

15۔ درخت The Trees*

یہ کافکا کا مختصر تجرباتی افسانہ ہے۔ مکمل افسانہ صرف اتنا ہی ہے:

ایسا ہے کہ ہم برف میں درختوں کے تنوں کی طرح ہیں۔ دیکھنے میں وہ ڈھیلے ڈھالے پڑے ہوتے ہیں اور ایک ہلکا سا دھکا انھیں لڑھکانے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ نہیں، ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ وہ زمین میں پینٹھے ہوئے ہیں۔ مگر دیکھیے نا، خود یہ بھی دکھاوا ہی تو ہے۔1

اس تجریدی افسانے کے ذریعے دنیا کی بے ثباتی کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ دنیا کبھی مضبوط دکھائی دیتی ہے تو کبھی کسی کی موت ہوجاتی ہے اور کبھی کوئی مضبوط دکھنے والا مرجاتا ہے اور ایسا مریض جس کے بچنے کے کوئی آثار نمایاں نہیں ہوتے وہ اچھا ہوجاتا ہے اور ایک لمبی زندگی جیتا ہے۔

اس افسانے کا انگریزی متن اس طرح ہے

The Trees

FOR WE are like tree trunks in the snow. In appearance they lie sleekly and a little push should be enough to set them rolling. No, it can't be done, for they are firmly wedded to the ground. But see, even that is only appearance.2

16۔ نیا وکیل The New Advocate

کافکا کا ایک بہترین افسانہ نیا وکیل ہے۔ اس افسانے میں کافکا نے ایک وکیل کے بارے میں لکھا ہے۔ نیا وکیل بسفلیس ہے۔ اس وکیل کے بارے میں افسانہ نگار کہتا ہے

1 کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 56

2 (Translated by Willa and Edwin Muir-Page 408)

’’ہمارے یہاں ایک نیا وکیل آیا ہے، ڈاکٹر بسفیلس۔اس کے حلیے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے آپ کو یہ خیال آسکے کہ وہ کسی زمانے میں سکندر مقدونی کا گھوڑا تھا۔ ہاں، اگر آپ اس کی کہانی سے واقف ہوں تو البتہ آپ کو کچھ کچھ ایسا محسوس ہوسکتا ہے۔لیکن ابھی ایک دن جب وہ کچہری کے اگلے سنگی زینوں پر اتنے زور زور سے چڑھ رہا تھا کہ زینے اس کے پیروں تلے گونج رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک معمولی سا اردلی، جو ریس میں پابندی کے ساتھ چھوٹی موٹی بازیاں لگا لگا کر گھوڑوں کو آنکنے میں خوب مشاق ہوگیا ہے، وہ بھی اس کا تعریفی نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔‘‘1

نیرّ مسعود نے انگریزی متن میں Charger کا ترجمہ گھوڑا کیا ہے۔ ایک ترجمہ ’’حملہ کرنے والا‘‘ بھی ہوسکتا تھا۔ انگریزی متن کا ملاحظہ کیجیے:

WE HAVE a new advocate, Dr. Bucephalus. There is little in his appearance to remind you that he was once Alexander of Macedon's battle charger. Of course, if you know his story, you are aware of something. But even a simple usher whom I saw the other day on the front steps of the Law Courts, a man with the professional appraisal of the regular small bettor at a racecourse, was running an admiring eye over the advocate as he mounted the marble steps with a high action that made them ring beneath his feet.2

مصنف آخر میں کہتا ہے کہ اس پاس کے ماحول میں خون خرابہ بہت ہے۔اس لیے بہتر ہے کہ لیمپ کے روشنی میں قانون کی کسی کتاب کا مطالبہ کیا جائے۔ یہ افسانہ بھی جدیدیت کی عمدہ مثال ہے۔ ایک وکیل کی کہانی کو بغیر پلاٹ کے مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

17۔اگلا گاؤں The Next Village*

یہ مختصر افسانچہ کل اتنا ہے

میرے دادا کہا کرتے تھے:

’’زندگی حیرت خیز حد تک مختصر ہے۔میں تو جب اپنی زندگی پر نظر کرتا ہوں تو یہ اتنی قلیل

1 کافکا کے افسانے، نیرّ مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 57

2 (Translated by Willa and Edwin Muir-Page 440

معلوم ہوتی ہے کہ مثال کے طور پر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی نوجوان اس اندیشے کے بغیر اگلے گاؤں کو روزانہ ہونے کا ارادہ کس طرح کرسکتا ہے کہ ایسے سفر میں جتنا وقت درکار ہوگا اس کے لیے...... حادثوں سے قطع نظر...... ایک پوری خوش وخرم طبعی زندگی کی مدت بھی کم پڑسکتی ہے''۔1

کافکا کا یہ مختصر اور تجرباتی افسانہ ہے۔ تجریدی انداز میں لکھا گیا ہے۔

18۔ گیدڑ اور عرب Jackals and Arabs

یہ ایک تمثیلی افسانہ ہے۔ اس میں مصنف چند گیدڑوں سے بات کرتا ہے۔ یہ گیدڑ عرب کے پاس ہوتے ہیں۔ عرب کے بارے میں برا بھلا کہتے ہیں۔ یہاں پر مصنف نے کسے گیدڑ کہا ہے یہ سمجھنا ذرا پیچیدہ ہے۔ عرب سو رہے اور گیدڑ انھیں مصنف کے سامنے برا بھلا کہتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے عرب سو رہے ہیں کہیں جاگ نہ جائے تو گیدڑ کہتا ہے یہ نہیں جاگیں گے۔

19۔ ریڈ انڈین ہونے کی خواہش The Wish to Be a Red Indian

کافکا نے مختصر افسانچے بھی لکھے ہیں۔ اس کتاب کا یہ بھی ایک مکمل افسانچہ اس طرح ہے

''کاش کوئی ریڈ انڈین ہی ہوتا، ہر دم چوکنا اور ایک دوڑتے ہوئے گھوڑے پر سوار، ہوا کے سامنے جھکا ہوا، مرتعش زمین کے اوپر جھٹکے کھاتا، تھرتھراتا ہوا، یہاں تک کہ وہ اپنے مہمیز پھینک دیتا اور اس لیے کہ مہمیزوں کی حاجت ہی نہ ہوتی، لگامیں گرادیتا اس لیے کہ لگاموں کی حاجت ہی نہ ہوتی، اور ابھی اس نے سامنے برابر سے کٹی ہوئی جھاڑیوں والی زمین کو دکھا ہی ہوتا کہ گھوڑے کی گردن اور سر اڑ بھی گئے ہوتے۔''2

اس افسانچہ میں ریڈ انڈین کے بارے میں تجریدی انداز میں بتایا گیا ہے۔ اس افسانے میں انھوں نے کہانی کے بغیر مختصر تاثر اور خیال ظاہر کیا ہے۔

20۔ فیصلہ (ف کے لیے ایک کہانی) The Judgment

یہ 14 صفحوں کا ایک طویل افسانہ ہے۔ نیر مسعود کے مطابق یہ افسانہ کافکا نے 'ف' کے لیے لکھا۔ جب کہ انگریزی

1 کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 59،
2 کافکا کے افسانے، نیئر مسعود، ناشر آج کی کتابیں، کراچی صفحہ 65،

ترجمہ میں کہیں بھی یہ وضاحت نہیں کی گئی ہے۔اس طویل افسانہ میں افسانے کے ہیرو جارج کی اپنے والد کے ساتھ کئی مکالمے بھی ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ اپریل1914ء میں کافکا کی منگنی Felice Bauer فیلسی باور کے ساتھ ہوئی تھی۔اس افسانہ میں بھی منگنی کا ذکر ہے۔اس افسانہ میں کئی نشیب وفراز دکھائی دیتے ہیں۔کبھی ایسا لگتا ہے کہ کہانی پرسکون انداز میں چل رہی ہے اور کبھی اچانک کہانی میں بھونچال آجاتا ہے۔کہانی کا ہیرو جارج دو سال سے اپنے وطن سے دور ہے اور وہاں پر اس کی منگنی ہو چکی ہے اور وہ اپنے دوست کو خط لکھتا ہے کہ جلد ہی اس کی شادی ہونے والی ہے۔تب ہی اس کا کمزور باپ اس سے بحث کرتا ہے۔اچانک لاچار وکمزور باپ نہایت طاقتور دکھائی دیتا ہے۔اس کشمکش میں اسکا باپ اسے کہتا ہے کہ وہ پانی میں غرقاب ہوجائے جس پر عمل کرتے ہوئے جارج آخر میں خودکشی کرلیتا ہے۔

یہ اس کتاب کا آخری افسانہ ہے۔اس میں ایک انسان کی نفسیات کو واضح کیا گیا ہے۔فیصلہ کے ذریعے سے انسان کی ذہن کی عکاسی کی گئی ہے۔ایک شخص کشمکش میں خودکشی کرلیتا ہے۔

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے لئے ''کافکا کے افسانے'' کو شامل کرنے کی اہم وجہ یہ ہے کہ جدیدیت پسند افسانوں نگاروں میں کافکا نہایت نمایاں ہیں۔ان کے افسانے دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ان کے افسانے میں کہانی بھی ہے اور بغیر کہانی کے بھی افسانے ہیں۔اردو میں اس طرح کے افسانے لکھنے کا آغاز کافکا کے افسانوں کے بعد سے شروع ہوا تھا۔

کافکا کے افسانوں میں زندگی سے محبت اور عام لوگوں کی چھوٹی چھوٹی مدد کرنے کی تلقین ہمیں ملتی ہے۔ انھوں نے غریبوں اور کمزور افراد کی زندگی پر بھی لکھا ہے۔غریب آدمی سردی سے مر رہے ہوتے ہیں اور لوگ اپنے گھروں میں بند ہوتے ہیں۔اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے کافکا اپنے افسانوں کے ذریعہ کہتے ہیں کہ اس طرح کی بے رحمی نہیں کرنا چاہئے۔

مجموعی طور پر کافکا نے حقیقت نگاری کے ذریعہ سے سماج کو آئینہ دکھایا ہے اور وہ اپنے افسانوں کے ذریعہ سماج میں تبدیلی لانا چاہتے تھے۔

☆☆☆

انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں

ترجمہ محمد مہدی

انٹون پاوٗلاوچ چیخوف (Anton Pavlovich Chekhov) کی پیدائش 29/ جنوری 1860ء روس میں ہوئی اور 15/ جولائی 1904ء کو انتقال ہوا۔ 1884ء میں چیخوف کے قلمی نام سے مختصر افسانے لکھنے شروع کیے۔ پہلے مجموعے کی کامیابی کے باعث ڈاکٹری ترک کر کے افسانے اور ڈرامے لکھنے شروع کیے۔ سائنسی تربیت نے روسی ادب کو بہت فائدہ پہنچایا اور حقیقت نگاری کا ایک نیا اسلوب روسی ادب کو ملا۔ چیخوف نے عوامی معاملات اور لوگوں کی نفسیات کو اپنا موضوع بنایا۔ اردو ادب میں چیخوف کے افسانوں کے تراجم سے نیا انقلاب آیا۔ چیخوف کی سوچ اور عام موضوعات کو غیر معمولی بنانے کے ہنر نے افسانوں ادب کو ترقی پر پہنچایا۔

''انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں'' کتاب کو روس کے ادارے ''بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر ماسکو'' نے شائع کیا۔ اس کتاب کا ترجمہ محمد مہدی نے کیا جبکہ اس کتاب کے ایڈیٹر ظ انصاری تھے۔ روس نے اردو ادب میں ان افسانوں کے تراجم کرائے جن سے روس کی سوچ کو عوام میں مقبولیت حاصل ہو۔

اس کتاب میں 16 افسانے ہیں (1) کلکرک کی موت (2) گرگٹ (3) سوانگ (4) غم (5) وانکا (6) دشمن (7) ایک غیر دلچسپ کہانی (ایک بوڑھے کی نوٹ بک سے) (7) بھونرا (8) وارڈ نمبر 6 (9) دومنزلہ مکان (ایک فنکار کی کہانی) (10) یونچ (11) کنویں کا مینڈک (12) بیر (13) بیر (14) کتے والی میم (15) گھاٹی میں (16) دلہن شامل ہیں۔

اس کتاب میں انٹون چیخوف کے اہم افسانوں کے تراجم شامل ہیں۔ 531 صفحات کی یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب کے آخری صفحہ پر روسی ادارے نے ایک نوٹ لکھا جو کتاب کے مقصد کی عکاسی کرتا ہے۔ لکھا ہے:

'' پڑھنے والوں سے

''بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر آپ کا بہت احسان مند ہوگا اگر آپ ہمیں اپنی رائے

لکھ کر بھیجیں کہ اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے، اس کی شکل صورت اور طباعت کیسی ہے اور یہ کہ آپ اور کیا چاہتے ہیں۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار۔ نمبر21۔ ماسکو سوویت یونین۔"

(انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں، بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، ماسکو، ترجمہ محمد مہدی، ایڈیٹر: ظ انصاری، ص531)

اس کتاب کا پہلا افسانہ "کلرک کی موت" انٹونی کے افسانہ ("The Death of a Government Clerk") کا ترجمہ ہے۔ یہ جدید افسانہ نگاری کی بہترین مثال ہے۔ انٹونی چیخوف کے اس افسانے انگریزی ورژن کے ابتدائی سطور یہاں درج کئے جاتے ہیں تاکہ اردو اور انگریزی اسلوب کا مطالعہ کیا جا سکے۔ ملاحظہ کیجیے:

One fine evening, a no less fine government clerk called Ivan Dmitritch Tchervyakov was sitting in the second row of the stalls, gazing through an opera glass at the Cloches de Corneville. He gazed and felt at the acme of bliss. But suddenly... In stories one so often meets with this "But suddenly." The authors are right: life is so full of surprises! But suddenly his face puckered up, his eyes disappeared, his breathing was arrested... he took the opera glass from his eyes, bent over and... "Aptchee!!" he sneezed as you perceive. It is not reprehensible for anyone to sneeze anywhere. Peasants sneeze and so do police superintendents, and sometimes even privy councillors. All men sneeze. Tchervyakov was not in the least confused, he wiped his face with his handkerchief, and like a polite man, looked round to see whether he had disturbed any one by his sneezing. But then he was overcome with confusion. He saw that an old gentleman sitting in front of him in the first row of the stalls was carefully wiping his bald head and his neck with his glove and muttering something to himself. In the old gentleman,

Tchervyakov recognised Brizzhalov, a civilian general serving in the Department of Transport. 1

مذکورہ بالا انگریزی متن مختلف ویب سائٹس پر موجود ہے۔ یہ کہانی مختلف ادیبوں نے انگریزی میں ترجمہ کی ہے۔ محمد مہدی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''وہ رات بہت اچھی تھی۔ جب بہت اچھا کلرک ایوان دمترچ چیرویاکوف تھیٹر کی دوسری قطار میں بیٹھا دوربینکی مدد سے ''لے کلوش دے کارنویل'' سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ اسٹیج کی طرف دیکھ رہا تھا، اور اپنے آپ کو انتہائی خوش نصیب انسان سمجھ رہا تھا کہ دفعتاً ......لفظ ''دفعتاً'' بہت پٹا ہوا ہے۔ لیکن مصنف اس سے بھاگ کیسے سکتے ہیں جب کہ خود زندگی میں حیرت انگیز باتوں کی کمی نہیں ہے؟ تو دفعتاً اس کا چہرہ متغیر ہوا، دیدے اوپر کی طرف چڑھ گئے، سانس رک گیا......وہ دوربین سے منہ ہٹا کر اپنی نشست پر دوہرا ہو گیا اور ......آخ چھیں!!! یعنی اسے چھینک آئی۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کو یہ حق ہے کہ جہاں بھی چاہے چھینکے۔ کسان، پولیس انسپکٹر یہاں تک کہ بڑے بڑے سرکاری افسر بھی چھینکتے ہیں۔ ہر شخص چھینکتا ہے۔ ہر شخص۔ چیرویاکوف کو ذرا بھی گھبراہٹ نہ ہوئی، اس نے جیب سے رومال ناکال کر ناک پونچھی، اور اچھے تربیت یافتہ انسان کی طرح اپنے چاروں طرف مڑ کر دیکھا کہ میری چھینک کسی کے لیے خل انداز تو نہیں ہوئی؟ اور تب تو اسے واقعی الجھن محسوس ہوئی، کیوں کہ اس نے دیکھا کہ پہلی قطار میں بالکل اس کے سامنے بیٹھا ہوا ایک مختصر سا بوڑھا شخص بڑی احتیاط سے اپنی گنجی چاند اور گردن کو اپنے دستانے سے صاف کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ بڑبڑاتا جا رہا ہے۔ چیرویاکوف نے پہچان لیا کہ یہ بوڑھا شخص وزارت رسل ورسائل کا سول جنرل بری ذالوف ہے۔'' 2

اگرچہ یہ کہانی ایک کلرک کی زندگی پر مبنی ہے اور عام سی معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں ماہرانہ انداز میں سرکاری طریقہ پر

1 (بحوالہ، انٹون چیخوف، ویب سائٹ www.online-literature.com

2 انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں، بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، ماسکو، ترجمہ محمد مہدی، ایڈیٹر: ظ انصاری، ص 7، 8)

طنز کیا گیا ہے۔ افسانہ کے آخر میں کلرک کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی موت کی وجہ کیا ہے۔ یہ کلرک کن وجوہات کی بناء پر پریشان تھا۔ کیوں وہ اس کی چھینک کا بتنگڑ بنا۔ کیوں وہ بات کو سلجھا نہ سکا ان ہی سوالوں کے جواب اس افسانے میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کلرک کی موت کا خاکہ چیخوف نے اسطرح کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''نکل جاؤ یہاں سے!'' جنرل چیخا۔ غصے کی وجہ سے وہ کانپ رہا تا اور نیلا پڑ گیا تھا۔

''جی۔ کیا؟'' چیروباکوف جو خوف سے سہم گیا تھا ہکلانے لگا۔

''نکل جاؤ!'' جنرل نے پاؤں پٹکتے ہوئے دھرایا۔

چیروباکوف کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے اندر کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔ وہ دروازے کی طرف مڑا تو اسے نہ کچھ سنائی دے رہا تھا، نہ کچھ نظر آ رہا تھا۔ سڑک پر پہنچا اور چلتا گیا۔ لڑکھڑاتا ہوا وہ بالکل بے حس ہو گیا، اپنے گھر پہنچا۔ اور اپنی سرکاری وردی پہنے پہنے جس حلیہ میں تھا اسی میں صوفے پر لیٹ گیا اور......مر گیا۔''[1]

یہ افسانہ جدید افسانہ ہے۔ اس میں جدید موضوع پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ کلرک کی موت کے ذریعے سے چیخوف نے انتظامیہ میں پائی جانے والی بعض خرابیوں کی جانب نشاندہی کی ہے۔ دوسری جانب ملازمین کو پہنچ رہی تکالیف پر بھی زور دیا ہے۔ جدید افسانوں میں پائی جانے والی خصوصیات اس افسانہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

انگریزی ورژن جس کا ترجمہ Constance Garnett نے کیا ہے میں THE LADY WITH THE DOG وغیرہ شامل ہیں۔ ان انگریزی کہانیوں کو دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ ان طویل کہانیوں کا مقصد انسانی نفسیات کا تجزیہ کرنا اور انھیں ان میں انقلاب کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔

یہاں پر انگریزی ورژن کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے جس سے انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئی کہانی میں مترجم کا الفاظ کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

IT was said that a new person had appeared on the sea-front: a lady with a little dog.

Dmitri Dmitritch Gurov, who had by then been a

[1] انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں، بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، ماسکو، ترجمہ محمد مہدی، ایڈیٹر: ظ انصاری، ص10، 11

fortnight at Yalta, and so was fairly at
home there, had begun to take an interest in new
arrivals. Sitting in Verney's pavilion, he
saw, walking on the sea-front, a fair-haired young
lady of medium height, wearing a
béret; a white Pomeranian dog was running
behind her. 1

روسی افسانہ میں زماں ومکاں کا بھی کافی دخل ہے۔اس میں ایک عورت کے ساتھ جو کتا ہے اس کا بھی حلیہ بیان کیا گیا ہے۔ترجمہ کرتے وقت محمد مہدی نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ انگریزی متن کا ترجمہ اردو میں بوجھل نہ ہو۔اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

''لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ سیر گاہ میں ایک نووارد کو دیکھا گیا ہے۔ایک کتے والی میم کو۔دمتری دمترچ گوروف کو یالٹا میں آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے اور وہ اس کے طریقوں سے واقف ہو چکا تھا۔اور اس نے بھی اس نووارد سے دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ورنٹ کے کھلے ہوئے ریستوران میں اپنی جگہ بیٹھ کر وہ دیکھا کرتا کہ ایک نوجوان عورت ہیٹ لگائے سیر گاہ کی طرف سے گزرتی رہتی ہے۔اس کا رنگ کھلتا ہوا تھا اور قد زیادہ لمبا نہیں تھا اس کے پیچھے پیچھے ایک سفید پوم ایرانی کتا دوڑا کرتا تھا۔'' 2

بعض افسانہ نگاروں نے کبھی ایسا کیا کہ روسی مقامات کے ناموں کو ہندوستان کے مقامات سے تبدیل کیا۔ایسا آسکر وائیلڈ کے افسانوں کے اردو تراجم میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے لیکن یہاں محمد مہدی نے ''Yalta'' کا ترجمہ ''یالٹا'' ہی کیا ہے۔ لیکن Pomeranian کا ترجمہ ''ایرانی'' کیا ہے۔جب کہ Pomerania یوروپ کے علاقہ کا قدیم نام ہے جو جرمنی سے شروع ہو کر پولینڈ تک پھیلا ہوا ہے۔اس علاقہ کی نسل کے کتا کا ذکر ہے لیکن مترجم نے اسے ایرانی کتا لکھ دیا ہے۔اردو میں اس طرح کی تبدیلیاں بہت جگہ نظر آتی ہیں۔

☆☆☆

1 THE LADY WITH THE DOG AND OTHER STORIES ,By Anton Chekhov Translated by Constance Garnett

2 انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں، بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، ماسکو، ترجمہ محمد مہدی، ایڈیٹر: ظ انصاری، ص 401

اینڈرسن کی کہانیاں

ترجمہ اظہر افسر

ہینس کرسچن اینڈرسن (Hans Christian Andersen) 2/اپریل 1805ء کو اوڈینس، متحدہ ڈنمارک میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ناول، ڈرامے، سفرنامے اور نظمیں بھی لکھے۔ انھوں نے ساری زندگی ادب کی خدمت کی۔ انھوں نے نہ شادی کی اور گھر بسایا۔ 70 سال کی عمر میں ان کا انتقال 4/اگست 1875 کو ہوا۔ ہینس اینڈرسن نے ڈینش danish زبان میں کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کی کہانیوں کے انگریزی تراجم موجود ہیں۔ ان انگریزی تراجم کے توسط سے ہی اظہر افسر نے اینڈرسن کی کہانیوں کا ترجمہ کیا ہے۔ انگریزی تراجم H. P. Paull نے (1872) میں کئے ہیں جو کہ ویب سائٹ http://hca.gilead.org.il/ پر موجود ہیں۔

اردو میں ان کی کہانیوں کا مجموعہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی نے 1984ء میں شائع کیا۔ اس کے ترجمہ نگار اظہر افسر ہے۔ اس کتاب میں پانچ افسانوں کے تراجم شامل ہیں۔ 1۔ جادو کا ڈبہ، (The Tinder Box) 2۔ بطخ کا بچہ (The Ugly Duckling)، 3۔ اصلی شہزادی (The Princess and the Pea)، 4۔ ننھی اِیڈا کے پھول (Little Ida's Flowers)، 5۔ مہاراجہ کے کپڑے (The Emperor's New Suit)۔

پہلی کہانی ''جادو کا ڈبہ'' (The Tinder Box) ہے۔ اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ یہ داستانوی نوعیت کا افسانہ ہے۔ اس میں جدیدیت کی بجائے رومانیت کا رجحان زیادہ نظر آتا ہے۔ اس افسانہ کا اسلوب سادہ ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک سپاہی صاحب سڑک پر لفٹ رائٹ، لفٹ رائٹ
> کرتے چلے جارہے تھے اور کس شان سے کہ ان کی پیٹھ پر ایک بڑا سا جھولا تھا اور بازو میں
> تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ کئی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے اور اب گھر لوٹ رہے تھے۔

چلتے چلتے ان کی ملاقات کی ایک بوڑھی جادوگرنی سے ہوئی۔ توبہ توبہ جادوگری سے سے پاؤں تک ایسی ڈراونی تھی کہ پوچھو نہیں صرف اسکے نچلے ہونٹ ہی کو دیکھ لو تو وہ بُری طرح لٹک کر اس کے سینے تک آ گیا تھا۔

سپاہی صاحب کو دیکھ کر بوڑھی جادوگرنی بولی۔ واہ۔ واہ۔ واہ، کیا شان ہے، کیا چمکدار تلوار ہے، واہ کیا بڑا جھولا ہے، سچ مچ تم ایک سپاہی ہو، تمہیں تو وہ ساری دولت ملنی چاہیے جس کی تم آرزو کرتے ہوئے۔''1

ایک داستان کی طرح شروع ہونے والی اس کہانی میں جادوگرنی ایک فوجی کو اس کام کے لئے آمادہ کرتی ہے جو وہ خود نہیں کر سکتی۔ وہ چاہتی ہے کہ جادو کا پٹارہ اسے وہ آدمی لا کر دے۔ وہ اس کے بدلے اسے بہت ساری دولت اور ثروت دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔

There came a soldier marching down the high road-one, two! one, two! He had his knapsack on his back and his sword at his side as he came home from the wars. On the road he met a witch, an ugly old witch, a witch whose lower lip dangled right down on her chest.

"Good evening, soldier," she said. "What a fine sword you've got there, and what a big knapsack. Aren't you every inch a soldier! And now you shall have money, as much as you please."2

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس میں بعض الفاظ کے معنی اردو کی مناسبت سے کئے گئے ہیں۔ Ugly کا ترجمہ ڈراوَنی کیا گیا ہے۔ الف لیلہ کی داستان کی کہانی کی طرح یہاں پر بھی مافوق الفطرت باتیں نظر آتی ہیں۔ جو پڑھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ جادوگرنی سپاہی کو ایسی باتیں بتاتی ہیں جن سے واقف نہ تھا۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''پھر بوڑھی جادوگرنی نے سڑک کے کنارے ایک بہت بڑے پیڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی ''تم اس درخت کو دیکھ رہے ہو یہ اصل میں کھوکھلا ہے اگر تم اس درخت

1 اینڈرسن کی کہانیاں، اظہر افسر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1984ء۔ ص 14

Hans Christian Andersen, The Tinder Box, http://www.andersen.sdu.dk

کے اوپر چڑھ جاؤ تو اوپر تمہیں ایک بہت بڑا سوراخ ملے گا، اتنا بڑا سوراخ کہ تم اس میں گھس سکتے ہو، اگر تم اس سوراخ میں رینگ کر درخت کی تہہ تک پہنچ جاؤ۔ نہ نہ۔ تم فکر مت کرو میں تمہاری کمر سے ایک رسی باندھ دوں گی تا کہ جب تم مجھے پکارو تو میں تمہیں فوراً اوپر کھینچ لوں۔

مگر میں درخت کی تہہ تک پہنچ کر کیا کروں گا سپاہی نے پوچھا۔

کیوں تم وہاں سے بہت ساری دولت اٹھالاؤ گے، جیسے ہی تم درخت کی تہہ میں پہنچو گے، وہ بولی ''تمہیں وہاں ایک بہت بڑا ہال ملے گا۔ خوب روشن اس ہال میں ایک دو نہیں تین سو چراغ جل رہے ہیں۔ یہاں تمہیں دو دروازے نظر آئیں گے۔ فکر مت کرو۔ ان دروازوں کو تم بہت آسانی سے کھول سکتے ہو، ان دروازوں پر قفل ہیں مگر وہیں کنجیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ پہلا دروازہ کھولو گے تو ایک کمرے میں پہنچ جاؤ گے۔ اس کمرے کے بیچوں بیچ ایک صندوق ہوگا جس پر ایک کُتا بیٹھا ہوگا۔ اس کتے کی آنکھیں اتنی بڑی بڑی ہیں جیسے چائے کی پالیاں، تم ڈرنا نہیں تمہین اپنا فرغل (چغہ) دوں گی تم اس فرغل کو فرش پر بچھا دینا پھر لپک کر کتے کو پکڑ لینا اور اس فرغل میں لپیٹ لینا۔ کتا کچھ نہیں کرے گا۔ پھر صندوق کھول کر جتنے سکے چاہو نکال لانا، اس صندوق میں صرف تانبے کے سکے ہوں گے۔ اگر تم چاندی کے سکے چاہتے ہو تو تمہیں دوسرے کمرے میں جانا ہوگا۔''[1]

اس کہانی میں جادوگرنی ایک ایسے ڈبہ کا ذکر کرتی ہے جو اسے بہت عزیز ہے۔ سپاہی وہ ڈبہ لے کر آتا ہے لیکن اس کے بارے جادوگرنی سے پوچھتا ہے لیکن وہ نہیں بتاتی ہے اور اسے قتل کرنے کی دھمکی دیتی ہے لیکن سپاہی جلدی سے اسے قتل کر دیتا ہے۔ ایک دن جب اسے اس ڈبے کا خیال آتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے۔ اسے کھولنے کے دوران اس کی رگڑ سے ایک کتا سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ ''کیا حکم ہے میرے آقا''۔ تم سپاہی سمجھ جاتا ہے کہ یہ جادو کے ڈبہ سے کچھ بھی منگوا سکتے ہیں۔ وہ سونے سے بھرے تھیلے منگواتا ہے۔ اس ملک کی شہزادی کو بھی کتے کی مدد سے بلواتا ہے۔ بادشاہ کے سپاہی اسے گرفتار کر لیتے ہیں۔ اسے پھانسی کی سزا تجویز کی جاتی ہے۔ پھانسی سے قبل وہ بڑی چالاکی سے بچ جاتا ہے۔ ایک اقتباس ملاظہ کیجیے:

---

1. اینڈرسن کی کہانیاں، اظہر افسر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1984ء، ص 15

''سپاہی کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا گیا۔ جلاد سپاہی کی گردن کے چاروں طرف رسی باندھنے لگے۔ سپاہی بولا۔ پھانسی دینے سے پہلے ہر قیدی کی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔

بادشاہ کے درباریوں نے پوچھا تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟''

سپاہی بولا ''میں حضور صرف ایک پائپ میں تمباکو ڈال کر پینا چاہتا ہوں۔ بس میرا یہ آخری کش ہوگا''۔

بادشاہ سپاہی کی اس آخری خواہش سے انکار نہیں کر سکا۔ سپاہی نے اپنا چقماق کا ڈبہ نکالا۔ ایک بار اسے رگڑا، دوسری بار رگڑا۔ تیسری بار رگڑا۔

اچانک تین خوفناک کتے سامنے آ کھڑے ہوئے پہلے کتے کی آنکھیں چائے کی پیالیوں کی طرح بڑی تھیں دوسرے کتے کی آنکھیں گرنی کے پنکھوں کی طرح بڑی بڑی تھیں اور تیسرے کتے کی آنکھیں برجیوں جتنی بڑی بڑی تھیں۔

سپاہی نے ان کتوں سے کہا۔ میری مدد کرو، میری مدد کرو، مجھے پھانسی دی جارہی ہے۔ مجھے پھانسی سے بچاؤ۔ اتنا سنتے ہی کتے دربار کے منصفوں اور درباریوں پر جھپٹ پڑے۔ ان لوگوں کو بھنبوڑ بھنبوڑ کر ہوا میں اتنی اوپر اچھال دیا کہ یہ سب نیچے گرے تو پاش پاش ہو گئے۔''[1]

آخر میں سپاہی بادشاہ بن جاتا ہے اور شہزادی اس کی ملکہ بن جاتی ہے۔

یہ کہانی داستانوی نوعیت کی ہے۔ اس طرح کی کہانیوں کے اردو میں ترجمہ تفریح طبع کے لیے کئے جاتے تھے۔ اس کتاب کی دیگر کہانیاں بھی داستانوی نوعیت کی اور مافوق الفطرت عناصر سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ جیسے ''بطخ کا بچہ'' افسانہ میں بطخ کا بوڑھی عورت سے بات چیت کرنا وغیرہ۔ یہ کتاب 63 صفحات کی ہے۔

اظہر افسر نے ترجمہ کرتے وقت ہندوستانی قارئین کو پیش نظر رکھا ہے۔ انھوں نے انگریزی کا لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے

1۔ اینڈرسن کی کہانیاں، اظہر افسر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1984ء۔ ص 25

بلکہ انھوں نے انگریزی کہانی کو پڑھ کر اسے اردو میں ڈھالا ہے۔اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔مثال کے طور پر حسب ذیل انگریزی اقتباس کا مشاہدہ کیجئے:

> MANY, many years ago lived an emperor, who thought so much of new clothes that he spent all his money in order to obtain them; his only ambition was to be always well dressed. He did not care for his soldiers, and the theatre did not amuse him; the only thing, in fact, he thought anything of was to drive out and show a new suit of clothes. He had a coat for every hour of the day; and as one would say of a king "He is in his cabinet," so one could say of him, "The emperor is in his dressing-room."1ے

مذکورہ بالا اقتباس کا آغاز روایتی انگریزی اسٹوریز کے آغاز کی طرح ہوتا ہے۔لیکن اظہر افسر نے اسے کچھ تبدیل کیا ہے جسے اس کی روح مجروح نہیں ہوتی لیکن ایک ہندوستانی تہذیبی کہانی پَن نظر آتا ہے۔اس کا ترجمہ انھوں نے اس طرح کیا ہے:

> ''بچو۔تمھیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ برسوں پہلے ایک ایسا مہاراجہ بھی تھا جو اپنی ساری دولت اچھے اچھے کپڑے پہننے پر خرچ کرتا تھا نہ اسے اپنے سپاہیوں کی فکر تھی نہ وہ خود کبھی تفریح کے لئے کسی تھیٹر کو جاتا تھا۔نہ شاہی سواروں میں بیٹھ کر کبھی باہر نکلتا تھا۔کبھی کبھی باہر نکلتا بھی تو بس اپنے نئے کپڑے دکھانے کے لئے۔
>
> دن میں ہر گھنٹہ بعد وہ اپنے کپڑے بدلتا تھا۔جس طرح پرانے راجاؤں کے بارے میں کہا تا ہے کہ راجہ سارا وقت دربار میں صَرف کرتے تھے۔اس مہاراجہ کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مہاراجہ دن رات اپنے سنگھار کے کمرے میں رہتا تھا۔'' 2ے

اظہر افسر نے اینڈرسن کے مذکورہ بالا انگریزی ترجمے کا جو ترجمہ کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے اس کہانی کو کہانی کی طرح پیش کیا ہے۔انھوں نے اس کے ترجمہ کو اردو قارئین کے لئے بوجھل نہیں ہونے دیا ہے۔انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ قارئین کو ایسا نہ لگے کہ وہ ایک مشکل کہانی کو سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں بلکہ انھیں ایسا لگے کہ یہ کہانی تو ہندوستانی کہانی کی طرح ہی ہے۔انھوں نے Dressing room کا ترجمہ سنگھار کا کمرہ کیا ہے جب کہ Theatre کا ترجمہ

1 ے The Emperor's New Suit,by Hans Christian Andersen,http://hca.gilead.org.il/

2ے اینڈرسن کی کہانیاں، اظہر افسر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1984ء۔ص55

انھوں نے تھیٹر ہی کیا ہے۔ Coat کا ترجمہ انھوں نے لباس ہی کیا ہے جب کہ اسے کوٹ بھی لکھا جا سکتا تھا۔ انھوں نے قارئین کی سہولت کو ترجیح دی اور جہاں انگریزی الفاظ مناسب معلوم ہوئے انھوں نے اس کا استعمال کیا۔ دیگر کہانیوں میں بھی انھوں نے کہانی پن کو شامل رہنے دیا۔ ان کہانیوں میں جو سیکھ کا پہلو ہے اسے نمایاں کیا ہے۔ یہ کہانیاں 18 ویں صدی میں لکھی گئی اور ترجمہ ہوئی ہیں۔ ان کہانیوں میں روایتی کہانی پن اور شہزادوں اور مہاراجاؤں کے تذکرے شامل ہیں۔ اظہر افسر نے ان کہانیوں کے ذریعہ سے اردو میں انگریزی زبان کی عمدہ کہانیوں کو پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

☆☆☆

موپاساں کے منتخب افسانے

Guy de Maupassant

’موپاساں کے منتخب افسانے‘ کے مصنف گے دموپاساں فرانسیسی ناول نگار، افسانہ نگار اور شاعر ہیں۔ حقیقت پسندی اور فطرت نگاری ان کے اسلوب کی خصوصیات ہیں۔ وہ 5/اگست 1850 کو پیدا ہوئے اور 6 جولائی 1893ء کو پیرس میں انتقال ہوا۔

گے دموپاساں (Henri René Albert Guy de Maupassant) کے افسانوں نے اردو ادب میں حقیقت پسندی کے رجحان میں اضافہ کیا۔ موپاساں کے اسلوب کو بعد میں اردو میں بھی شامل کیا گیا۔ اس کتاب کا ترجمہ چندر بھوسنگھ نے کیا۔ اگرچہ یہ کتاب 1943ء میں شائع ہوئی ہے لیکن اس کتاب کے اثرات اردو پر دوررس ثابت ہوئے۔ ’’اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ‘‘ میں اسے شامل کرنے کا مقصد ایک اہم فرانسیسی مصنف کا تعارف اور اردو پر پڑنے والے اس کے اثرات کو اس مقالہ میں شامل کرنا ہے۔ آزادی کے بعد بھی اس مصنف کے افسانوں کے اثرات کی جھلک اردو میں نظر آتی رہی ہے۔

موپاساں کا افسانہ ’’جہیز‘‘ حقیقت پسندی کی ایک بہترین مثال ہے۔ انیسویں صدی میں انھوں نے اس طرح کا افسانہ لکھ کر لوگوں کو جھنجھوڑ دیا۔ فرانسیسی ادیب کے اس افسانے کا انگریزی ورژن سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ انگریزی ورژن کی مثال دیکھیے:

> The marriage of Maitre Simon Lebrument with Mademoiselle Jeanne Cordier was a surprise to no one. Maitre Lebrument had bought out the practice of Maitre Papillon; naturally, he had to have money to pay for it; and Mademoiselle Jeanne Cordier had three hundred thousand francs clear in currency, and in bonds payable to bearer.
>
> Maitre Lebrument was a handsome man. He was stylish, although in a provincial way; but, nevertheless, he was stylish--a rare thing at Boutigny-le-Rebours.
>
> Mademoiselle Cordier was graceful and fresh-looking, although a trifle awkward; nevertheless, she was a handsome girl, and

one to be desired.

The marriage ceremony turned all Boutigny topsy-turvy. Everybody admired the young couple, who quickly returned home to domestic felicity, having decided simply to take a short trip to Paris, after a few days of retirement.

This tete-a-tete was delightful, Maitre Lebrument having shown just the proper amount of delicacy. He had taken as his motto: "Everything comes to him who waits." He knew how to be at the same time patient and energetic. His success was rapid and complete. 1ے

مذکورہ بالا اقتباس انگریزی ویب سائٹ سے لیا گیا ہے۔اس انگریزی متن کو یہاں پیش کرنے کا مقصد انگریزی میں موپاساں کے ترجمہ کی جھلک کو بھی پیش کیا جاسکے۔اس کا ترجمہ چندر بھوشن سنگھ نے بھی کیا ہے اس متن کو یہاں پر درج کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے:

سائمن لیبرومنٹ اور جینی کارڈیر کا بیاہ کوئی ایسا کام نہ تھا جس کو سن کر کسی کو حیرت ہو۔ لیبرومنٹ نے مسٹر پیپلاں کی مقروض جائیداد خریدی تھی اس لیے قرض ادا کرنے کے لیے قدرتی طور پر اسے روپیہ کی ضرورت تھی اور جینی کارڈیر کے پاس تین لاکھ فرانک نقد تھے۔

لیبرومنٹ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ وہ بہت ہی وضعدار تھا اور اپنے صوبہ کی چال ڈھال کو پوری طرح نبھانے والا تھا۔اپنی اس وضعداری کے باعث وہ باٹنی لے ریپرس میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

جینی ہمیشہ خوش رہنے والی ایک بہت ہی خوبصورت خاتون تھی۔اگرچہ چہرے کی بناوٹ میں وہ زیادہ اچھی نہ تھی تاہم اس کا شمار اعلیٰ درجہ کی خوبصورت عورتوں میں تھا اور ایک نظر دیکھنے کے بعد بڑی آسانی کے ساتھ کوئی اس پر فدا ہو سکتا تھا۔

ان دونوں کا بیاہ اس عجیب وغریب طریقہ پر ہوا کہ باٹنی کا سارا علاقہ سن کر دنگ رہ گیا۔ بیاہ کے بعد صرف چار دن تک پیرس کی سیر کرکے یہ نوجوان جوڑا گھر لوٹ آیا اور زندگی کا لطف اٹھانے لگا۔ان کے اس سادہ چال ڈھال کی سارے گاؤں والوں نے تعریف کی۔

1ے (http://www.classicshorts.com/stories/TheDowry.html)

یہ چرچا سن کر انھیں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ لیبرومنٹ نے اپنی عادت ہی ایسی بنا رہی تھی۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ کس طرح صبر اور عقلمندی سے کام لینے پر انسان کو جلد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔''1

مذکورہ بالا اقتباس ذرا طویل ہو گیا ہے لیکن اس میں جو بات بتائی جا رہی ہے اسے پورا لکھنا میرا مقصد ہے۔ اس میں انھوں نے بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ انگریزی محاورہ Everything comes to him who waits. کا ترجمہ انھوں نے ''صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے'' کیا ہے۔

لیبرومنٹ اور جینی کی محبت کی کہانی میں زیادہ لمبی نہیں ہوتی ہے۔ لیبرومنٹ جہیز کی رقم لے کر بیوی کے ساتھ گھومنے جاتا ہے اور تب ہی اس کی بیوی یعنی جینی کو ایک زبردست دھکا لگتا ہے۔ اس کا شوہر اسے بس میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ جہیز کے پیسے لے کر بھاگنے کے تصور سے وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ اسے اجنبی شہر میں ایک رشتہ دار مل جاتا ہے۔ یہاں کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ ایک مجبور اور بے بس لڑکی کی نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

''ہم کہاں ہیں؟'' تب اس نے پوچھا۔

اس نے ترش رو ہو کر جواب دیا ''ہم واجی رارڈ پہنچ چکے ہیں۔ میں تقریباً آدھ گھنٹے سے یہی تو چلا چلا کر کہہ رہا ہوں''۔

''کیا یہ بولے وارڈ سے بہت دور ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کون سا بولے وارڈ؟''

''بولے وارڈ اطالوی لوگوں کی بستی''۔

''وہ تو بہت پہلے ہی نکل گیا!''

''کیا آپ میرے خاوند کو اطلاع دینے کی تکلیف کر سکتے ہیں!''

''آپ کے خاوند! کہاں ہیں وہ؟''

''گاڑی کی چھت پر''

---

1 موپاساں کے منتخب افسانے، ترجمہ، چندر بھوشن سنگھ، اندین پریس لمیٹڈ، الہ آباد، ۱۹۴۳ء، ص 49-48

''چھت پر! وہاں تو بڑی دیر سے کوئی بھی نہیں ہے۔''

وہ کانپ اٹھی۔ ''کیا کہا؟ ناممکن! وہ میرے ساتھ ہی گاڑی پر چڑھے تھے۔ ذرا اچھی طرح دیکھ تو لیجئے۔ وہ ضرور وہیں ہوں گے''۔

کنڈکٹر لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

''لو دیکھو۔ بہت باتیں بنا چکیں! اس نے تیز ہو کر کہا ''تم ہی کھو جو۔ تم کو ایک کے بدلے ویسے دس مل جائیں گے''۔

جینی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ پھر بولی ''مسٹر آپ بھول رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ ضرور ہی چھت پر ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک بڑا سا بنڈل تھا''۔

کنڈکٹر ہنسنے لگا ''اوہ کاغذوں کے بنڈل والا! ٹھیک۔ یاد آیا۔ وہ تو بہت پہلے ہی مڈلین پر ہی اتر گیا۔'' ٹھیک۔ اس نے تمہیں خاصا چکمہ دیا۔ خہ۔ خہ۔ خہ۔ خا''۔

وہ گاڑی سے اتری اور خود اوپر جا کر چھت کو دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

تب وہ یکا یک پھوٹ پھوٹ کر رونے چلانے لگی۔ ''ہائے اب میرا کیا ہوگا؟''[1]

انسان اکثر دھوکہ کھاتا رہتا ہے۔ لوگ چہروں پر مکھوٹے پہن کر دھوکہ دیتے ہیں۔ خود اچھا ظاہر کرتے ہیں اور دھوکہ باز نکلتے ہیں۔ ایسے ہی ایک دھوکہ باز کی کہانی ہے 'جہیز'۔ اس طرح کی کہانیاں اردو میں بھی نظر آتی ہیں۔ فرانسیسی مصنف موپاساں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے اسے بہت پسند کیا گیا۔

جدید اور انتہائی اہم موضوعات پر موپاساں نے لکھا ہے۔ اس طرح کی موضوعات کا بعد میں چلن ہو گیا لیکن موپاساں نے بہت پہلے اس طرف توجہ دیتے ہوئے افسانے لکھے تھے۔ اس کتاب کے تمام افسانے حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہیں۔ اس کے مشمولات اس طرح ہیں:

1۔ بوڑھا جوڈاز۔ 2۔ بدنصیب روٹی۔ 3۔ اس نے ناموری کیسے حاصل کی۔ 4۔ جوڈیا کا نمائندہ۔ 5۔ جہیز۔ 6۔

1 موپاساں کے منتخب افسانے، ترجمہ، چندر بھوشن سنگھ، انڈین پریس لمٹیڈ، الہ آباد، ۱۹۴۳ء، ص 54-53

قربانی کی قیمت۔7۔ہار۔8۔بزدل۔9۔وہ فوجی۔10۔رسی کا ٹکڑا۔11۔دوماہی گیر۔

اردو میں افسانوی تراجم میں فرانسیسی ادب نہایت اہم ہے۔ جدید اردو افسانوں میں فرانسیسی افسانہ نگاروں کے اسلوب کی جھلک نظر آتی ہے۔فرانسیسی ادب کے اردو ادب پر کافی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔انیسویں صدی کے مشہور افسانہ نگار موپاساں کے افسانوں سے حقیقت پسندی اور منظری نے اردو ادب اور خاص طور پر اردو کے افسانوں میں نئی روح پھونک دی۔ فرانسیسی ادب اور اردو ادب کا جب بھی ذکر آئے گا موپاساں کے افسانوں کا ذکر بھی ضرور کیا جائے جس نے اردو ادب کو نئی دنیا سے روشناس کرایا۔

انگریزی تہذیبی عناصر کو اردو میں ڈھالا گیا حسب ذیل انگریزی اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> The girl was one of those pretty and charming young creatures who sometimes are born, as if by a slip of fate, into a family of clerks. She had no dowry, no expectations, no way of being known, understood, loved, married by any rich and distinguished man; so she let herself be married to a little clerk of the Ministry of Public Instruction. 1ے

مذکورہ بالا اقتباس میں by slip fate کا ترجمہ تقدیر کی غلطی یا تقدیر کا کھسکنا لفظی ترجمہ ہوسکتا تھا لیکن اردو قارئین کے لئے یہ نہایت عجیب معلومات ہوتا ہے۔اس کا موزوں ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

> ''وہاں خوبصورت لڑکیوں میں سے ایک تھی جو اپنے اگلے جنم کے کسی پاپ کی وجہ سے مزدور طبقہ میں جنم لیتی ہیں۔اس کے پاس عیش و آرام اور آرائش کا کوئی سامان نہ تھا اور نہ ان کے حاصل ہونے کا ہی کوئی ذریعہ تھا۔اس کی ان خواہشات کی تکمیل کا صرف ایک ہی راستہ نظر آتا تھا یعنی کسی مالدار شخص سے شادی کرنے کی ہوس۔لیکن بدقسمتی سے کسی بھی مالدار شخص سے اس کی جان پہچان نہ تھی۔اس لئے اس نے وزیر تعلیم کے دفتر کے ایک لکرک سے شادی کر کے اپنی دیہات یزندگی سے پیچھا چھڑایا''۔2ے

مذکورہ اردو اقتباس میں ''اگلے جنم'' مترجم کے ذہن کی اختراع ہے۔اس کا اصل متن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔انھوں

1ے The Necles THE ENTIRE ORIGINAL MAUPASSANT SHORT STORIES ,by Guy de Maupassant ,Translated by ALBERT M. C. McMASTER, A. E. HENDERSON, MME. QUESADA and Others,eBook or online at www.gutenberg.net.Release date October 2004

2ے موپاساں کے منتخب افسانے،ترجمہ،چندر بھوشن سنگھ،اندین پریس لمٹیڈ،الہ آباد،1943ء،۔صفحہ 67

نے اردو ماحول اور رواج کے مطابق اس کا ترجمہ کیا ہے۔انگریزی متن کو ہندوستانی مزاج کے ساتھ مطابقت کرنے کا مقصد قارئین کی سہولت ہے۔اس طرح کہانی محسوس ہو جیسے وہ اسے اپنے ماحول میں دیکھ رہے ہوں۔

موپاساں نے اپنی کہانیوں میں جو میسیج دینا چاہا اسے اردو میں اچھی طرح برتا گیا ہے۔بعض جگہ الفاظ کے لفظی معنے لیے گئے ہیں اور بعض جگہ مرادی معنے ۔ان کہانیوں میں ترجمہ کی کیفیت نظر آتی ہے۔ فرانسیسی مزاج کی کہانیوں کو اردو اور ہندوستان مزاج کے مطابق ڈھالا گیا جو کہ ایک اچھی بات ہے۔

☆☆☆

چین کی بہترین کہانیاں

ظ۔انصاری

مکتبہ شاہراہ۔دہلی سے شائع ہوئی۔پہلی مرتبہ اشاعت ستمبر 1953ء میں عمل میں آئی۔اس میں کل 6 افسانے شامل ہیں۔کتاب کے صفحات 187 ہیں۔اس مجموعہ کا مقدمہ بہ عنوان ''چینی ادب کی نئی منزل'' ظ۔انصاری نے لکھا ہے جو 16 صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں انھوں نے چینی افسانوں کے آغاز وارتقاء اور اس پر مختلف تحریکوں کے اثرات کا بخوبی جائزہ لیا ہے۔بیسویں صدی کے آغاز سے ہی چین میں تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوگئیں تھی۔طالب علموں اور ادیبوں پر ہونے والے تشدد اور مختلف ادبی انجمنوں کے بارے میں تفصیلی لکھا ہے۔

اس مجموعے شامل افسانے کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے:

> ''تمام کہانیاں مختلف مجموعوں سے لی گئی ہیں۔پہلی کہانی قدیم چینی افسانے کی ٹکنیک کو پیش کرتی ہے اور اسی کے ساتھ قدیم چینی سماج اور اس کی اخلاقیات کو بھی۔دوسری تیسری کہانی عبوری دَور کے دو سماجوں کو پیش کرتی ہیں۔''لمپ'' میں شنگھائی کا شہری علاقہ ہے جس میں نظام سرمایہ داری اور نظام جاگیرداری کے اجڑے ہوئے رشتے نظر آتے ہیں اور ''لڑکی کا سینہ'' جاگیرداری مظالم کے مقابلے میں دیہات کی کراہ اور عورت میں بغاوت کی امنگ کو خوبصورتی اور دردمندی کے ساتھ سامنے لاتا ہے۔
>
> چوتھی کہانی اپنے زمانے کے اعتبار سے دوسرے دَور کی ابتداء اور پہلے دَور کے خاتمہ ک ااعلان کرتی ہے۔یہ ڈائری کسی پاگل کی نہیں بلکہ اس ذی علم نوجوان کی ہے جسے بوسیدہ نظام جاگیرداری کے جبر وقہر نے بوکھلا دیا ہے۔وہ پاگلوں کی طرح زنجیر توڑنے کا جذبہ رکھتا ہے لیکن توڑ سکنے کی قوت نہیں پاتا اور نہ اس کا پورا شعور رکھتا ہے۔
>
> یہ قوت اور یہ شعور پانچویں کہانی کے ہیرو میں ہے جو دیہات کے عام گھرانوں میں پلا

ہے اور جسے جاگیرداری اور سامراج کے خلاف منظّم، باقاعدہ اور مسلسل جدوجہد نے تجربہ عطا کیا ہے ار آگے بڑھایا ہے۔ اس طرح آخری کہانی چین کے جدید ترین سماج کے تانے بانے ہمیں دکھاتی ہے۔

یوں پانچ کہانیوں میں یہ مجموعہ چین کے اچھے افسانوی ادیب کی نمائندگی کچھ نہ کچھ کردیتا ہے۔ یہ تمام کہانیاں چین کی بہترین کہانیاں کہی جاسکتی ہیں یا نہیں...... یہ میں نہیں بتا سکتا لیکن بہترین کہانیوں کے ایک اچھے ذخیرے میں انھیں ضرور شمار کیا جاسکتا ہے۔

(چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔انصاری، مکتبہ شاہراہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ص 22-21)

مذکورہ بالا اقتباس میں چینی کہانیوں کی بنیادی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کہانیاں چین کی تہذیب، ماحول اور روایتوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان چھ کہانیوں سے پہلے کہانیوں کے مصنفین کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

پہلا افسانہ ''راجکماری کنول'' (.THE PRINCESS LILY) پھوسنگ لنگ (Pu Songling) کا ہے۔ مترجم نے اصل افسانے کے عنوان کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ یہ The Princess Lily کا ترجمہ ہے۔ پھوسنگ لنگ 1622ء میں شن تانگ کے مقام چاؤ میں پیدا ہوا تھا۔ مصنف کے بارے میں ظ۔انصاری نے لکھا ہے:

''پھوسنگ لنگ کی کہانیوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خاص طور سے اس کے طنزیہ اندازِ تحریر نے بعد کے ادیبوں کو متاثر کیا۔ ان کہانیوں کو 17 ویں صدی کے ادبِ عالیہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مصنف کو قدیم دور کا آخری ''زندۂ جاوید'' مصنف قرار دیا گیا ہے۔ تمام دنیا کی مختصر کہانیوں کے دو اہم مجموعوں میں قدیم چین کے ادب کی نمائندگی اسی کی کہانیوں سے کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ مصنف کی کہانیوں میں قدیم جاگیرداری عہد کے چین کی سیدھی، سچی اور مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ زیرِ نظر کہانی میں جو ایک خوب صورت سماجی طنز ہے اس کا پس منظر بھی وہی سماج ہے جو چین میں 24 کے بعد سے دم توڑنے لگا اور ہندوستان میں ابھی تک سانس لئے جارہا ہے''۔ 1

---

1 چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ص۔24

ظ انصاری نے اس کتاب کے آغاز میں ایک طویل پیش لفظ لکھا ہے جس میں انھوں نے چینی ادب کی مختصر تاریخ بھی لکھی ہے۔انھوں نے چینی افسانہ نگاری کو 21 ویں صدی کی دین قرار دیا۔انھوں نے لکھا ہے:

’’اگر چہ ادب کو جنتری سے ناپنا غلط ہے۔لیکن محض اندازے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ چین میں مختصر کہانیوں کی عمر بہت مختصر ہے۔بیسویں صدی کے ساتھ ساتھ انھوں نے جنم لیا ہے اور بدیشی زبانوں، خاص طور پر جاپانی اور انگریزی کے ترجموں نے ان کے وجود کے لئے زندگی تیار کی۔‘‘1

1 صفحہ 9

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ چین میں بیسویں صدی میں انگریزی اور جاپانی سے تراجم کئے جانے لگے اور اسی دوران وہاں پر افسانے تخلیق بھی ہونے لگے۔

پہلی کہانی ’راجکماری کنول‘(THE PRINCESS LILY.)قدیم کہانی کی ٹکنک کو اجاگر کرتی ہے۔اس میں چینی سماج اور اس کے اخلاق بھی نظر آتے ہیں۔ اس کہانی میں بادشاہ،شہزادے اور راجکماری وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔

کہانی کا آغاز بھی روایتی طرز کی کہانیوں کی طرح ہی ہے۔چین کی عظیم کہانیوں کی دو جلدوں میں کتاب دستیاب ہے جس کا نام اس طرح ہے:

STRANGE STORIES,FROM A,CHINESE STUDIO.,By Pu Sung ling,TRANSLATED AND ANNOTATED,BY,HERBERT A. GILES, vol.1 and vol.2

اس انگریزی ورژن کی دوسری جلد میں راجکماری کمل THE PRINCESS LILY موجود ہے۔ جس میں روایتی حسن نظر آتا ہے۔ملاحظہ کیجئے:

> At Chiao-chou there lived a man named Tou Hsün, otherwise known a Hsiao-hui. One day he had just dropped off to sleep when he beheld a man in serge clothes standing by the bedside, and apparently anxious to communicate something to him. Tou inquired his errand; to which the man replied that he was the bearer of an invitation from his master.

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک روایتی کہانی کی شروعات ہے۔اسی انداز میں

اسے لکھا ہے جیسے داستان شروع ہوتی ہو۔ چین کی عظیم کہانیوں میں اس کو شامل کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس کا اردو ترجمہ ظ انصاری نے اس انداز سے کیا ہے کہ اردو میں اس ایک خوبصورت ترجمہ کا اضافہ ہو گیا۔ ملاحظہ کیجیے:

''کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں چیاؤ چوراج میں ایک شخص تھا۔ بتانے والوں نے اس کا نام تاؤ ژون بتایا ہے۔ ایک روز وہ دن چڑھے سو رہا تھا کہ اچانک اُس نے دیکھا، ایک آدمی اُس کے قریب کھڑا ہے جس نے حریری لباس پہن رکھا ہے۔ اُس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی پیغام پہنچانے آیا ہو۔

تاؤ ژون نے پوچھا کہا کیا کہنا چاہتے ہو؟ تو اُس آدمی نے جواب دیا۔ مجھے میرے آقا نے بھیجا ہے اور میں آپ کے لئے بلاوا لایا ہوں۔''1

1۔ صفحہ 25

lily کے پھول کا ترجمہ کنول کا پھول کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کہانی کو چینی تہذیب سے کسی قدر دور کرتے ہوئے ہندوستانی تہذیب کے قریب کیا گیا ہے۔ ظ انصاری نے اس کہانی میں اردو قارئین کے لئے عمدہ بنا کر پیش کیا ہے۔

دوسرا افسانہ ''ایک لڑکی'' از چانگ تیین پی، ہے۔ 1907ء میں صوبۂ ہونان میں پیدا ہوئے اور پی پنگ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ انھوں نے مافوق الفطرت کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کے بارے میں ظ انصاری نے لکھا ہے:

چانگ تیین پی کو 1930ء میں شہرت حاصل ہوئی۔ کسان اور زمیندار یا ساہوکار کی کشمکش، کسانوں کی تباہ حالی، دیہات میں فوجیوں کی دست درازی، دیہات کی فصلوں، موسموں اور تیوہاروں کے طریقے یہ وہ موضوع ہیں جن پر زیادہ تر چانگ تیین پی نے اپنی کہانیاں اور ناول صرف کئے ہیں''۔[1]

مذکورہ بالا اقتباس میں چانگ تیین پی کے بارے میں لکھا گیا ہے لیکن انھوں نے انگریزی میں نام نہیں لکھا ہے جس سے مصنف کے بارے میں معلومات حاصل ہونے میں کافی مشکلات پیش آئیں۔

کہانی ''ایک لڑکی'' ایک کسان کی لڑکی کی کہانی ہے جس پر زمیندار مظالم ڈھاتا ہے۔ اس کی چال بازی اور کسان کی مظلومیت کا نقشہ اس کھینچا ہے:

---

[1] چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔ انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ ص 37

''پیٹو۔اسے اور پیٹو''

لڑکی نے اپنا سر جھکا دیا اور اب جو اس پر چوٹ پڑنی شروع ہوئی تو سارا بدن ایک اینٹھن اور تشنج کی سی کیفیت کے ساتھ تڑپنے لگا۔ایک دم وہ بے ہوش ہوگئی۔لوگ دوڑے اور اس پر ٹھنڈا پانی چھڑکنے لگے۔

''اب جو ہوش میں آئے تو اسے اور پیٹو'' چانگ غصے سے چلایا۔

اس کے بلاؤز اور پاجامے دونوں پر خون کے دھبے پڑ گئے تھے۔ماں کے ہاتھ کانپنے لگے تھے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

''سوال کا جواب دے۔کیا پھر چوانگ شی جائے گی تو؟''

مگر اس سوال کا کوئی جواب نہ ملا۔

ماں اپنی بیٹی سے التجا کرنے لگی۔آنسوؤں کی قطار اس کی آنکھوں سے رواں تھی۔''رحم کر۔کہہ دے نہیں جاؤں گی۔بس کر۔کہہ دے اب نہیں جاؤں گی......''

بیٹی نے اشک آلود آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور صرف اتنا کہا''ماں۔گھبرا نہیں۔میں۔میں جاؤں گی......''

چانگ کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے اور وہ پتھرائی ہوئی اور پھٹی ہوئی آواز میں زور سے چیخا''اسے اور مارو۔اور پیٹو''[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے زمین داروں کے مظالم کی نشاندہی ہوتی ہے۔زمین داروں کے مظالم پر بہت سارے افسانے لکھے گئے ہیں۔چینی تہذیب کی عکاسی کرتا ہوا یہ شاہکار افسانہ اپنی گہری چھاپ قاری کے دل و دماغ پر چھوڑتا ہے۔اس کہانی میں غریب خاندان پر کافی مظالم ہوتے ہیں۔بالآخر وہ اس گاؤں سے چلے جاتے ہیں اور کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ لوگ کہاں چلے گئے۔

''لیمپ'' شن سنگ وَن کی کہانی ہے۔ہونان میں 1902ء میں پیدا ہوئے۔وہ خاندانی فوجی تھے۔فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ تصنیف و تالیف اور تعلیمی کاموں میں مصروف ہوگئے اور لنیتا یونیورسٹی میں چینی ادب کے پروفیسر بھی رہے۔ان کے کئی افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

---

[1] چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ص۔53،54

لیمپ، افسانہ جدید افسانہ ہے۔ بیانیہ انداز میں لکھا گیا یہ افسانے روز مرہ کے کئی مسائل کی نشاندہی کرتا ہے۔ جیسے افسانے کے شروع میں موسم گرما میں بجلی کے چلے جانے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> ''دوسال ہوئے۔ ان دونوں میں کالج میں پڑھتا تھا۔ جبھی اس مکان میں رہنے لگا تھا۔ اس مکان کے اگلے کمرے کو میں اپنے مطالعے کے لیے اور پچھلے کمرے کو خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔ مئی کا مہینہ تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ بجلی کی روشنی خود بخود گل ہو جاتی تھی۔ کبھی یوں ہوتا کہ شام کا وقت ہے۔ چاولوں کی قاب اور چمچے میز پر تیار رکھے ہیں۔ میں ان لیٹوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہوں جو ہمیشہ مزے دار ہوا کرتی ہیں۔ اور سوچ رہا ہوں کہ باورچی کا احسان مانوں اور تہہ دل سے شکریہ ادا کروں کہ اتنے میں بجلی غائب۔ اور رات کا کھانا ملتوی۔ نہیں معلوم کب تک کے لیے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اطمینان سے رات کا کھنا کھا کر بیٹھے ہیں۔ کتاب پڑھ رہے ہیں۔ یا کوئی ملاقاتی کسی خاص مسئلہ پر بات چیت کرنے پر آیا ہے۔ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک دم بجلی گل ہوگئی۔ 1

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی روایتی کہانی نہیں ہے بلکہ جدید دور کی کہانی ہے۔ بجلی گل ہو جانے کے بعد اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان وقت گذرنے کے بعد اس کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ جب وقت رہتا ہے تو وہ اس کی قدر نہیں کرتے۔

تیسرا افسانہ ''پاگل کی ڈائری'' لہسوں کا لکھا ہوا ہے۔ اس افسانہ کا انگریزی A Madman's Diary ہے اور مصنف کا نام Lu Xun ہے۔ مصنف کے تعارف میں ظ انصاری نے لکھا ہے:

> ''مصنف کا نام نئے چینی ادب میں وہی درجہ رکھتا ہے جو ہمارے یہاں پریم چند کو حاصل ہے اور دلچسپ بات ہے کہ دونوں نے عمر بھی برابر پائی اور سن وفات بھی ایک ہی ہے۔ 1936ء میں دنیا کے تین بڑے افسانہ نگار اور نئے افسانے کے معمار اُٹھ گئے۔ ایک گورکی، دوسرے لہسوں، تیسرے پریم چند۔'' 2

1 چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔ انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء ص۔ 72
2 چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔ انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء ص۔ 102

لہسوں نے غیر ملکی ادب سے تراجم بھی کیے۔ مضامین اور کہانیاں بھی لکھے۔ انھوں نے جاپان سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ 1912ء میں مانچو، خاندان کی حکومت کا تختہ الٹا گیا اور پارلیمنٹ قائم ہوئی تو انھیں وزارت تعلیم میں عہدہ ملا۔

''زیر نظر کہانی ''پاگل کی ڈائری'' 1918ء میں لکھی گئی تھی اور بے حد مقبول ہوئی تھی۔ یہ ایک کڑی ہے جو انقلابی بحران کے زمانے کے ادب اور جدید ترین ادب کے درمیان پل تیار کرتی ہے اور یہی اس کی اہمیت ہے۔''1

انقلابی بحران کے بارے میں اس کہانی میں لکھا گیا ہے۔ ایک پاگل کی ڈائری کے توسط سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ انقلابی بحرانی کوئی آسان نرم نوالہ نہیں ہے۔

I

Tonight the moon is very bright.

I have not seen it for over thirty years, so today when I saw it I felt in unusually high spirits. I begin to realize that during the past thirty-odd years I have been in the dark; but now I must be extremely careful. Otherwise why should that dog at the Chao house have looked at me twice?

I have reason for my fear. 2

مذکورہ بالا اقتباس پاگل کی ڈائری کے پہلے دن کی روداد ہے۔ ڈائری ہاتھ لگنے کے بعد جب قاری تمہیدی صفحات پڑھتا ہے اس کے بعد اسے پاگل کی ڈائری کے مختلف دن نظر آتے ہیں۔ پہلا دن کافی مختصر ہوتا ہے۔ جس میں علامتی انداز میں چاند کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔

ظ انصاری نے مذکورہ بالا انگریزی اقتباس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

(ا)

آج شام چاند بہت روشن ہے۔

تیس برس ہو گئے کہ میں نے اس کو دیکھا ہی نہ تھا۔ آج دیکھا اور بہت فرحت محسوس ہوئی۔ تب مجھے خیال آیا کہ یہ جو تیس برس کا لمبا عرصہ گذرا ہے یہ بالکل خواب کی طرح

1 چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔ انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ ص۔ 105

2 ے Selected Stories of Lu Hsun, By Lu Hsun, [The True Story of Ah Q, and Other Stories (written 1918-1926)] translated by. Yang Hsien-yi and Gladys Yanz.

گزر گیا۔ لیکن مجھے چوکنا رہنا چاہئے .... ورنہ یہ کاؤ کے کتے نے مجھے ایسے کیوں
گھورا؟ کئی بار گھورا ہے۔
اندیشے کی بات ہے ضرور۔1

مذکورہ بالا اقتباس میں انھوں نے dog at the Chao house کا ترجمہ ''کاؤ کا کتا'' کیا ہے۔ انھوں نے چوکنا رہنے کی بات تو درست کی ہے۔ اس میں اشاروں کے ذریعہ سے انقلاب کی طرف بھی اشارہ دیا ہے۔

پاگل کی ڈائری، جیسے نام سے ظاہر ہے، ڈائری کی تکنیک سے لکھی گئی ہے۔ اس میں اشاروں اور کنایوں میں انسانیت کا درس دیا گیا ہے۔ اچھائی اور اچھے کردار کو فروغ دینے کی بات کہی گئی ہے۔ لوگ اوپر اُٹھنے کے لئے انسانوں کو کچل دیتے ہیں۔ اس کی مذمت اس کہانی میں کی گئی ہے۔ اس ڈائری میں تیرہ دنوں کا تذکرہ ہے۔ کہانی کے آخری حصے میں (13) کے تحت صرف دو لائنیں لکھی ہیں جو بہت معنی خیز ہیں:

Perhaps there are still children who have not eaten
men? Save the children. . . .
April 1918 2

آنے والی نسلوں کو انسانیت پر ظلم سے روکنا ہی اس کہانی مقصد ہے۔ یہ ڈائری کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ مترجم نے اس طرح کیا ہے۔

''شاید ابھی ایسے بچے بھی باقی ہوں جنھوں نے انسانی گوشت نہ چکھا ہو ان بچوں
کو محفوظ رکھو!

(اپریل 1918ء) 3

انھوں نے not eaten men? کا ترجمہ ''انسانی گوشت نہ چکھا ہو'' کیا ہے۔ اس میں آدمیوں کو کھانے کی بات اگر کی جاتی تو درست نہ ہوتا۔ انھوں نے اردو قارئین کے لئے کافی عمدہ ترجمہ کیا ہے۔

بچپن میں عام طور بچے معصوم ہوتے ہیں۔ انھیں جس ماحول میں ڈھالا جائے ڈھل جاتے ہیں۔ ان کے دل ودماغ جو بھی نقش ہوتا ہے وہ پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے انھیں اچھائی کی ترغیب دینا چاہئے نا کہ دھوکہ دہی اور لوگوں کا خون

---

1 چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔ انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ ص 107/108
2 Selected Stories of Lu Hsun,By Lu Hsun,[The True Story of Ah Q,and Other Stories (written 1918-1926)] translated by. Yang Hsien-yi and Gladys Yanz.
3 چین کی بہترین کہانیاں، ظ۔ انصاری، مکتبہ شاہرہ دہلی، ستمبر 1954ء۔ ص 126

چوسنے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کی۔اسی بات کی جانب مصنف نے اشارہ کیا ہے۔

افسانہ ''شاؤاراہ خی کی شادی' چاؤشولی کا لکھا ہوا ہے۔1905ء میں پیدا ہوئے۔چین کے جدید افسانہ نگاروں میں ان کا اہم مقام ہے۔زیر نظر کہانی ایک طویل کہانی ہے۔کسی قدر داستانی انداز ہے۔کہانی میں مختلف حصوں کے عنوانات ہیں۔ان عنوانات کے ساتھ کہانی آگے بڑھتی ہے۔اس کہانی میں بھی انقلاب کا درس ملتا ہے۔

مختصر یہ کہ ''چین کی بہترین کہانیاں'' ظ انصاری کا بہترین کارنامہ ہے۔یہ کتاب بہت زیادہ ضخیم نہیں ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے بیسویں صدی کے چین کے افسانوں میں کیا پیش کیا گیا تھا اور کس رجحان کو تقویت ملی تھی یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔اردو میں افسانوی تراجم میں چینی زبان سے اردو میں تراجم میں یہ کتاب بہت اہمیت رکھتی ہے اس لیے اس کے بارے میں بھی اس مقالہ میں مختصر جائزہ لینا ضروری تھا۔

☆☆☆

چینی لوک کہانیاں

ترجمہ شفیع عقیل

چینی ادب ہمیشہ سے دنیا بھر کے ادیبوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔لوک کہانیاں افسانوی ادب میں اپنی علیحدہ شناخت رکھتی ہیں۔''چینی لوک کہانیاں'' عنوان سے چینی کہانیوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔اس کی ترتیب ترجمہ شفیع عقیل نے کیا ہے۔اسے انجمن ترقی اردو پاکستان نے شائع کیا۔اس میں دس افسانوں کے ترجمے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1975ء میں شائع ہوئی۔

مصنف کتاب کے ماخذ کے بارے میں انھوں نے لکھا

> ''اب میں یہ بھی بتادوں کہ ان کہانیوں کے حصول کے لیے میرا ذریعہ کیا ہے......؟ پہلی بات تو یہی ہے کہ میں چینی زبان نہیں جانتا۔ میں ے انگریزی کے توسط سے انھیں اردو کا روپ دیا ہے۔ان میں سے چار کہانیاں، بہادر شیگار، وفادار بیوی، جھیل کا پانی اور دو بھائی Flok tales from china کی پہلی جلد سے لی گئی ہیں۔ یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے۔......اسی سلسلے کی چوتھی جلد میں سے چار کہانیاں سورج کی تلاش، سوتیلی ماں سوتیلی بہن، سرخ اور سبز پھول اور سرخ چشمہ اسی سلسلے کی چوتھی جلد میں سے لی گئی ہیں۔......''سدا بہار درخت'' ایک مختصر سی تصویری کتاب As evergreen as thefir سے لی گئی ہے۔ دسویں کہانی ''شہزادی کا رومال'' لندن سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ the treature سے لی گئی ہے۔ ''1

پہلی کہانی ''سرخ چشمہ'' (The Red Spring) ہے۔داستانوی نوعیت کی کہانی ہے۔اس کہانی میں چین کا زماں ومکاں نظر آتا ہے۔اس وقت کے ساس بہو کی نوک جھونک، سوتیلی ماں کے مظالم سے تنگ آ کر بیٹے اور بہو کا گھر سے فرار ہونا اور پھر مختلف واقعات کا رونما ہونا۔جنگلوں سے گذرتے ہوئے ان کا کسی بڑھیا کے گھر میں رہنا۔عجیب وغریب واقعات کے بعد آخر میں کہانی کے ہیرو اور ہیروئن مل جاتے ہیں۔

---

1 چینی لوک کہانیاں، شفیع عقیل، انجمن ترقی اردو پاکستان، صفحہ 15

240 صفحات کی اس کتاب میں کل 10 افسانے ہیں۔سبھی افسانوں میں زندگی کی جدو جہد نظر آتی ہے۔ داستانوی فضاء اور حقیقی زندگی کے تال میل کو بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ رشتوں اور مصلحتوں سے بھر پور کہانیاں بھی شامل ہیں۔ ''وفادار بیوی'' (Seeking her husband at Great Wall) کا ترجمہ ہے۔اس کہانی میں ایک بیوی اپنے شوہر کو تلاش کرتی ہے جسے بادشاہ کے آدمی زبردست دیوارِ چین بنانے لے جاتے ہیں۔ جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شوہر کی موت ہو چکی ہے تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ بادشاہ کہتا ہے کہ وہ اس سے شادی کر لے، بدلے وہ اس کی ہر بات ماننے تیار ہو جاتا ہے موقع کو غنیمت جان کر تین شرطیں رکھتے ہوئے وہ اپنے شوہر کی تمام آخری رسومات ادا کرواتی ہے اور پھر سمندر میں کود کو اپنی جان دے دیتی ہے۔

ترجمہ کرتے وقت مختلف باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔اصل کہانی کو مجروح کئے بغیر الفاظ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اس تمام کتاب کے افسانوں کا تجزیہ کرنے کی بجائے یہاں پر صرف شروع کے چند سطور کا انگریزی متن جو A Han Folktale نے لکھا ہے اور اس کا اردو ترجمہ جو شفیع عقیل نے کیا ہے تحریر کیا جا رہا ہے۔

انگریزی متن اس طرح ہے:

A little over two hundred years before our era, the first emperor of the Chin dynasty ascended the throne under the name of Shih Huang. This emperor was very cruel towards his subjects, forcing people from every part of the country to come and build the Great Wall to protect his empire. Work never stopped, day or night, with the people carrying heavy loads of earth and bricks under the overseers' whips, lashes, and curses. They received very little food; the clothes they wore were threadbare. So it was scarcely to be wondered at that large numbers of them died every day. There was a young man, named Wan

Hsi-liang, among those who had been pressed into the service of building Emperor Shih Huang's Great Wall. This Wan Hsi-liang had a beautiful and virtuous wife, whose name was Meng Chiang-nu. For a long, long time after her husband was forced to leave her, Meng Chiang-nu had no news of him, and it saddened her to think what he must be suffering, toiling for the accursed emperor. 1

مذکورہ بالا انگریزی متن چینی کہانی کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس کہانی میں روایتی انداز میں کہانی پَن بھرا ہے۔ اس انگریزی متن کا شفیع عقیل نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اس طرح سے ہے:

''یہ آج سے دو سال سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں چِن خاندان کے پہلے بادشاہ نے تخت وتاج سنبھالا تھا۔ اس کا نام شی ہاؤ نگ تھا اور اس کی حکومت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بادشاہ اپنے عمل و کردار کے لحاظ سے بڑا ظالم تھا اور طرح طرح سے اپنی رعایا پر ظلم ڈھاتا تھا۔ اس کے ظلم و ستم کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص اس سے محفوظ نہ تھا۔ اس نے اپنی اور اپنی سلطنت کے لیے عظیم دیوار تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور حکم دیا کہ یہ دیوار جلد سے جلد تعمیر کی جائے...... ملک کے کونے کونے سے لوگوں کو زبردستی لایا جانے لگا تاکہ وہ بیگار میں کام کریں اور عظیم دیوار کی تعمیر میں حصہ لیں۔ کسی کی مجال نہ تھی جو بیگار میں جانے سے انکار کرے۔ اگر کوئی انکار کرتا تو اسے مار مار کر زبردستی لے جایا جاتا۔ اس طرح ہزاروں لوگ اپنے گھروں سے جدا ہو گئے...... بیویوں سے شوہر الگ کر دیئے گئے...... بہنوں سے بھائی بچھڑ گئے اور ماؤں سے ان کے بیٹے چھین لیے گئے...... ملک کے دور دراز علاقوں سے بیگاری لائے جاتے اور ان سے دن رات کام لیا جاتا...... یہ بیگاری بے چارے رکے یا ستائے بغیر مسلسل بوجھ اٹھاتے، اینٹیں اور پتھر ڈھوتے اور عظیم دیوار کی تعمیر و تکمیل میں

1 "Seeking Her Husband at the Great Wall – A Han Folktale." Ed. D.L. Ashliman. Folktales from China. University of Pittsburgh. Web. 21 Apr. 2011. <http://www.pitt.edu/~dash/china.html#seeking>.

مصروف رہتے۔ اگر وہ بیگار میں ذرا سستی دکھاتے یا کچھ دیر کو آرام کرنے کے لیے رک جاتے تو انھیں سزائیں دی جاتیں۔ بادشاہ کی طرف سے متعین کام کی نگرانی کرنے والے ان پر بے دریغ کوڑے برساتے، ان کے جسموں پر کوڑوں کی بارش کردی جاتی اور بے طرح گالیاں دی جاتیں......اس مسلسل بیگار اور بے انتہا محنت کے عوض انھیں کیا دیا جاتا......؟ بے وجہ کی سزائیں اور بہت تھوڑی خوراک...... نہ ہونے کے مطابق آرام اور دن رات جھڑکیاں...... جہاں تک کپڑوں لتوں کا تعلق تھا، وہ اپنے تن کے پرانے کپڑوں ہی کو سی کر اور تھگلیاں لگا کر گزارا کرتے تھے......ان میں سے بیشتر کے لباس جگہ جگہ سے پھٹے ہوتے تھے مگر وہ اس حالت میں بھی بیگار کرنے پر مجبور تھے......اگر وہ مشقت نہ کرتے تو ان کے نگران انھیں مار مار کر لہولہان کر دیتے......اس مسلسل بیگار اور ظلم وستم سے ہر روز کئی آدمی مر جاتے تھے اور جو بچ رہتے وہ مزید ظلم برداشت کرتے تھے۔

بیگار اور ظلم کے شکار ان بے شمار لوگوں میں وان ہسی لیانگ بھی شامل تھا۔ اسے بھی زبردستی اس بیگار کے لیے اپنے گھر سے جدا کر دیا گیا تھا اور وہ بھی ہزاروں دوسرے لوگوں کے ساتھ شی ہاؤ زنگ بادشاہ کی عظیم دیوار کی تعمیر میں لگا ہوا تھا......وان ہسی لیانگ کی ایک بیوی تھی جو انتہائی نیک دل اور پاک باز ہونے کے ساتھ ساتھ بے انتہا حسین تھی......اس کا ام سینگ چیانگ نو تھا۔ وہ بھی ان لاکھوں مظلوم عورتوں میں سے ایک تھی جن کے شوہروں کو زبردستی ان سے جدا کر دیا گیا تھا اور جو ان کے انتظار میں تڑپ رہی تھیں۔1

مذکورہ بالا انگریزی متن اور اس کے ترجمہ سے شفیع عقیل کی ترجمہ نگاری اجاگر ہوتی ہے۔ انھوں نے چینی کہانیوں کا ترجمہ کر کے اردو میں بہترین اضافہ کیا ہے۔ چینی لوک کہانیوں میں چین کی تہذیب وتمدن نظر آتا ہے۔ ان کہانیوں کا اردو ادب پر اثر مرتب ہوا ہے۔ اردو ادب میں چینی لوک کہانیاں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں۔ اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ لیتے وہ چینی کہانیوں کا احاطہ ضروری ہے۔ ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں چینی کہانیوں کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس کتاب کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

☆☆☆

1۔ چینی لوک کہانیاں، شفیع عقیل، انجمن ترقی اردو پاکستان، صفحہ 170

''اک شبِ آوارگی'' (آفریقی افسانے)
ترجمہ: خورشید اقبال

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے تحت خورشید اقبال کی کتاب ''اک شبِ آوارگی'' کو شامل کیا گیا ہے جس میں افریقی افسانے ہیں۔ یہ افریقی ممالک کے افسانے ہیں۔ اس کتاب میں موجود سارے افسانے اصل میں افریقی ممالک میں انگریزی (English) میں لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کے ناشر عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ہیں۔ یہ کتاب 304 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں کتاب کے تعلق سے عرض حال مصنف نے لکھا ہے۔ اسی حصہ میں حیدر قریشی، معید رشیدی اور فیاض احمد وجیہہ کے کتاب سے متعلق مضامین شامل ہیں۔ دوسرے حصہ میں 13 افسانوں کے تراجم شامل ہیں۔ یہ افسانے افریقہ کے ملک سے وابستہ ہیں اس کی تفصیل بھی فہرست میں درج ہے۔ آخری حصہ خصوصی مطالعہ کے زیر عنوان شامل کیا گیا ہے۔ اس میں افریقی ادب پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ عصری افریقی افسانوں کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اسی حصہ کے آخر میں اس کتاب میں شامل افسانہ نگاروں کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تصاویر بھی شامل کئے گئے ہیں۔ اس تعلق سے کتاب میں لکھا گیا ہے:

> ''اس انتخاب کے ہر افسانے کی شروعات میں متن سے متعلق تصویر بھی شامل کی گئی ہے جو مشہور آرٹسٹ جمیل خان کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ ان تصاویر کی شمولیت کا مقصد ایک طرف جہاں کتاب کی خوبصورتی میں اضافہ ہے وہیں ایک اور بات بھی میرے ذہن میں تھی...... میں چاہتا تھا کہ افسانہ شروع کرنے سے قبل قاری کے ذہن میں اس متن کے 'افریقی' کرداروں کی تصویریں بس جائیں تاکہ افسانہ پڑھتے وقت اس کے تصور میں 'افریقی' کردار جیتے جاگتے دکھائیں دیں''۔[1]

اردو میں ترجمہ نگاری کے روایت سے حال تک زیادہ تر ترجمہ نگاروں انگریزی ادب کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ سبھی

[1] عرض حال، اک شبِ آوارگی (آفریقی افسانے) خورشید اقبال، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ص۔ 12)

انگریزی کے کلاسیکی ادب کے تراجم کردیئے۔ بعد میں ہوا یوں کہ انگریزی ادب کے شاہکار افسانے اور ناول کے ایک ایک نسخہ کو کئی کئی مترجم نے ترجمہ کرڈالا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو میں شیکسپیئر کے ڈرامے ہوں، ڈرائیکولا کا خوفناک ناول ہو یا آسکر وائیلڈ کے افسانے ہوں، اردو میں مختلف ادیبوں نے تراجم کئے ہیں۔ ڈاکٹر خورشید اقبال ان سے مختلف سوچتے ہیں۔ انھوں نے اچھوتے انداز میں افریقی افسانوں کا انتخاب کیا۔ اس تعلق سے انھوں نے راقم الحروف کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ

> ''انگریزی ادب پر کافی کام ہو چکا ہے۔ افریقی افسانوں کا جب میں نے مطالعہ کیا تو مجھے لگا کہ یہ اردو ادب میں اضافہ ہوگا۔ اسی لئے میں نے افریقی ادب کے افسانوں کا انتخاب کیا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں افریقی افسانوں پر اردو میں باقاعدہ کوئی کام نہیں ہوا۔ سوائے جاوید دانش اور خالد سہیل کی مشترکہ کاوش 'کالے جسموں کی ریاضت' کے، جس میں نظموں، لوک کتھاؤں، ڈراموں، مضامین، سوانح حیات وغیرہ کے ساتھ چند افسانے بھی شامل ہیں۔ اُس کتاب میں صرف افریقہ کا ادب نہیں، بلکہ سیاہ فاموں کا ادب تھا جس میں آسٹریلیا، امریکہ اور یورپ میں بسے سیاہ فام بھی شامل ہیں۔'' [1]

ڈاکٹر خورشید اقبال نے افریقی افسانوں کا مطالعہ کرنے سے پہلے وہاں کی تہذیب کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے اور کسی بھی ملک کے ادب میں ہمیں وہاں کا پورا کلچر سانسیں لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے کسی بھی ملک کے ادب کو پڑھنے سے قبل اس ملک کے تواریخی، جغرافیائی، سماجی، معاشی اور سیاسی حالات کا جاننا بے حد ضروری ہے ورنہ ہم اس کے ساتھ صحیح انصاف نہیں کر پائیں گے۔ اس کے علاوہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جغرافیائی حالت کی وجہ سے افریقہ کو 'تاریک براعظم' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ انیسویں صدی تک بھی دنیا کے دیگر لوگ اس براعظم کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے۔ جب جاننے لگے تب یہاں کے لوگوں کو غلام بنانے لگے۔

ترجمہ کرتے وقت الفاظ کا لحاظ رکھا جائے تو افسانہ کی روح کہیں کھو جاتی ہے، لیکن مترجم نے یہاں پر افسانہ کی روح مدنظر رکھا ہے۔ انھوں نے عرض حال کے تحت لکھا ہے:

> ''ترجمہ کرتے وقت میں نے خاص طور پر اس بات کا خیال رکھا کہ پڑھتے وقت قاری

1۔ خورشید اقبال، انٹرویو بذریعہ ٹیلی فون، 6/جولائی 2017ء

کو ترجمے کا احساس نہ ہو، البتہ اسے ایسا لگے جیسے وہ اریجنل افسانہ پڑھ رہا ہے، کیوں کہ کسی بھی زبان کے ادب کو جب دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے تو اس کی اپنی روح ختم ہو جاتی ہے اور ایک نوع کا بوجھل پن اس پر حاوی ہو جاتا ہے، اور میں یہی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے ہر جملے کا ترجمہ کرتے وقت میں بس یہ سوچتا تھا کہ اگر میں خود اس فسانہ کی تخلیق اردو میں کی ہوتی تو اس جملے کو کس انداز میں لکھتا......اور میں وہی لکھ لیتا''[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ترجمہ کی روح کو مجروح ہونے نہیں دیا بلکہ افریقی افسانوں کو اردو میں ایسے ترجمہ کیا ہے جیسے وہ اصل زبان میں ہے۔ زماں ومکاں کو دوسری زبان میں منتقل کرنا مشکل کام ہے۔ وہاں کے بعض اسم ایسے ہوتے ہیں جو کسی انگریزی ڈکشنری میں نہیں ملتے۔ ایسے الفاظ کی جب تک تشریح نہ کی جائے افسانہ صحیح طریقہ سے ترجمہ نہیں ہوتا۔ مشکل الفاظ کے بارے میں خورشید اقبال کہتے ہیں:

مثال کے طور پر افسانوں میں افریقی لباسوں کے نام جیسے Capulana, Djellaba, Jalabiya, Galabia, Danshiki, Doek, Boubou وغیرہ کے نام آئے ہیں، افریقی کھانوں کے نام جیسے Ugba, Akara, Akamu, Mealie-meal وغیرہ کے نام آئے ہیں، افریقی کرنسیوں کے نام جیسے Kwanza, Pula, Nakfa, Dalasi, Loti, Naira, Dobra, Lilangeni وغیرہ کا استعمال ہوا ہے، غیر افریقیوں خصوصاً یورپی سفید فاموں کے لیے استعمال ہونے والے نام جیسے Mzungu, Boer وغیرہ استعمال ہوئے ہیں، رنگوں کے افریقی نام جیسے Zik، Balewa، Awolowo، Lugard وغیرہ اور پیائش کی اکائیاں Morgen اور Feddan وغیرہ کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جو خالص افریقی ہیں اور کسی انگریزی ڈکشنری میں نہیں ملیں گے۔ میں نے ہر ایسے لفظ کو انٹرنیٹ پر کھنگال ڈالا اور اسے اچھی طرح سمجھنے کے بعد ہی اس کا استعمال کیا۔ ویسے ہی ہر کہانی کے ساتھ وہاں کے لوکل کلچر اور رسم ورواج کو بھی انٹرنیٹ کی مدد سے سمجھنے کا کام کیا۔[2]

---

[1] عرض حال، اک شبِ آوارگی (آفریقی افسانے) خورشید اقبال، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ص۔ 12

[2] خورشید اقبال، انٹرویو بذریعہ ٹیلی فون، 6/جولائی 2017ء

ایسے الفاظ جس کے معنی ڈکشنری میں بھی نہیں ہے اور جو وہاں کی تہذیب کا حصہ ہیں ایسے الفاظ کو خورشید اقبال نے انٹرنیٹ کی مدد سے ترجمہ کیا ہے۔

کتاب کی پہلی کہانی ''اڑان'' تنزانیہ کی کہانی Leaving کا ترجمہ ہے۔ اسے M.G.Vassanji نے تحریر کیا تھا۔ اڑان میں افریقہ سے لندن جانے والے اَلو نامی لڑکے کی کہانی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جانے والے طلباء کی عکاسی کی گئی ہے۔ گاؤں کے غریب ماں باپ کا بیٹا اعلیٰ تعلیم کے لئے چلا جاتا ہے۔ اس کی ماں سلائی کر کے گذارا کرتی ہے۔ اَلو کوشش کرتا رہتا ہے کہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی اچھے ملک اسکالرشپ کے ساتھ سیٹ مل جائے۔ چوں کہ وہ پڑھائی میں اچھا ہوتا ہے اور اے گریڈ سے کامیاب ہوتا ہے اس لئے اسے امریکہ کی یونیورسٹی میں داخلہ مل جاتا ہے۔ اس کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے:

''جب اَلو کو کیلیفورنیا انسٹیٹیوٹ آف ٹکنالوجی کی جانب سے ایک خط ملا جس میں اسے داخلے اور اسکالرشپ کی پیش کش کی گئی تھی تو وہ بالکل ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس نے خط کو بار بار پڑھا۔ اس میں جو کچھ درج تھا، اس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں اس نے پڑھنے میں کوئی غلطی نہ کی ہو۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ خط پڑھ کر اسے سناؤں۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہے تو وہ خوشی سے جیسے پاگل ہو اٹھا''۔[1]

افسانہ کے آخر ہوائی جہاز سے نظر آنے والے منظر کی عکاسی کی گئی ہے اور میلوں پھیلے ہوئے کھیت وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ دوسری طرف ماں کی اداسی کو کی منظر کشی کی گئی ہے جو دور کسی کو تک رہی ہے۔

''پاپا، سانپ اور میں'' دوسری کہانی ہے اصل کہانی Papa, Sanke & I، موزمبق کے ادیب B.L.Hanwana کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے اس میں سانپ اور کتے کے ذریعے سے موزمبق کے زہریلے پریشان حال گاؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کہانی کے انگریزی متن ملاحظہ کیجئے:

My bed was flooded in yellow moonlight, and it was pleasant to feel my naked skin quiver with its cold caress.

---

1 اڑان، اک شبِ آوارگی (آفریقی افسانے) خورشید اقبال، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ص۔ 41

For some unknown reason the warm sensation of Sartina' s body flowed through my senses. I managed to cling to her almost physical presence for a few minutes, and I wanted to fall asleep with her so as not to dream of dogs and snakes. 1ـ

مذکورہ بالا انگریزی متن میں کہانی اصل مقصد بیان کیا گیا ہے۔اس کا ترجمہ خورشید اقبال نے اس طرح کیا ہے۔

''بستر زرد چاندنی میں نہایا ہوا تھا اور اپنی عریاں جلد پر چاندنی کا ٹھنڈا لمس بہت بھلا لگ رہا تھا۔نہ جانے کیوں......اچانک سارٹینا کے وجود کی گرمی میرے احساس میں رینگ آئی......کئی منٹ تک میں اس کے خیالی وجود کو اپنی باہنوں میں سمیٹے رہا......میں اسے اپنے ساتھ لیے سوجانا چاہتا تھا، تاکہ کتے اور سانپ میرے خوابوں میں داخل نہ ہو سکیں۔ 1ـ

موذمبق کی اس کہانی کو خورشید اقبال نے بہت ہی عمدہ طریقے سے اردو میں ڈھالا ہے۔

اس کتاب کی اگلی کہانی 'انتظار' اصل کہانی Amnesty ہے جسے ساؤتھ افریقہ کے Nadine Gordimer نے لکھا ہے۔ اس میں جیل میں قید شخص کی رہائی کے انتظار کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

'اک شب آورگی' کتاب میں شامل افسانہ اسی کی مناسبت سے کتاب کا نام بھی یہی رکھا گیا ہے۔اصل کہانی A Night Out، ہے جسے تنزانیہ کے Tolowa Marti Mollel نے تحریر کیا ہے۔ایک غریب ماں کی کہانی ہے جس میں بچہ کے علاج کے لئے پیسے نہیں ہوتے اور بخار کم کرنے کی گولی تک دستیاب نہیں ہوتی۔اس کا شوہر بھی نہیں ہے اور وہ میکا سے شب بسری کے لئے پیسے لیتی ہے۔غربت اور بیماری کی وجہ سے اس کا بچہ مر جاتا ہے۔

'پنجرے' Cages، Abdul Rzak Gurnah (Zanzibar) زنجبار کی کہانی ہے۔حمید نامی نوجوان کی کہانی ہے۔جو دکان چلاتا ہے۔

'اللہ کی مرضی' اصل کہانی Will of Allah ہے۔ جسے نائجیریا کے David Owoyele نے لکھا ہے۔ یہ ایک جرائم میں پھنسے ہوئے مجرم کی کہانی ہے جس میں غریبی اور مجبوری کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔

1ـ Papa, Snake & I, B.L. Honwana, web edition.

2ـ اڑان، اک شبِ آوارگی (آفریقی افسانے) خورشید اقبال، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ص۔صفحہ 60

’کاہنہ‘The Prophetess کا ترجمہ ہے یہ ساؤتھ آفریقہ کی کہانی ہے جسے Njabulo S. Ndebele نے تحریر کیا ہے۔ایک یہ طویل افسانہ ہے۔ یہ ایک کاہنہ اور ماں اور بیٹے کی کہانی ہے۔مختلف تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے بچہ اپنی ماں کے لئے کرسچن کاہنہ کے پاس سے مقدس پانی لاتا ہے۔جس کو پی کر اس کی نرس ماں ٹھی ہوجاتی ہے اور کہانی یہیں پر ختم ہوجاتی ہے۔

’خادمہ‘The Housegirl کا ترجمہ ہے جسے نائجیریا کے Okey Chigbo نے لکھا ہے۔ یہ ایک طویل افسانہ ہے جس میں خادمہ کو مختلف حالات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

وہ آدمی،The Man کا ترجمہ ہے۔ یہ کانگو کے E.B.Dongala نے لکھا ہے۔کانگو کے ایک آدمی کی کہانی ہے جسے فوجی تلاش کررہے ہوتے ہیں جو آخر تک نہیں ملتا۔ یہ گاؤں والوں کی امید ہے جب کہ فوج کی نظر میں مجرم ہے۔

’کوڑے کا ڈھیر‘The Rubbish Dump کا ترجمہ ہے۔ یہ Malawi کہانی ہے جسے Steve Chimobo نے تحریر کیا ہے۔یوں تو یہ ایک کچرا اٹھانے والے آدمی کی کہانی ہے جو بدبو اور تعفن میں رہتا ہے۔افسانہ نگار نے اس کے ذریعے غربت اور انسانیت کو پیش کیا ہے۔اس کہانی کا انجام بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے:

> ’’جوائے سوچ رہا تھا ان میں پہلے کون مرے گا؟......انسان یا مشین؟......مشین کی چرچراہٹ ،گڑگڑاہٹ اور جھنجھناہٹ کی آوازیں اور اس کے پیچھے چلتے ہوئے انسان کی مستقل خاموشی کسی الو کی غمگین چیخ سے بڑی مماثت رکھتی ہے۔لیکن جوائے کو پتا تھا کہ مزامیزی کے ساتھ روزانہ’ آج بڑے جہاز سے تم کیالا رہے ہو؟‘‘......’’اوہ! گوروں کے ملک کی کچھ چیزیں......‘‘ جیسے جملوں کا تبادلہ ابھی ایک لمبی مدت تک ہونے والا ہے۔ ہر قسم کا کچرا،کوڑا پھینکنے کے گڈھے کا سفر کرتا رہے گا......اور وہیں موجود رہیں گے،کوے،مکھیاں، مزامیزی......اور جوائے! [1]

’’تیسری منزل سے ہونے والی گفتگو‘‘افسانہ A Conversation from the Third Floor مصری کہانی ہے جسے Mohammed El-Bisatie نے تحریر کیا ہے۔ یہ مختصر افسانہ ایک پولیس افسر اور ایک خاتون کے درمیان مکالمہ

---

1 کچرے کا ڈھیر،اک شب آوارگی (آفریقی افسانے) خورشید اقبال،عرشیہ پبلی کیشنز،دہلی،ص۔ 198

کو موضوع بنا کر لکھا گیا ہے۔اس میں خاتون کی ممتا اور پولیس افسر کے رعب کو دکھایا گیا ہے۔

مٹھی بھر کھجوریں،A Handful of Dates سوڈان کی کہانی ہے جسے Tayeb Salih نے لکھا ہے۔اس میں کھجور کے ذریعہ سے سرمایہ داری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بچہ جو کھجوریں کھاتا ہے اس لئے منہ سے نکال دیتا ہے کہ اس کے دادا نے مسعود نامی شخص کی زمینیں حاصل کر لی ہیں۔جو ابھی بھی دادا کا مقروض ہے۔

امن کے بعد،Civil Peace، نائیجریا کی کہانی ہے جسے Chinua Achebe نے لکھا ہے۔جنگ کے بعد کے حالات کو موضوع بنایا گیا ہے۔فوجی بے روزگار ہے اور چور گھروں میں گھس کر مالداروں کا پتہ پوچھتے ہیں۔نائجیریا میں ہونے والے واقعات اور مناظر اس افسانے میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ افریقہ جسے جنگلوں اور تاریکی کا علاقہ تصور کیا جاتا ہے۔جہاں پر دولت اور شہرت نہیں بلکہ غریبی اور بھوک نظر آتی ہے۔یہاں کے ادبی سرمایہ سے روشناس کرانے کا کام خورشید اقبال نے کیا ہے۔انگریزی افسانوں کے معرفت انھوں نے عمدہ افسانوں کا انتخاب کیا ہے اور اسے اردو میں پیش کیا ہے۔'اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ' کے تحت یہ ایک اہم کتاب ہے جسے اس مقالہ میں شامل کیا گیا ہے۔

خورشید اقبال نے مختلف آفریقی الفاظ جو مختلف کہانیوں میں استعمال ہوئے کے معنی تلاش کر کے اسے اردو میں ڈھالا ہے۔بعض الفاظ کے معنی کسی انگریزی اردو ڈکشنری میں نہیں ہے۔ایسے الفاظ کو تلاش کر کے اس خوبصورت مجموعہ کو ترتیب دیا ہے۔ اردو تراجم کے حوالے سے یہ نہایت اہم کتاب ہے جو اردو اور اردو والوں کے لئے ایک بیش بہا اضافہ ہے۔

☆☆☆

''سنہری کہانیاں''
(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)
ترجمہ نگار: ابوالفرح ہمایوں

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے تحت مختلف زبانوں کے افسانوی ادب کا جائزہ لیا جارہا ہے۔اس تحقیق میں افسانے نہایت اہم ہیں اور مختلف زبانوں سے ترجمہ کئے ہوئے افسانے اس ایک کتاب میں شامل ہے۔ یہ کتاب جدید ہے اور مئی 2011ء میں شائع ہوئی ہے۔اس کتاب میں شامل شاہکار افسانے ہیں۔ان کا اردو میں تنقیدی جائزہ لینا ضروری ہے۔اس کتاب کے ناشر بزم مزاح ہیں۔

ابوالفرح ہمایوں نے مختلف زبانوں کے افسانوں کے اردو میں تراجم کا مجموعہ ''سنہری کہانیاں'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔انگریزی، بنگلہ، پنجابی، ہندی، فارسی، ہندی، جرمن، چینی، ہسپانوی، ترکی، اطالوی اور فرنچ زبانوں کی کہانیوں کے اردو میں تراجم کئے ہیں۔اس تعلق سے اس کتاب کے ابتداء میں ''ایک لائق ستائش کاوش'' کے تحت ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی نے لکھا ہے:

> اس کتاب کے تراجم کی لسانی خوبیاں ایک طرف، ابوالفرح ہمایوں صاحب انتخاب کے ضمن میں بھی داد کے مستحق ہیں۔انھوں نے اتنی دلچسپ اور دل گداز کہانیاں منتخب کی ہیں کہ قاری انھیں پڑھتے وقت ہمہ تن منہمک رہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے مترجم نے ''ڈرامائیت'' کے گُر کو بھر پور طریقے سے استعمال کیا ہے۔اتنی ڈرامائیت کہ کہیں کہیں تو دل کی دھڑکن، کراچی کی ویگنوں کی رفتار سے ''میچ'' کرجاتی ہے۔ بلیوں سے 'یکجہتی' کے موضوع پر کہانی ''گربہ مسکین'' (اگرچہ 'گربہ سنگین' زیادہ موزوں عنوان ہوتا) اس کی بہترین مثال ہے۔کہانی جس کلائمکس (نقطۂ عروج) پر اختتام پذیر ہوتی ہے، وہاں پہنچ کر میں کافی دیر تک سکتے کی کیفیت میں رہا۔ بلی ہی کے 'پھڈے' پر مبنی ایک اور کہانی 'دست ابلیس' (شایانِ شان عنوان) بھی تاثر میں ڈوبی ہوئی ہے۔''[1]

---

[1] سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص 13

یہ کتاب 256 صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں تراجم کے لئے دو طبع زاد کہانیاں بھی موجود ہیں۔28 ترجمہ شدہ افسانے شامل ہیں۔

ابوالفرح ہمایوں نے ترجمہ کرتے وقت تحریف سے کام نہیں لیا ہے۔انھوں نے پہلے کہانی کو پڑھا اور پھر اس کہانی کے آسان الفاظ میں اردو میں شامل کیا۔ترجمے کے وقت انھوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ بھاری بھرکم الفاظ کے بجائے آسان الفاظ استعمال کئے جائیں۔اسی کتاب کے ابتداء میں علی حیدر ملک نے 'افسانے کے تراجم' کے عنوان سے اسی خوبی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے

''ابوالفرح ہمایوں نے ایسے افسانوں کا انتخاب کیا ہے جو عام قارئین کے ذوق اور معیار پر پورے اتر سکیں۔فکشن کے معروف مترجم قیصر سلیم نے اپنی کتاب 'منتخب امریکی افسانے' میں لکھا ہے کہ:

'کہیں کہیں مجھے فقروں کو اور بعض اوقات پیراگراف تک کو قلم زد کرنا پڑا ہے۔''

لیکن ابوالفرح ہمایوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔وہ افسانے میں کسی قسم کی ترمیم، تنسیخ، یا تحریک کے مرتکب نہیں ہوتے''۔[1]

اس مجموعے میں بہت سی کہانیاں ایسی شامل ہیں جو یقیناً سنہری ہیں اور قارئین کے ذہنوں میں اجالا کرنے کے لئے ترجمہ کی گئی ہے ہیں۔

پہلی کہانی 'یادگار' ہے۔''A conversation with my brother'' کا ترجمہ جسے Flora James نے لکھا ہے۔

یہ کہانی ایک لڑکی ہے جو چاہتی ہے کہ شاعر بنوں لیکن اسے کیمسٹری پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔اس کی دلی خواہشات کو کچلا جاتا ہے۔کیمسٹری لیاب میں اس کی آنکھیں اس کے چھوٹے بھائی گلبرٹ کی وجہ سے چلی جاتی ہے جو کہ غلط طریقہ سے ٹیوب کو گرم کر رہا تھا۔گلبرٹ کی وجہ سے اس کہانی کے مرکزی کردار کی ماں کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ کیمسٹری میں ایک ایسے درخت کے بارے میں جانتی ہے جس کا زہر بہت خطرناک ہے۔ وہ ہمیشہ اس درخت کے ساتھ رہتی ہے لیکن گلبرٹ جب اسے کٹوا دیتا ہے۔اپنے چھوٹے بھائی کی حرکتوں سے وہ بہت پریشان ہو جاتی ہے جو گھر کو فروخت کر دیتا ہے۔اس درخت کی تین

[1] سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص 11

شاخوں کو کباب بنانے کے لئے دیتی ہے۔کہانی کے آخر میں وہ خود کلامی میں کہتی ہے:

''مجھے بچپن ہی سے معلومات حاصل کرنے اور طرح طرح کی کتابیں پڑھنے کا جنون تھا اور چوں کہ مجھے اس پودے سے بے حد محبت تھی،لہٰذا میں نے خاص طور پر اسکے متعلق کافی معلومات جمع کر رکھی تھیں اور یہ معلومات مجھے آج بھی ازبر ہیں۔مثال کے طور پر اس کی یہ خصوصیت کہ اس پودے کی لکڑی میں ایک مہلک زہر پوشیدہ ہے اور گرم ہونے کے بعد تو اس کی تاثیر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔اس پر طرہ یہ کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں زہر کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔''1

حالات کی ماری دکھیاری بہن اپنے بھائی کا اس صفائی سے قتل کر دیتی ہے کہ اس کی قتل کا کوئی ثبوت نہیں رہتا۔اس طرح کہانی ختم ہوتی ہے۔انگریزی کہانی سے مطابق رکھتی ہے اور بعض الفاظ کے مفہوم کو اردو میں لکھا گیا ہے تا کہ قارئین کے دماغ پر بوجھ نہ پڑے اور قاری اسے آسانی سے سمجھ سکیں۔

'بلائے جاں' 'History Repeats Itself' کا ترجمہ ہے جسے G.C.Thornley نے لکھا ہے۔ بلائے جاں میں ایک عینک کے بارے میں کافی سنائی گئی ہے جو مصنف کی دانست میں منحوس ہے۔جس کے استعمال سے تاریخی شخصیتیں فوت ہو چکی ہے۔اس کہانی میں بھی دو لوگ موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔افسانہ کے آغاز سے اختتام تک یہی سوال گردش کرتا ہے کہ یہ عینک قاتل تو نہیں ہے۔ان کے موت کے بارے میں مصنف کہتا ہے

''چارلس رویل اپنے گاؤں کی عزیز مٹی تلے ابدی نیند سو رہا ہے۔خدا اس کی روح کو سکونِ کامل عطا کرے۔گارات بھی اس کے قریب ہی مدفون ہے۔میں نے ان دونوں مظلومین کے لئے صدق دل سے دعا کی اور پھر آنسو پونچھتا ہوا اپنے وطن روانہ ہو گیا۔بے شک ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔یہ قانون قدرت ہے،لیکن کبھی کبھی نجانے کیں سوچ میں پڑ جاتا ہوں ہ عینک والے واہمے میں کتنی صداقت تھی اور کیا میرے دوست چارلس رویل کی موت واقعی قدرتی تھی؟''2

1۔ سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص27
2۔سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص38

'خواب زدہ'، Dreams ask responsiblities کا ترجمہ ہے جسے Ralph Ellison نے لکھا ہے۔
یہ ایک مونولاگ ہے جو رواتی انداز میں شروع ہوتا ہے:

''میرا نام ولیم گورڈن ہے۔ میری عمر اس وقت چھیالیس سال ہے اور میں گذشت دس سال سے ایک اخبار کا ایڈیٹر ہوں۔ عموماً پانچ بجے میں دفتر چھوڑ دیتا ہوں، لیکن کبھی کبھی کوئی اہم کام پڑ جائے تو سات آٹھ بھی بج جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں فون کر کے اپنی بیوی کو یہ ضرور بتا دیتا ہوں کہ دفتر سے اٹھ کر کلب چلا جاؤں گا اور کھانا وہیں کھاؤں گا۔'' 1

'آب حیات' ہندوستانی قدیم کہانیوں میں ملتا ہے۔ یہ ایسا پانی ہے جسے پینے کے بعد انسان ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ اس کی تلاش میں کئی بادشاہ اور شہزادے جنگلوں میں پھرتے تھے۔ ہمیشہ جوان رہنے کی چاہ ہندوستان سے باہر بھی ہے۔ اسی چاہ میں یہ کہانی لکھی گئی ہے جس میں ایک بڑا آدمی ایک نسخہ استعمال کرتا ہے وہ پھر سے نومولود ہو جاتا ہے۔ وہ کہانی کے مرکزی کردار ایڈیٹر کو کہتا ہے کہ تمہارے گھر میں جب بچہ پیدا ہوگا تم میں بھی نسخہ استعمال کرتے ہوئے نومولود ہو جاؤں گا۔ تم ہم دونوں کے پرورش کرنا اور اس کا تمہیں اچھا معاوضہ بھی ملے گا۔ 18 سال بعد ساری دولت مجھے واپس کر دینا۔ ایڈیٹر راضی ہو جاتا ہے۔ لیکن دونوں نومولود کی شکل ایک جیسی رہتی ہے جس کی وجہ سے نسخہ والے آدمی کو مار کر اس کی جائیداد ہڑپنے سے باز رہتا ہے۔ اب اس کے دل میں بھی خیال آتا ہے وہ بھی اس آدمی سے جواب بچہ بن گیا ہے بڑا ہونے کے بعد نسخہ حاصل کرے گا اور پھر سے نئی زندگی شروع کرے گا۔

'باوفا' بنگالی کہانی ہے جس کے مصنف موہن داس گپتا ہے۔ یہ کہانی کسی ہندی فلم کی کہانی کی طرح ہے جس میں دھوکہ بھی ہے اور سودے بازی بھی ہے۔ بغیر لائسنس کے ڈرائیونگ کرتے ہوئے جب نیلما کا شوہر ایک عورت کو ٹکر مار کر ہلاک کر دیتا ہے تو وہ ایک بے روزگار لائسنس یافتہ شخص ہیرا کہتا ہے کہ وہ سارا الزام اپنے سر لے گا لیکن اس کے بدلے وہ نیلما کی عزت تارتار کر دیتا ہے۔ نیلما کو کچھ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا اور وہ سب کچھ گنوا کر اپنے شوہر بچا لیتی ہے لیکن اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ہیرا ضرور سب کے سامنے راز فاش کر دے گا اور یہ اس ڈر سے شوہر کو چھٹی لکھ کر بتا دیتی ہے کہ وہ اب اس دنیا سے جا رہی ہے۔

'جنتر منتر' The Baldy pit کا ترجمہ ہے جسے Henry Potter نے تحریر کیا ہے۔ یہ ایک طویل افسانہ ہے جس

1. سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 39

جو مونولوگ تکنیک سے لکھا گیا ہے۔اس کہانی کا ہیرو اچھے گھر میں پیدا ہوتا ہے لیکن حالات اسے پریشان کرتے ہوئے اور آخر میں اپنے پشتینی گھر سے بھی ہاتھ دھو دیتا ہے۔وہ خود اپنے بارے میں بتاتا ہے:

''ایڈنبرا میرا پیدائشی شہر ہے۔یہاں عرصے تک میرے والد محترم وکالت کرتے رہے ہیں۔ان کی ذہانت، جاں فشانی اور لگن کا ثمر تھا کہ ان کا کام ابتدا ہی میں چمک اٹھا۔میرے ہوش سنبھالنے تک گھر میں دولت کی ریل پیل ہو چکی تھی۔ چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے کی مثال مجھ پر صادق آتی تھی۔گھر میں اتنے نوکر چاکر تھے کہ آدمی خود کسی کام کا نہ رہے۔صرف اشارے کی زحمت کرنی پڑتی تھی اور کبھی کبھی تو اس کی بھی نہیں۔اس مرصع ماحول میں میری پرورش ہوئی اور اس زرنگار فضا میں مَیں جوان ہوا۔میری والدہ کا تعلق خائف سے تھا اور دنیا میں ان کے واحد رشتے دار ایک قریب المرگ ماموں تھے، وہ ایڈنبرا سے بہت دور جنوبی ساحل کے ایک گاؤں می ں غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے''۔[1]

غرض یہ کہ یہ افسانہ متمول گھرانے سے شروع ہوتا ہے اور مختلف حالات و واقعات سے گذرتا ہے۔ایسی حالت میں بھی گھر جاتا ہے جب کہانی کے ہیرو کو خودکشی کا خیال آجاتا ہے لیکن وہ اس کا رشتہ دار مارشل اسے سہارا دیتا ہے۔کہانی کے آخر میں وہ گھر چالیس ہزار پونڈ میں بیچ دیتا ہے۔جسے خرید کر مسٹر تھروپ کافی خوش ہوتے ہیں لیکن وہ اداس بھی ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ اسے چھپے ہوئے خزانے حاصل کرنے کے لئے خریدتا ہے۔

'ہمدرد' The Legend کا ترجمہ ہے جسے J.F.Powers نے تحریر کیا ہے۔یہ ایک بہادر اور خوبصورت عورت کی کہانی ہے۔ہلڈی نامی یہ خاتون نہایت بہادر ہے اور جنگ کا انتقال لینے دشمن کے علاقوں میں گھس جاتی ہے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر وہ تلوار سے گردنیں اڑا کر رکھ دیتی ہے۔اس کی بہادری دشمنوں کو اتنا متاثر کرتی ہے کہ وہ اسے گرفتار کر کے قتل نہیں کرتے بلکہ اسے محل میں رانی بنا دیتے ہیں۔

''تم اب یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی'' سیڈرک کی آواز سن کر ہلڈی چونک اٹھی، 'لیکن تم میری قیدی، یا غلام نہیں ہو۔ یہاں ہر شخص آزاد ہے۔اگر تم پسند کرو میں تمہیں اپنی بیوی

1. سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص 57

بنانے کا آرزومند ہوں۔اس سرزمین کو تم جیسی ہی بہادر عورت کی ضرورت ے۔ جو نئی نسل کی اچھی تربیت کر سکے''۔اور تب اس کے جذبات کے بند ٹوٹ گئے۔اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب بہہ نکلا۔لیکن ان آنسوؤں میں ایک دلفریب حسین زندگی کی جھلک تھی۔اس نے سوچا گویا اس کے بے چین دل کو سکون مل گیا ہو۔اسے ایسے ہی مضبوط بازوؤں کے سہارے کی ضرورت تھی۔ یہ خوشگوار اور دلک سہارا آج اس کے سامنے اسے اپنے دامن میں پناہ لینے کی پیشکش کر رہا تھا۔وہ ذرا ہچکچائی اور اپنا سر سیڈرک کے سینے میں چھپالیا'۔1ے

''وہ کون تھا؟'' The magic boy کا ترجمہ ہے جسے G.E.Morris نے لکھا ہے۔ یہ کہانی ایک جادوگر کی ہے جو بڑے عجیب وغریب جادو کر کے رئیس لوگوں سے پیسے حاصل کرتا ہے۔ بزرگ جادوگر اپنا کمال دکھاتا ہے۔ایک مرتبہ جب وہ آلو کو دکھا یہ کہتا ہے کہ اسے آپ جو بھی فرمائیں اس میں تبدیل کر دوں گا۔تو اس میں یہ تبدیل ہو جائے گا یہ گفتگو اس طرح کہانی میں رقم کی گئی ہے:

''سرکار!اب آپ حکم کریں کہ اس آلو کو میں کس چیز میں تبدیل کروں۔مثلاً ،کتاب، برتن، قینچی، یا جو بھی آپ چاہیں گ، میں اس آلو کو وہ چیز بنا سکتا ہوں''۔ وہ داد طلب نگاہوں سے میری جانب دیکھتا ہوا بولا۔

'کیا تم اسے کسی زندہ چیز میں تبدیل کر سکتے ہو؟''میں نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

''کیوں نہیں جناب، میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔بس ذرا محنت زیادہ کرنی پڑے گی''۔

جادوگر نے اشارہ دے دیا کہ انعام بھر پور ہونا چاہئے۔

''اچھا تو یہ بات ہے! کیا اس آلو سے ایک انسانی بچہ بن سکتا ہے؟'' میں نے اسے آزمانے کے لئے ایک بری عجیب وغریب فرمائش کر دی''۔2ے

جادوگر آلو کو بچے میں تبدیل کر دیتا ہے لیکن جلد ہی انعام اور بچے کو لے کر وہ چلا جاتا ہے۔کہانی گو کہتا ہے کہ اس کے

2ے سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص 81

2ے سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص 83)

دوست یہ جادو دیکھنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں اور ایک شخص تو کیمرہ بھی لاتا ہے تا کہ ثبوت کے طور پر اسے پیش کر سکے۔ یہ جادو دکھایا جاتا ہے لیکن ساری چیزیں کیمرہ میں قید کی جاتی ہے۔ جب تصاویر دھل کر آجاتی ہیں تو سب کی حیرت کی انتہاء نہیں رہتی کہ بچہ تو کسی تصویر میں نہیں ہے۔ بچہ کو گود میں اٹھا کر جو تصویر لی گئی اس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ شخص کسی وزن چیز کو اٹھائے ہوئے کھڑا ہے لیکن اس کے گود میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

'گہرا گھاؤ' پنجابی کہانی ہے جس کے مصنف کا نام نواز ہے۔ 'گہرا گھاؤ' کہانی میں حاجی نامی کہانی کے ہیرو کے دل میں گہرا گھاؤ لگ جاتا ہے جو اس کے اپنے جیون ساتھی سے لگتا ہے۔ وہ اپنی شریک حیات کے لئے خود کو تبدیل کرتا ہے اور اسکی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کی بیوی اس کے بدلے میں صرف نفرت دیتی ہے۔ اور ایک رات وہ گھر سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ درد حاجی برداشت کرتا ہے اور پریشان حال رہتا ہے۔ چند سال بعد حاجی کی دکان پر ایک بچی آتی ہے جو اس سے دال خریدتی ہے اور راستہ میں دال کر جاتی ہے وہ تھوڑی سی دال لے کر چلی جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اتنی ہی دال ملی ہے۔ اس لڑکی کی ماں آکر حاجی سے خوب لڑتی ہے اور اپنی بچی کا ہاتھ پکڑ کر چلی جاتی ہے۔ دراصل یہی اس کی بیوی تھی جو اسے پہچان نہ سکی۔ حاجی اسے پہچان لیتا ہے کہانی کا اختتام اس طرح ہوتا ہے:

> ''اس کے جانے کے بعد حاجی بھی دکان چھوڑ چھار کر اٹھ گیا اور کسی کو بتائے بغیر ایک طرف کو روانہ ہوگیا۔ اس نے بار بار ادھر ادھر دیکھا کہ شاید وہ عورت اس کی لڑکی نظر آجائیں، لیکن وہ دونوں اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔ حاجی کے منہ سے بے اختیار ایک قہقہہ ابل پڑا اور وہ ہنستا ہی چلا گیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کسی کی بے وفائی کا دکھ نہ جھیل سکا اور پاگل ہوگیا، یا شاید اس کی خودکشی کی اس دفعہ کامیاب ہوگئی ہو۔ خدا جانے سچ کیا ہے؟ اصل حقیقت تو کسی کو بھی نہیں معلوم۔[1]

'انقلاب' The Great Revolution کا ترجمہ ہے جسے J.F.Wilson نے لکھا ہے۔ یہ کہانی ایک بغاوت کی۔ ایک صدر کے خلاف بغاوت ہوتی ہے۔ نائب صدر ہرڈیز اپنے ایک ساتھی سنتا گو کے ساتھ بغاوت کرتا ہے۔ صدر کا وفادار کیپٹن ریمن کو اطلاع ملتی ہے کہ ہرڈیز بغاوت کر رہا ہے تو اسے ختم کرنے کا پلان بناتا ہے اور دعوت میں اسے قتل کرنے کا منصوبہ

(سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 92)

بنا تا ہے۔سنتا گو اس کا حصہ ہوتا ہے۔ ریمن جب مشین گن سے ہرڈیز پر گولیاں چلاتا ہے تو اس میں سے ایک بھی گولی نہیں نکلتی کیو ں کہ سنتا گو اسے پہلے ہی خالی کر دیتا ہے۔ اب وہ صدر اور اس کے محافظ کا کام تمام کر دیتا ہے اور کافی خوش ہوتا ہے کہ وہ ایک کامیاب انقلاب کر چکا ہے اور اسے بہت سارا انعام ملے گا۔لیکن ہرڈیز اسے زہر آلود چاقو سے قتل کر دیتا ہے۔مرتے وقت اس کی نگاہیں یہ سوال کرتی ہے کہ وفاداری کے بدلے میں یہ انعام کیوں ملا تو وہ جو جواب دیتا ہے وہ یہ ہے:

''تمہیں موت سے ہمکنار ہوتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا ہے سنتا گو! تم جب تک زندہ رہتے ، میرے سر پر خطرے کی ایک تلوار لٹکتی رہتی۔نجانے کب تم کس کے ساتھ مل کر میرے خلاف بھی بغاوت کر دیتے۔تم جو کل تک میرے وفادار نہ تھے، آئندہ بھی وفادار نہیں رہ سکتے تھے۔تم اس دنیا سے چلے گئے۔ اب میرے مستقبل کو تم جیسے غدار سے کوئی خطرہ نہیں۔خس کم جہاں پاک'۔1؎

'آرٹسٹ' 'Artist' کا ترجمہ ہے جوTom Baldwin کی لکھی ہوئی کہانی ہے۔ یہ کہانی روہنگٹن مروان کاؤس جی نامی آرٹسٹ کی جو پینٹنگس کی خرید وفروخت کرتا ہے۔اس کی دکان ممبئی میں واقع ہے جہاں پر قدیم پینٹنگ موجود ہے۔ اس کی دکان میں ایک دن ایک شخص آ کر قدیم مصور مونٹ کی پینٹنگ طلب کرتا ہے جو کہ اس کے پاس نہیں ہوتی۔خوب تلاش کرنے کے بعد اسے یہ پینٹنگ کباڑ خانہ میں مل جاتی ہے جس پر مونٹ لکھا ہوتا ہے۔اس پینٹنگ کی خبر اخبارات میں آنے سے اس پینٹنگ کی بہت زیادہ مانگ ہوتی ہے۔راتوں رات قسمت بدل جاتی ہے یا بدلائی جاتی ہے اس کی طرف کہانی میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے

''ٹائم ، اور لائف نے یہ تصویر اپنے اپنے سرورق پر شائع کی۔ ناقدین نے کہا کہ یہ مونٹ کا عظیم ترین شاہکار ہے۔بعض ماہرین کے اندازے کے مطابق اس کی قیمت ایک لاکھ پونڈ تھی۔ بہر حال، بہت جلد مجھے لارڈ کیمرے کی طرف پچاس ہزار پونڈ کی پیشکش کی گئی، جسے میں نے ٹھکرا دیا۔اوہ، میں آپ کو ایک خاص بتانا تو بھول ہی گیا۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں بڑا ہی مکار اور جھوٹا انسان ہوں۔آپ کا کیا خیال ہے؟''2؎

1؎ (سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص98)

2 سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص101

اس کہانی کے ختم ہوتے ہی قاری کے ذہن میں کہانی پھر شروع ہوتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کیا واقعی یہ پینٹنگ اصلی تھی جس نے مصور کی تقدیر ہی بدل دی یا جیسا کہ مصور نے آخر میں انکشاف کیا کہ وہ جھوٹا اور مکار ہے تو کیا اسی نے یہ تصویر بنائی ہے جسے قدیم مصور مونٹ کا نام دے رہا ہے، یا کسی قدیم پینٹنگ پر مونٹ کا نام لکھ رکھا ہے؟

'گھر آیا مہمان' ہندی کہانی ہے جس کی مصنفہ نینا ماتھر ہے۔ ممبئی جیسے بڑے شہروں میں کے کافی مسائل ہیں۔ گھر کم ہیں اور رہنے والے زیادہ ہیں۔ بعض کچھ وقفہ کے لیے آتے ہیں اور گھر یا فلیٹ خریدنے کے متحمل نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے ایک سہولت ہے پینگ گیسٹ کی یا پیسے دے کر مہمان کی حیثیت سے کسی کو اپنے گھر میں رہنے دیں۔ ایک شخص امریکہ سے ممبئی آتا ہے آتے ہی وہ اپنے دوست ملنے بے چین ہو جاتا ہے اسے اس کا دوست ممبئی کے ایک بار میں ملتا ہے۔ اس کا دوست گنیش کافی پریشان محسوس ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے وہ اپنے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ اب بالکل تنہا ہو گیا اور اس کی بیوی نے پینگ گیسٹ سے شادی کر لی ہے۔ میں اسے اپنے گھر میں بے ضرر سمجھ کر رکھا تھا لیکن اس نے میری بیوی سے شادی کر لی اور میں نے اس کے نام وہ فلیٹ بھی کر دیا ہوں۔ کہانی بیان کرنے والے کی اس وقت حیرت کی انتہا نہیں رہتی ہے جب وہ اپنے گھر کا پتہ وہی پرانا بتاتا ہے:

> ''......لیکن یہاں تو اب کوئی اور رہتا ہے۔ کچھ دیر قبل تم نے خود ہی بتایا تھا کہ تم نے یہ فلیٹ کومل کو بخش دیا ہے''۔ میں دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ گیا۔
>
> ''ہاں، اب میری سابقہ بیوی اپنے نئے شوہر کے ہمراہ یہاں رہتی ہے۔'' میری حیرت کے جواب میں گنیش نے بڑی سادہ لوحی سے کہا۔
>
> ''لیکن آخر قصہ کیا ہے؟ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' میں عجیب کشمکش کے عالم میں تھا۔ کیا گنیش اپنی دماغی صلاحیت کھو بیٹھا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔
>
> ''اوہ، تم کچھ پریشان سے لگتے ہو؟'' گنیش میرا مزاق اڑاتے ہوئے بولا ''شاید غلطی میری ہی ہے۔ میں تمھیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا تھا کہ اب میں نے اسی فلیٹ میں ایک کمرا کرائے پر لے لیا ہے اور بطور پے انگ گیسٹ وہاں رہ رہا ہوں''۔ 1

---

1 (سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 107

اپنے ہی گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہنے والے شوہر کی کہانی کا آخری حصہ قاری کو چونکانے کے لئے کافی ہے۔

'آفت کی پڑیا' The Golden Girl کا ترجمہ ہے جسے Jack Brown نے لکھا ہے۔ اس کہانی میں دھوکہ بھی ہے اور سبق بھی۔ ابوالفرح ہمایوں نے ایسی ہی کہانیوں کا انتخاب کیا ہے جس میں کچھ نہ کچھ نصیحت بھی ہو اور قاری کو لگے اس نے کچھ نیا پڑھا ہے یا اس سے کچھ معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے شخص ہے جو اچانک ریس میں بہت سے پیسہ جیت لیتا ہے اور ایک غلطی سے سارے پیسے چلے بھی جاتے ہیں۔ ریس میں وہ بیس ہزار پونڈ جیت لیتا ہے۔ وہ یہ پیسے لے کر وہ کارنیوال پہنچتا ہے جہاں پر مختلف کرتب دیکھتا ہوا وہ ایک ایسے کرتب کی جانب بڑھتا ہے جہاں پر پانچ پونڈ کے عوض ایک ایسی لڑکی کا دیدار کرایا جاتا ہے جو کانچ کے شیشے میں بند ہے۔ چاروں طرف سے شیشہ ہے اور اندر ایک لڑکی بند ہے۔ لوگ جوق در جوق آتے ہیں۔ کہانی بیان کرنے والا شخص کہتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو دیکھ کر اچنبا میں پڑ جاتا ہے۔ تب ہی اس کھیل کا مالک اس سے کہتا ہے کہ وہ یہ کھیل اور اس گیند کو جس میں لڑکی قید ہے کو فروخت کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ جگہ چھوڑ کر جا رہا ہے۔ مول تول کی بات ہے اور آخر کار پیسے دے کر وہ اسے خرید لیتا ہے۔ اس لڑکی کا نام ایلینا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اور دوسرے تماشہ بتا کر پیسے کمانے کے خواب دیکھتے ہوئے سو جاتا ہے۔ صبح جب اس کی نیند بیدار ہوتی ہے تو اس کی دنیا ہی تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ خیمہ کا کرایہ پچاس پونڈ مانگنے والا اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اب اس کے جب میں صرف پچاس پونڈ بچے ہوئے ہوتے ہیں سترہ ہزار پونڈ لے کر وہ لڑکی بھاگ جاتی ہے اور ایک چٹھی چھوڑ جاتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے

> ''سترہ ہزار پونڈ کا بے حد شکریہ۔ وہ ظالم خص میرا شریک کار اور شوہر بھی۔ ہم دونوں مل کر تم جیسے احمقوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب تمہیں میرا یہ محبت نامہ ملے گا، میں اور میرا ساتھی انگلینڈ کی سرحد عبور کر کے فرانس پہنچ چکے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے، تم سے پھر کسی وقت ایسے ہی کسی سرکس میں ملاقات ہو جائے۔ تم مجھے اچھے لگے، اس لئے خبردار کر رہی ہوں کہ دوبارہ مجھے خریدنے کی حماقت نہ کرنا۔ اس رات بھی وہ ظالم آس پاس ہی موجود تھا۔ اگر تم میرے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کرتے تو یقیناً مارے جاتے''۔ تمہاری ہمدرد۔
>
> ایلینا۔[1]

1. سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 115)

بعض دفعہ انسان شاطر ہونے کے باوجود اپنے ذہن کچھ اور سوچتے ہوئے دھوکہ کھا لیتا ہے جو وہ سوچا بھی نہ ہوگا اسے وہ حادثہ دکھا دیتے ہیں۔ ایسا کچھ اس کہانی میں بھی دکھائی دیتا ہے۔

'تقدیر' Bad Luck کا ترجمہ ہے جسے Donald Jones نے لکھا ہے۔ یہ ایک ایسے بدنصیب شخص کی کہانی ہے جس کی قسمت اس کا ساتھ کبھی نہیں دیتی۔ اگر اس کے ہاتھ کوئی چیز لگ بھی جائے جس سے خوب ترقی کی جا سکتی ہے تو وہ اس کی قسمت کو بدل نہیں سکتی۔ یہ شخص نہایت قلاش ہے۔ اس کے پاس گھر کا کرایہ دینے بھی پیسے نہیں ہے۔ وہ قمار باز ہے اور گھوڑوں پر پیسہ لگا کر امیر بننے کا خواب دیکھتا ہے۔ ایک دن اس کے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس موجود ایک پاؤنڈ کو لے کر ایک شخص ایک اخبار دے کر کل یہیں ملنے وعدہ کرتے ہوئے چلا جاتا ہے۔ اب ایک پاؤنڈ بھی نہیں ہے صرف اخبار ہے۔ وہ اخبار پڑھنے بیٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس پر جو تاریخ لکھی ہے وہ آنے والے کل کی ہے۔ اب وہ ایسا قمار باز بن گیا ہے جس کے پاس جیتنے والے گھوڑوں کی لسٹ ہے، لیکن اس کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ وہ آنے والے حالات کو پڑھ سکتا تھا۔ اس نے دوسرے دن اخبار خریدا لیکن اس کو مکمل نہیں پڑھا۔ صرف ریس کے گھوڑوں کا نتیجہ پڑھا اور پیسہ کہاں سے حاصل کرے یہ سوچنے لگا۔ وہ پیسہ کے لئے مکان مالکن مسز اسمتھ کے گھر میں داخل ہو کر پیسے لیتا ہے تب ہی مالکن آجاتی ہے اور بحث و تکرار میں مسز اسمتھ گر جاتی ہیں اور ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ گھبراہٹ وہ بنا پیسے لیئے چلا جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ جواریوں کو راضی کرے گا کہ وہ انھیں پیسے جس کے بدلے وہ انھیں بڑھا چڑھا کر لوٹائے گا۔ بارش کا موسم ہے۔ سڑک خراب ہے۔ وہ تیزی سے ریس کورس کی طرف جاتا ہے۔ تب ہی ایک تیز رفتار لاری کی زد میں آجاتا ہے۔ جو اس کی موت کا سبب بنتی ہے۔ اس کے خاتمہ کے بعد اس کے ہاتھ میں موجود اخبار ایک گٹر میں گر کر غائب ہو گیا۔ وہ خبر جسے کوئی بھی نہ دیکھ سکا، کچھ اس طرح تھی:

> ''آج ہائی اسٹریٹ پر ایک شخص اچانک ایک لاری کی زد میں آکر ہلاک ہو گیا۔ پولیس کے ذرائع نے چھان بھین کے بعد بتایا کہ مرنے والے کا نام سام کوریگان تھا اور وہ مسز اسمتھ نامی ایک خاتون کے قتل کے الزام میں پولیس کو مطلوب تھا''۔[1]

اس کہانی میں تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں بدل سکتا یہ بتایا گیا ہے۔ اس شخص کے ہاتھوں میں جیتنے کا جادوئی اخبار آجاتا ہے پھر وہ جو نہیں جیت سکتا اور اُلٹا اپنی زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔ اس کی موت کی خبر اخبار میں لکھی ہوتی ہے اور اسے پڑھ

[1] سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 120)

بھی نہیں پاتا۔قاری کے ذہن میں سوال اُٹھتا اگر وہ پڑھ لیتا تو شاید کچھ اور تدبیر کر لیتا اور بچ سکتا تھا۔لیکن وہ تو ایک بدنصیب تھا۔

طاؤسِ زمرد، ایک ایرانی کہانی ہے جسے قدسیہ آفندی نے لکھا ہے۔ یہ کہانی جمشید نامی نوجوان کی ہے جو اپنے والدین کے انتقال کے بعد اپنے متمول چاچا کے گھر پر رہتا ہے۔اسے گھر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔گھر میں روپیوں پیسوں کی چہل پہل رہتی ہے۔نوکر چاکر سب کچھ ہے لیکن اس کے چاچا ہر چیز کو پیسوں میں تولتے ہیں۔ان کی بیٹی ایک ایسے شخص سے پیار کرتی ہے جس کے پاس دولت نہیں ہوتی۔زبردستی اس کے چاچا اس کی شادی کسی امیر شخص سے طے کر دیتے ہیں۔جمشید اپنی چچازاد بہن سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ شادی سے خوش ہے تب وہ بتاتی ہے کہ اسے خرم نامی لڑکے سے پیار ہے جو انجینئرنگ کی تعلیم ابھی ختم کیا ہے۔جمشید اپنے چاچا کو بتاتا ہے کہ وہ خرم سے شادی کرنا چاہتی ہے۔تو وہ انکار کر دیتی ہے کہ دو کوڑی کے لڑکے کو وہ اپنا داماد نہیں بنائیں گے۔اب وہ لڑکی تابندہ کے لئے ایک قیمتی ہیروں سے بنا ہوا ہار لا کر دیتے ہیں۔

جمشید سوچتا ہے کہ اس کی قسمت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔اس کی چچازاد بہن وہ قیمتی ہار اس کے سامنے سنگاردان میں رکھتی ہے۔موقع پا کر وہ نیکلس کے سارے ہیرے جواہر نکال لیتا ہے اور اسے واپس رکھ دیتا ہے۔جمشید کہیں دور جانے کا ارادہ کر لیتا ہے لیکن جانے سے پہلے وہ اپنی بہن سے بات کرنا چاہتا ہے۔اسے تابندہ بتاتی ہے کہ وہ خرم کے ساتھ تہران جارہی ہے اور وہ ابتدائی دن بسر کرلے گی۔جب جمشید پوچھتا ہے کہ ابتدائی دن کا خرچہ کیسے چلے گا تو وہ اس کے جواب میں جمشید کے پاؤں تلے زمین کھسک جاتی ہے جب تابندہ اسے بتاتی ہے کہ وہ ہیرے جواہر سے سجے نیکلس کو فروخت کر کے ابتدائی دن بسر کرلے گی۔وہ اپنی بہن کو ہیروں بھرا پیکٹ لوٹاتا ہے:

''میں نے ہیروں کا پیکٹ اُس کے ہاتھوں میں تھمادیا۔

''بہترین جذبات اور نیک خواہشات کے ساتھ۔کاش دنیا کی ہر خوشی تمہیں نصیب ہو۔

جہاں رہو، خوش رہو، الوداع''۔

الفاظ میرے جذبات کا ساتھ دینے سے قاصر تھے۔میری آواز بھرا گئی۔

تابندہ نے شکر گزار نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔یقیناً وہ جان چکی تھی کہ میں نے

اسے جو پیکٹ دیا ہے، اس میں کیا ہے۔

---

1 سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص 120)

اس سے پہلے کہ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آتا، میں تیزی سے باہر نکل
گیا۔1؎

جمشید اپنی بہن وہ تحفہ دے دیتا ہے جو اپنی زندگی کی پونجی سمجھتا ہے۔اس کہانی میں اخلاقیات کا درس ملتا ہے۔اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لوگ اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن جب انھیں پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی اور کے لئے بہتر ہے تو وہ قربانی بھی دے دیتے ہیں۔

''درون خانہ'، ہندی کہانی ہے جسے دلیپ سنگھ نے لکھا ہے۔ یہ کہانی بیگم افضال کی ہے۔کہانی کے شروع میں بیگم افضال کے بارے میں بتایا جاتا ہے جن میں اچانک تبدیلی آجاتی ہے ۔افضل صاحب کے غائب ہوجانے کے بعد سے وہ اتنی پریشان نہیں تھیں لیکن جب سے باغ توڑنے کی بات آجاتی ہے وہ کافی پریشان ہوجاتی ہیں۔

جیسے بلدیہ والے گھر کے قریب آتے جاتے ہیں بیگم افضال کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔جب بلدیہ والوں کی طرف سے بیگم افضال کی باغ نہ توڑنے کی درخواست رد کی گئی تو وہ غصے کے عالم میں آجاتی ہیں۔آخر باغ کو توڑنے کا دن آگیا۔ بلڈوزر جیسے داخل ہوا بیگم افضال نے پوری کوشش کرلی اور وہ بلڈوزر کے سامنے آجاتی ،کبھی دعائیں کرتی کبھی برا بھلا کہتیں۔آخر کو پولیس بلانی پڑی اور پولیس والوں نے اسے ایک کمرہ میں بند کردیا اور باہر دروازہ لگاکر کام کرنے لگے۔افسانے کا آخری حصہ چونکا دینے والا ہے ۔کھدوائی کے دوران اچانک آپریٹر نے بلڈوزر کو ایک طرف کھڑا کردیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کہیں غائب ہوگیا۔تھوڑی دیر میں پولیس کی ایک اور گاڑی آگئی۔سب لوگ حیران تھے۔تب ہی پولیس افسر نے کہا

''آپ لوگ غلط سمجھ رہے ہیں کہ ہم بیگم افضال کی مدد کو آئے ہیں، یا ہمیں کسی اور کی طرف داری کرنی ہے۔ ہم لوگ بیگم صاحبہ کو گرفتار کررہے ہیں۔کھدائی کے دوران ایک انسانی لاش برآمد ہوئی ہے۔ہمیں شبہ ہے کہ یہ مسٹر افضال کی لاش ہے۔مزید تفصیل آپ لوگوں کو اخبارات کے ذریعے مل جائے گی''۔2؎

افسانے کے آخر میں یہ حقیقت کھلتی ہے کہ مسٹر افضال ایبٹ آباد نہیں گئے بلکہ بیگم افضال نے انھیں قتل کردیا اور جس حصہ میں تدفین کی اسی حصہ کی بلدیہ کو ضرورت پڑ گئی۔اس کہانی میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ کبھی کبھی اپنے ہی اصل مجرم بھی ہوسکتے ہیں اور وقت کی لاٹھی ان پر ایک نہ ایک دن برستی ہی ہے۔

1؎ سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص128
1؎ سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص133

''آنکھ کا نشہ'' Man with the golden look کا ترجمہ ہے جسے Dormot Mcnally نے لکھا ہے۔

یہ کہانی ایک ایسے شخص کی ہے جو کمپنی کا منیجر ہے جس کے پاس ایک شخص اسٹیمپ آتا ہے جو جانوروں کو بھی ہپناٹائز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اس کی صلاحیت سے کمپنی کا منیجر متاثر ہوتا ہے۔وہ ایک پلان بناتا ہے کہ جس سے اس کی رقم جلد کئی گنا بڑھ جائے وہ بتاتا ہے

''میں سوچ رہا ہوں کہ ہم غیر معروف اور چھوٹے قصبوں میں ایسے گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں حصہ لیں جہاں زیادہ سے زیادہ چھ گھوڑے مقابلے میں حصہ لے رہے ہوں۔ پہلے ہم اس بات کی چھان بین کرلیں گے کہ ایسا کون سا گھوڑا ہے، جو مقامی لوگوں میں زیادہ معروف ہے اور جس کے جیتنے کے زیادہ امکانات ہیں، پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ دوسرا مقبول ترین گھوڑا کون سا ہے۔ ہماری رقم اسی گھوڑے پر لگی ہوگی، جس کے دورے نمبر پر آنے کے امکانات زیادہ ہوں گے اور پہلے نمبر پر آنے والے گھوڑے کو تم ہپناٹئز کروگے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ہمیں چند بار نقصان بھی اٹھانا پڑے۔ وہ یوں کہ جس گھوڑے کے بارے میں ہم فرض کرلیتے ہیں کہ یہ دوسرے نمبر پر آئے گا، تیسرے یا چوتھے نمبر پر آجاے، لیکن مجموعے طور پر ہم یقیناً فائدے میں رہیں گے۔ ہاں، ایک خاص بات اور نوٹ کرلو۔ تمہیں ایسا عمل کرنا ہے کہ وہ گھوڑا بالکل ہی ناکارہ ہوکر نہ رہ جائے، ورنہ عین ممکن ہے کہ مقابلہ ملتوی ہوجائے۔ تمہیں صرف کوئی ایسی ترکیب لڑانی ہے کہ آگے دوڑنے والا گھوڑا ذرا سست پڑ جائے اور دوسرے نمبر کے گھوڑے کو آگے جانے کا موقع مل جائے۔''[1]

شارٹ کٹ کے ذریعے سے پیسہ کمانے کا راستہ عام طور پر نقصان کی جانب لے جاتا ہے۔اس کہانی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب ساری تیاریاں ہوجاتی ہے تب پتہ چلتا ہے تمام گھوڑوں کی آنکھوں پر سیاہ چمڑا منڈھا ہوا ہے۔اس طرح بیس ہزار پاؤنڈ کی رقم ڈوب جاتی ہے۔

''ہٹلر'' Adolf Hitler کا ترجمہ ہے جسے Shirley Jackson نے لکھا ہے۔ یہ ایک تمثیلی کہانی ہے جس میں یہ

1 سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 136

بتایا گیا ہے کہ ایک انگوٹھی کھوگئی ہے جسے پہننے پر آدمی میں غیبی طاقتیں آجاتی ہے اور وہ بہت زیادہ خون خرابہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں بتایا گیا ہے

''یقین کرو یا نہ کرو مگر حقیقت یہ ہے کہ اس انگوٹھی میں برائی کی بہت بڑی قوت پائی جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ انسانی برادری کو اس کی بدولت کوئی نقصان پہنچے اسے ہر قیمت پر ضائع کر دینا چاہئے۔ وہ ابلیس کی انگوٹھی ہے، جو نجانے کس طرح چنگیز خان کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی اور بعد میں اسے نپولین کی انگلی میں دیکھا گیا۔ اس کا آخری مالک قیصر روم تھا۔ وہ انگوٹھی جس شخص کے پاس جاتی ہے اسے انتہائی عظمت عطا کرتی ہے اور اس کے اندر ایسی خوبی پیدا کر دیتی ہے کہ قومیں اس کی جنبش ابرو پر اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتی ہیں''۔1

اچانک یہ انگوٹھی کھو جاتی ہے جو ایک مزدور لے کر چلا جاتا ہے۔ معمولی مزدور جو انگوٹھی لے جاتا ہے اس کا نام ''اڈولف ہٹلر'' رہتا ہے۔ اس طرح کہانی ختم ہوتی ہے۔

''مردِ میدان'' The Cricket Boy کا ترجمہ ہے مصنف کے مطابق جسے Liaostsai نے لکھا ہے جب کہ انٹرنیٹ پر تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ چینی کہانی ہے جسے Feenie Ziner نے لکھا ہے۔ یہ ایک جھینگر لڑانے والے بچہ کی کہانی ہے۔ یہ ایک طویل کہانی ہے جس میں جھینگروں کی تلاش سے لے کر اسے لڑوانے اور جدوجہد کی داستان درج ہے۔ اس کہانی میں بچہ کو جھینگر بن کر مقابلہ کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

کیتی نامی بچہ جھینگروں سے مانوس ہے اور ایک دن جھینگر کو کلاس میں لے آتا ہے جسے ٹیچر پیروں تلے مسل کر مار دیتا ہے۔ کیتی کو یہ برداشت نہیں ہوتا اور وہ ٹیچر کی پیٹھ پر سوار ہو کر گردن دبانے لگتا ہے۔ ٹیچر اسے زمین پر پٹک دیتا ہے۔ ایک دن بادشا اعلان کرتا ہے کہ جھینگروں کے مقابلہ کے لئے جھینگر لا یا جائے۔ چوں کہ کیتی باپ حکومت کا ملازم ہوتا ہے اسے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی حال ایک عمدہ لڑاکا جھینگر پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ جب بچہ دیکھتا ہے کہ اس کے والد بھی جھینگروں کی تلاش میں پھر رہے ہیں تو وہ اپنی ماں سے اس کی وجہ دریافت کرتا ہے ماں بتاتی ہے:

1۔ سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 141

شہنشاہ کے لئے! تمہارے باپ گاؤں کا مکھیا ہے۔اسے مجسٹریٹ کی جانب سے یہ حکم ملا
ہے کہ ایک عمدہ سالڑا کا جھینگر پکڑ کر بھیج دو۔اب خود ہی سوچو، بادشاہ کے حکم سے سرتابی کی
مجال کس میں ہے؟''1

کیتی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ معاملہ سنجیدہ ہے اور دس دن میں ایک طاقتور جھینگر پکڑ کر لڑوانے کے لئے دینا ہے ورنہ والد کی نوکری جاسکتی ہے اور اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اسے انعام واکرام ملے گا۔ بڑی مشکلات کے بعد آخر کیتی اوراس کے والد کو ایک جھینگر مل جاتا ہے جسے وہ ایک جار میں بند کردیتے ہیں اور کیتی کو حکم ملتا ہے کہ وہ اس کے قریب نہ جائے۔لیکن کیتی دیکھنے کے لئے اس کے قریب جاتا ہے اوراس کی آواز سنائی نہ دینے پراس کا ڈھکن کھول دیتا ہے۔فوری جھینگر باہر آجاتا ہے۔ اس کو پھر سے پکڑ کے واپس ڈالنے کے دوران اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔اب لنگڑا جھینگر کیا لڑائی کرے گا۔

کیتی کا چہرہ موت کے خوف سے سفید پڑ گیا۔اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور بے اختیار گھر سے نکل گیا۔گھر سے نکل کر وہ ایک گڑھے کے کنارے بے سدھ پڑا ہوا ملتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے کہ ''میں نے اسے مارڈالا ہے۔ میں نے اپنے باپ کی امیدوں کا خون کردیا ہے۔ میں نے چمپئن جھینگر کو مارڈالا ہے''۔لیکن کیتی صدمہ سے باہر نہیں نکلتا اور وہ کسی کو پہچاننے سے بھی انکار کردیتا ہے۔

کیتی کا باپ جھینگر کی تلاش میں تھا جسے وہ پیش کرسکے لیکن اسے ایک دن گھر میں اسے جھینگر ملا جو بالکل چھوٹا تھا لیکن چنگ نے اسے پکڑنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود آکر چنگ کی آستین پر بیٹھ گیا گویا کہہ رہا ہو کہ مجھے گرفتار کرلو۔اس کے بعد چنگ اس پکڑ کر مجسٹریٹ کو دینے سے پہلے پڑوسی سے لڑاتا ہے اور وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے کہ چھوٹا جھینگر جیت جاتا ہے۔ایک مہینے بعد نتیجہ کا دن آنے والے ہے لیکن کیتی کے والد چنگ کچھ امید کرتے ہیں کہ جھینگر جیتے گا لیکن کیتی ماں کہتی ہے

''بھلا وہ پدّا سا جھینگر اتنا بڑا مقابلہ کا جیتے گا! نجانے وہ ضلع بھر میں اول کیسے آگیا۔
اسے تو بس ایک ہی ترکیب آتی ہے، اُچھل کر گردن پر سوار ہوجانا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی
ہوا جیسے کیتی ایک بار اپنے ماسٹر کی پیٹھ پر سوار ہوگیا تھا اور ماسٹر نے اسے اٹھا کر زمین پر پٹک
دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کسی دن تمہارے پیارے جھینگر کا بھی یہی حشر ہوگا''۔2

---

1 سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص146
(سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص153

مقابلہ ختم ہوا اور ادھر کیتی کہنے لگا ’’میں جیت گیا ہوں‘‘۔ اچھا ہونے کا بعد کیتی نے اپنے والد سے معافی مانگی اور اس کے والد نے معاف کر دیا اور کہا کہ اب اس کی ضرورت بھی نہیں کیوں کہ مجھے دوسرا جھینگر ملا جس کی مجسٹریٹ نے خوف تعریفیں کی اور یہ مقابلہ جیت جائے گا۔ کیتی اچھا ہونے کے بعد عجیب باتیں کرتا ہے جیسے وہ اہ بلوط کے پھل کہتے ہیں اچانک وہ بول اٹھتا ہے کہ میں نے یہ پھل شاہی محل میں بھی کھائے۔ اس کی ماں کہتی ہے وہ خواب دیکھا ہوگا تب وہ اپنی ماں سے کہتا ہے:

> ’’نہیں ماں! میں خود وہاں موجود تھا۔ مجھے اب یاد آ رہا ہے۔ جب مجھے سونے کے پنجرے میں سے نکالا گیا تو میں نے دیکھا کہ بے شمار خواتین رنگ برنگے ریشم واطلس کے شاندار لباس پہنے رنگین تتلیوں کی طرح ادھر ادھر ڈولتی پھر رہی ہیں۔ ان کے جسم ہیرے جواہرات سے بوجھل ہو رہے تھے۔‘‘[1]

کیتی سارے واقعات اس طرح بیان کرتا ہے جسے وہ خود وہاں تھا۔ اس نے مقابلے کی روداد بھی ایسے سنائی جیسے وہ وہاں تھا۔ اس نے یہ بتایا کہ روز اس کا مقابلہ کسی نہ کسی جھینگر سے ہوتا تھا اور کس طرح اس نے آخری مقابلہ میں خوفناک بڑے جھینگر کو ہرایا اور قومی چمپئن بن گیا۔ اسے بتایا گیا کہ مقابلے بعد قومی چمپئن کا اعزاز حاصل کرنے کے بعد وہ چھوٹا جھینگرا چانک سونے کے پنجرے سے غائب ہو جاتا ہے۔ کیتی خاندان والوں کو یہ خوش خبری ملتی ہے کہ ان کا جھینگر کامیاب ہو گیا اور اب انھیں ماہانہ وظیفہ بھی ملے گا۔ کہانی کے اختتام میں بتایا جاتا ہے:

> ’’چنگ اب ایک مال دار آدمی اور بڑا عہدیدار بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی کیتی میں بھی ایک خاص تبدیلی پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ چمپئن جھینگر ہی کی طرح چست اور پھرتیلا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے انگ انگ میں بجلی بر گئی ہو‘‘۔[2]

یہ کہانی اگر چہ ظاہری طور پر یہ بتاتی ہے کہ لڑکا خود جھینگر بن کر مقابلہ جیت جاتا ہے اور پھر انسان بن جاتا ہے۔ جھینگر بننے کے بعد انسانی جسم میں جان ہی نہیں رہتی لیکن پھر واپس انسان بننے کے بعد وہ قوی اور طاقتور بن جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کہانی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مشکل حالات کا مقابلہ جوانمردی سے کرنا چاہئے اور مدمقابل اگر طاقتور ہو بھی تو اس کے مقابلے میں پوری قوت لگا دینا چاہئے۔

1۔ سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص155

2۔ سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص158

'ہار جیت' The Valiant Woman کا ترجمہ ہے جو Ralf Elison نے لکھا ہے۔ یہ کہانی آبری نامی شخص کی ہے جس کی بیوی ڈیلیز ہے اور وہ گولف گراؤنڈ میں فنلے سن نامی شخص کو بڑی مشکل سے شکست دیتا ہے۔ اسے ڈریسنگ روم میں ایک گھڑی ملتی ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ یقیناً فنلے سن کی ہی ہے۔ وہ اسے لوٹانے کی بجائے گھڑی اپنے ساتھ لے آتا ہے تاکہ اپنی بیوی کو بتائے کہ وہ گھڑی جیت کر لیا ہے۔ اپنی اہلیہ کے سامنے اپنی کامیابی بتا کر اسے مرعوب کرنے کی کوشش میں اس کی بیوی کی بے وفائی آشکارہ ہو جاتی ہے۔ چونکا دینے والے انجام، بے وفائی کے افشا سے ختم ہوتی ہے۔

'سوچا تھا کیا' A Glimpse of Venus کا ترجمہ ہے جسے Heather Vineham نے لکھا ہے۔ یہ ایک کنجوس مکھی چوس کولن کی کہانی ہے۔ یہ اپنی طرف سے کسی کو کچھ بھی تحفہ دینے سے کتراتا ہے۔ کم قیمت اور بے کار چیز ہی کسی کو دیتا ہے۔ اس کی نظر میں ایک بیکار سا ڈیسک ہوتا ہے جو وہ بیوہ آنٹی کو دیتا ہے لیکن ایک ہفتہ بعد اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیش قیمت تحفہ تھا۔ اس کے ہاتھ اس کے انکل جارج کا لیٹر لگ جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے:

''عزیز لڑکے!

بہت جلدی میں یہ چند سطور گھسیٹ رہا ہوں۔ تمہیں وہ پرانا وکٹورین ڈیسک یاد ہوگا، جو تمہارے ہی گھر کے ایک کونے میں کھڑکی کے قریب رکھا ہوا ہے۔ یہ میں نے جان بوجھ کر تمہارے پاس اسی لئے رکھ چھوڑا تھا کہ میں تمہیں بطور تحفہ عطا کرنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک خفیہ دراز میں ایک بہت ہی نادر شے موجود ہے، جو میں نے ایک آرٹ گیلری سے نہایت کم داموں میں خرید کر اس دراز میں محفوظ کر دیا تھا۔ یہ عظیم فن کار ونسنٹ وان گف کا شاہکار پورٹریٹ 'محبت کی دیوی کی ایک جھلک' کے نام سے منسوب ہے۔ ماہرین کی تحقیقات کے مطابق ایک حادثے میں یہ تصویر تھوڑی سی جل گئی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی ظالم دیو نے کسی حسین شہزادی پر حملہ کر کے اس کی گردن کا تھوڑا سا گوشت نوچ لیا ہو۔ چنانچہ اس بات میں اب کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہمارے پاس جو پورٹریٹ ہے وہ بالکل اصلی ہے۔ میں زندگی میں اس کا سودا نہ کر سکا، لیکن اب یہ تمہاری نذر کر رہا ہوں۔ تم میری عزیز بھتیجی کیرول کے شوہر ہو اور مجھے اندازہ ہے کہ تم لوگ کس قدر کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہو''۔

فقط تمہارا انکل جارج ''[1]

[1] (سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 163)

اس خط کے بعد مطالعہ کے بعد 100 پونڈ دے کر وہ واپس ڈیسک بھیجنے کی گذارش کرتا ہے۔ ایک ہفتہ بعد ڈیسک موصول ہو جاتا ہے۔ لیکن جیسے کولن اسے دیکھتا ہے اس میں صرف تختہ ہوتا ہے وہ پورٹریٹ نہیں ہوتا۔ وہ غصہ میں کہتا ہے اس بڑھیا نے مجھے لوٹ لیا۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ کون کہتا ہے کہ وہ احمق تھی۔ جب وہ تحقیق کرنے آنٹی کے گھر پہنچتے ہیں تو انھیں وہ کیونس نہیں ملتا۔ بلکہ آنٹی اس کیونس پر اپنے کتے 'جیکی' کی تصویر بنا چکی ہوتی ہیں۔ آنٹی الزبتھ کہتی ہیں:

> ''یہ کیونس تمہارا ہی دیا ہوا تحفہ ہے۔ ڈیسک کی اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد یہ ٹکڑا مجھے ملا اور مجھے اس کا بہترین استعمال یہی نظر آیا کہ اس پر 'جیکی' کا پورٹریٹ بنایا جائے''۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب وغریب مسکراہٹ کھیل رہی تھی، گویا وہ سب کچھ جانتی ہوں اور جان بوجھ کر کولن کے جذبات کا مذاق اڑا رہی ہوں۔ ''یہاں درمیان میں ایک حسین عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی، لیکن وہ بھی نیم سوختہ۔ اس کی گردن بُری طرح زخمی تھی۔ مجھے یہ کریہہ المنظر چہرہ ایک آنکھ نہ بھایا اور میں نے وہ حصہ کاٹ کر آتش دان میں ڈال دیا۔ دونوں حصوں کو جوڑ کر مضبوط بنانے کے لئے میں ایک دوسرا بڑا ٹکڑا اس کے پیچھے چسپاں کر دیا اور پھر 'جیکی' کا پورٹریٹ بنا ڈالا'' [1]

اس طرح کنجوس شخص نے اپنی نادانی سے وہ قیمتی پوٹر پہلے تو بھیج دیا لیکن جب بڑی رقم آنٹی کو دیا تو اسے وہ قیمتی پینٹنگ تو نہ ملے لیکن سو پونڈ کی رقم آنٹی کو ضرور مل گئی۔ لالچ کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے سو پاؤنڈ بھی گئے اور وہ قیمتی پینٹنگ بھی گئی۔ سچ کہا گیا ہے ''لالچ بری بلا ہے۔''

'رازداں' Secret Technology کا ترجمہ ہے جسے William Fitzgerald نے لکھا ہے۔ اس کہانی میں امیر بننے والے شخص کی کہانی بتائی گئی ہے۔ اس کے تمام دوست واحباب یہ جاننے کے لئے جمع ہوتے ہیں کہ ان کا غریب دوست اچانک امیر کیسے بن گیا۔ وہ ایک کہانی سناتا ہے اور دوستوں سے کہتا ہے کہ درمیان میں خلل نہ ڈالے۔ وہ ایک بگلے کے بچے کی کہانی سناتا ہے کہ بگلے کا بچہ زخمی حالت میں ملتا ہے جس کی وہ تیمارداری کرتا ہے۔ اسے چھوٹی مچھلیاں کھلاتا ہے۔ جب بگلا بڑا ہوتا ہے تو قیمتی اشیاء کہیں سے اٹھا کر لاتا ہے جس کے ذریعہ اس کی مدد کرتا ہے۔

---

[1] سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 166

دیکھتے دیکھتے وہ امیر بن جاتا ہے لیکن وہ سوچتا ہے کہ غلط کام کرنے والے کبھی نہ کبھی تو کسی حادثے کا شکار ہو ہی جاتے ہیں اور اس مفروضے کے پیش نظر ایک نہ ایک دن بگلے کا انجام بھی ہولناک ہونے والا ہے، لہٰذا کیوں نے اس وقت تک صبر کیا جائے جب تک بگلے پر بُرا وقت نہیں آتا۔ جس روز وہ واپس نہیں آئے گا، اس روز میں آئندہ پروگرام کا لائحہ عمل تیار کروں گا۔ ایک دن اس کا بگلا زخمی حالت میں آتا ہے۔ لیکن وہ ساتھ میں مالک کی موت بھی لے کر حاضر ہوتا ہے

> ''جس چیز کو میں نے قیمتی زمرد کا کنگن سمجھا تھا وہ ایک بے حد زہریلا اور خطرناک سانپ تھا۔ اس کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں ۔ میرا تمام جسم نیلا پڑ چکا ہے اور میں بس چند لمحوں کا مہمان ہوں آج میں اپنے مہربان دوست محسن کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے والا تھا، لیکن قدرت کی طرف سے میرے تمام گناہوں کی سزا مجھے اسی بے ضرر پرندے کے ذریعے مل گئی''۔1

میرے مرحوم دوست کی داستان یہاں ختم ہوتی ہے۔ اس دوست کی دولت اب میری ہے اور اس میں میں نے خوب اضافہ کیا اور ترقی کی ۔ یہ دولت اسی کی وجہ سے ہے۔ کہانی کے آخر میں تمام واقعات بیان کرنے کے بعد عزیز دوست کا نام بتانے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس کے دوست باہر بگلے کی تلاش میں چلے جاتے ہیں۔

'مردم شناس' A Man Who Works کا ترجمہ ہے جسے A.C.Hoffman نے لکھا ہے۔ یہ ایک بینک چور کی کہانی ہے جو ایک ٹیم جمع کرتا ہے تا کہ سرنگ بنا کر بینک میں چوری کی جاسکے۔ وہ تین ساتھیوں کو بھی جمع کرتا ہے۔ جوالزمور کی مدد کرتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کو ہدایت دیتا ہے:

> ''یاد رکھو! الزمور نے مزدوروں کو مخاطب کیا، ''چھ فٹ کی کھدائی کے بعد ایک پائپ نظر آئے گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ اس پائپ کے ساتھ ساتھ کھدائی کرتے چلے جاؤ، کیونکہ یہ راستہ بینک کے خزانے کے فرش تک پہنچتا ہے۔ ہمیں کل شام چھ بجے تک اس جگہ پر پہنچ جانا چاہئے۔ اس وقت تک بینک بند ہو چکا ہو گا اور عمارت بالکل خالی ہو گی''۔2

بچوں کے لئے کھانے پینے کی اشیاء اور کھلونے بیچنے والی بڑھیا مردم شناس ہوتی ہے وہ پہچان لیتی ہے کہ دال میں کچھ

1 سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص173
2 سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص176)

کالا ہے جیسے یہ چاروں بینک میں سرنگ کے ذریعے داخل ہوتے ہیں پولیس انھیں گھیر لیتی ہے۔ بڑھیا کہتی ہے کہ میں نے پولیس کو فون کیا تھا اور مجرموں کی طرف دیکھ کر کہتی ہے:

> میں نے ہی انھیں ٹیلیفون کیا تھا کہ یہاں کوئی شدید گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے۔ اس شبے کی وجہ یہ تھی کہ تم لوگ عام مزدوروں کے مقابلے میں بے حد چست و چالاک دکھائی دیتے ہو۔ تم نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ تم میں سے کسی نے ایک سگریٹ تک نہیں پی۔ لنچ کے لئے بھی کام بند نہیں کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ تمہارا فورمین ہر آدمی سے بڑی نرمی اور شائستگی سے گفتگو کر رہا تھا، چنانچہ یہ بات ظاہر تھی کہ تم لوگ کسی ذاتی فائدے کے لئے کام کر رہے تھے۔ سرکاری ملازمین اس قدر جاں فشانی اور فرض شناسی کا مظاہرہ نہیں کرتے''۔1

اس کہانی میں یہ بتایا گیا ہے ایک مردم شناس بڑھیا اپنے تجربہ کی بنیاد پر مزدوروں کو دیکھ کر پہچان لیتی ہے کہ وہ مزدور نہیں ہے بلکہ کچھ اور کام سے آئے ہیں۔ دوسری جانب یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ سرکاری مزدور ٹھیک طرح سے کام نہیں کرتے۔

''غیبی قوت'' An Old Fasion Story کا ترجمہ ہے جسے John Hawks نے لکھا ہے۔ یہ ایک ایسے بچے کی کہانی جس کے پاس غیبی قوت ہوتی ہے جو ہونے والے واقعات کو پہچان لیتا ہے۔ ایک کتا سڑک پار کر رہا ہوتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں تیز رفتار کار کی زد میں آجائے گا ٹیڈی کہتا ہے کہ وہ بچ جائے گا اور وہ بچ جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف مواقع پر بچہ کی بات صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کی غیبی طاقت بھی اسے موت سے نہیں بچاسکتی ہے. یہ کہانی میں جہاں بچے کے پاس غیبی طاقتیں بتائی گئیں ہے وہیں پہ انکل سے نفرت نے اسے اس کمرہ میں جانے پر مجبور کردیا جہاں اسے پتہ تھا کہ اس کی موت واقع ہونے والی ہے۔

'دلدل' Premium of Murder کا ترجمہ ہے جسے Mignon G.Eberhart نے تحریر کیا۔ یہ ایک طویل کہانی ہے جس میں دھوکہ ہے، مال کی محبت ہے، اپنوں کا قتل ہے۔ راجر دراصل ایک کام چور شخص ہے جو دولت کے لالچ میں ایک بیوہ عورت پونائس سے یہ سوچ کر شادی کرتا ہے کہ اس کے پاس دولت ہے لیکن اس کے پاس دولت نہیں ہوتی۔ اس کے زندگی کے

1 (سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص158

پریمیم کے لئے وہ اسے پرفیکٹ مرڈر کرتا ہے۔اب وہ اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ کب وکیل آئے اور اسے پریمیم کی رقم حوالے کرے۔ایک دن وکیل آتا ہے لیکن اس کی مرضی کے خلاف اسے کچھ مختلف ہی بات بتاتا ہے۔

اب راجر پریشان ہوجاتا ہے کہ اسے قتل کیسے ثابت کرے چوں وہ خود قاتل ہے اگر خود قاتل ہے یہ بات معلوم ہوجائے تو اسے دولت نہیں سزا ملے گی۔وہ ایک دوسرا پلان بناتا ہے اور اپنی محبوب کو قتل کے الزام میں پھانسنے کے لئے حویلی میں لے آتا ہے اور اسے زہر بھری گلاس دیتے ہوئے پینے کے لئے کہتا ہے۔

وہ اسے شراب پلا کر قتل کرنا چاہتا تھا لیکن سیلی راجر کی حقیقت سے واقف ہوچکی تھی۔اس نے لاکھ منانے کے باوجود شراب نہیں پی۔بعد میں جب راجر کی بیوی کا بھائی بل اس گلاس کو پینا چاہتا ہے تو سیلی اسے منع کر دیتی ہے۔راجر کافی پریشان ہوجاتا ہے اور وہ پستول نکال کر حملہ کرنے والا ہوتا ہے کہ اس پر حملہ ہوجاتا ہے۔

راجر کی موت کے بعد سیلی ،بل کو بتاتی ہے کہ پونائس نے موت سے قبل اسے سب کچھ بتادیا کہ برف میں زہر ملایا گیا تھا اور میں نے جان بوجھ کو برف استعمال کیا۔اس لئے میں نے وہ شراب نہیں پی۔

آخر میں پولیس کو بلایا جاتا ہے سب کچھ بتایا جاتا ہے کہ پونائس نے خودکشی نہیں کی بلکہ قتل کیا تھا اور اس کا قتل راجر تھا جو اب مر چکا ہے اس لئے اس کی پریمیم کی رقم اب پونائس کے بھائی بل کو ملی چاہئے اس طرح سیلی پولیس میں بیان دیتی ہے اور دونوں چند لمحے رک کر آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہیں خوشی خوشی کاٹیج میں رہنے چلے جاتے ہیں۔دولت کے لالچ میں راجر بیوی کو قتل کرتا ہے اور خود بھی مارا جاتا ہے لیکن دولت سیلی اور بل کو مل جاتی ہے۔

'دستِ ابلیس' Black cat screaming کا ترجمہ ہے جسے Joy Williams نے لکھا ہے۔یہ ایک منحوس سمجھی جانے والی بلی کی کہانی ہے۔

اس بلڈنگ کا کرایہ دار ریمنڈ اس بلی کے پیروں میں آنے سے گر جاتا ہے اور اُٹھ کر کھڑا ہوتا ہے تب ہی اس کی مالکن اسے گڈ مارننگ کہتی ہے لیکن وہ غصہ کے عالم میں کہتا ہے:

مسز ربیکا نے مسکرا کر کہا،''اس حسین صبح کو آپ کا مزاج کیسا ہے؟''

''کون سا حسن نظر آرہا ہے تمہیں ااج کی سبح میں؟'' ریمنڈ نے جاننا چاہا،''ہر چیز روزمرہ کے مطابق ہے۔تمہارے اس اپارٹمنٹ ہاؤس کی تمام ٹونٹیاں ہمیشہ کی طرح لیک

کررہی ہیں، ہیٹر معمول کے مطابق ناکارہ ہیں، کھڑکیاں حسب معمول ٹوٹی ہوئی ہیں اور رایہ حسب دستور آسمان سے باتیں کررہاہے۔صرف یہی نہیں۔اب تو تم نے سیڑھیاں اتر ہوئے لوگوں کے پھسلنے کے لئے ایک عدد بلی کا بھی انتظام کرلیا ہے۔وہ تو خدا کا شکر ہے کہ میری ٹانگ ٹوٹنے سے بچ گئی''۔1

مسز ربیکا اپنے کرایہ دار کی باتیں سن کر بہت غصہ میں آجاتی ہے اور اگر ریمنڈ رخصت نہ ہوا ہوتا مسز ربیکا کے ہاتھوں اسے اپنے کسے ایک عضو سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا لیکن یہ غصہ انھوں نے بیوٹی پارلر میں غریب میڈلین پر نکالا۔ اگرچہ مسز ربیکا 12 سالوں سے میڈلن کے پاس آتی ہیں لیکن اس مرتبہ انھوں نے اتنے نقص نکالے میڈلن کے کام میں اسے نوکری سے نکال دیا گیا۔

میڈلین ایک ادھیر عمر کی کم گو اور بردبار عورت تھی، جو اپنے گھٹنوں کے دائمی درد کے باوجود ملازمت کررہی تھی۔پھر بھی اس کا شرابی شوہر جو ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا، اسے اکثر مارتا پیٹتا اور گالیاں دیتا تھا۔اسے جب نوکری نکال دیا گیا اور تجربے کے سٹیفکیٹ بھی نہ دینے کی بات کی گئی تو وہ غصے میں گھر چلی گئی۔گھر جا کر اس نے کھانا تیار کیا۔میڈلین نے اپنے شوہر کا پسندیدہ کھانا بنایا تھا۔اتنا سب کرنے بعد جب اس کے شوہر نے اسے کہا کہ نمک زیادہ ہے تو اسے بہت غصہ آیا لیکن اس نے مسکراتے ہوئے شوہر سے پھر سوال کیا الفریڈ تم نے کیا کہا۔اس کیا بعد کیا ہوا:

''اس کے شوہر نے پانی کے گھونٹ کی مدد سے اپنے منہ میں موجود ملغوبہ نگلا اور اونچی آواز میں کہا،''گوشت میں نمک تیز ہے۔''

''اچھا؟''اس نے بڑے سکون سے کہا اور چپل پہن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

باورچی خانے میں جا کر اس نے ایک دراز سے گوشت کاٹنے کا بڑا چھرا نکالا اور خاموشی سے اپنے شوہر کے عقب میں پہنچ گئی۔اس کے بعد اس نے ایک ایسی حرکت کی جو وہ پچھلے پندرہ برس سے کرنا چاہ رہی تھی۔یعنی اس نے چھرا ہوا میں بلند کیا اور پوری طاقت سے اپنے شوہر کے سر میں اُتار دیا۔اس کے شوہر کا سر خربوزے کی طرح دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔2

1 سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص 204

2 سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص 207

اس طرح ایک بلی کی وجہ سے ایک شخص کی جان چلی گئی۔اس بلی کو منحوس قرار دینے کے لئے آخر میں یہ لکھا گیا ہے:

''قدیم یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ شیطانی روحیں عموماً کالی بلیوں کے جسم میں حلول کر جاتی ہیں۔کم از کم ربیکا کی بلی کی حد تک تو یہ عقیدہ سوفی صد درست تھا۔آپ کا کیا خیال ہے؟''[1]

یقیناً قاری بھی اتنی سے اتفاق کو کسی بد روح کے اثرات پر ہی مبنی سمجھے گا۔اس کے ذہن میں مختلف نتائج گھر کر آئیں گے۔

''پیٹ بڑا بدکار ہے بابا'' ترکی کہانی ''جودت قدرت'' کا ترجمہ ہے جسے قصر ابیض نے لکھا ہے۔یہ انتہائی حساس کہانی ہے پتھر دل انسان بھی اس کہانی کو پڑھ جذبات سے مغلوب ہوجاتا ہے۔غربت اور حالات کے مارے ایک خاندان کی کہانی ہے۔یہ غریب خاندان کا سربراہ درسن آغا ہے جو پانی بیش کرا پنا گھر چلاتا ہے۔ایک دن اچانک اس کی موت کی خبر آتی ہے۔

گھر چلانے کی تمام ذمہ داری اٹھانے والے کا انتقال ہوجانے سے گھر میں رہنے والوں کا دانہ پانی بند ہوجاتا ہے۔ انتقال جس گھر میں ہوجائے وہاں رسم کے طور پر تین محلے والے اور رشتہ دار کھانا بھیجتے ہیں۔

اچھا کھانا کھانے کے بعد ان کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔تحسین آفندی نام کا آدمی گھوڑا گاڑی میں بسکٹ وغیرہ لے کر جاتا ہے لیکن جیسے ہی گلناز اس سے کچھ ادھار مانگنے کے بارے میں سوچتی ہے وہ تیزی سے آگے بڑھ جاتا ہے۔بچوں کا بھوک سے برا حال ہے۔

بھوک کی وجہ سے بڑے لڑکے کا برا حال تھا۔دونوں کی بچوں کی شکلیں ہیبت ناک دکھائی دے رہی تھی۔بڑا بیٹا دکان سے ادھار مانگنے جاتا ہے لیکن اتنی سردی دکان جانے کے باوجود اسے ادھار نہیں ملتا۔لڑکے کو سخت سردی لگ جاتی ہے اور وہ بخار کی وجہ سے کراہنے لگتا ہے۔افسانے کے آخر میں غربت اور انسانوں کی سنگدلی کی طرف اس طرح ضرب لگائی گئی ہے:

چھوٹے لڑکے کو بھوک کے مارے نیند نہیں آرہی تھی۔وہ اپنے بستر پر پڑا اپنے بھائی کی حالت کا جائزہ لیرہا تھا۔ایک بار پھر جب بڑے لڑکے کی حالت اور خراب ہوگئی تو چھوٹا اٹھ بیٹھا اور ہلکے دھیمے انداز میں اپنی ماں کے کان میں بولا''ماں! کیا بھائی مرجائے گا؟''

---

1. سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص 207

گلناز دہشت سے کانپ اٹھی۔اس کے پورے جسم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔اس نے خشمگیں نگاہوں سے بیٹے کو گھور کے دیکھا۔''تم نے یہ سوال کیوں کیا؟''

چھوٹا لڑکا ماں کی نگاہیں دیکھ کر سہم گیا۔وہ ایک لمحہ جھجکا اور پھر ڈرتے ڈرتے بولا،''وہ جلدی سے مرجائے تو اچھا ہے، پھر سفید کوٹھی والے ہمارے لیے بہت سا اور بہت لذیذ کھانا بھیجیں گے۔''1

کہانی کے اختتام پر قاری کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ کیا صرف کسی کے موت پر کھانا بھیجنا ہی ذمہ داری ہے اور یہ ہی رسم ادا کر کے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔کیا محلّہ والے اور غریبوں کا امیروں پر کوئی حق نہیں ہے۔

''میں نشے میں ہوں'' Welcome to the Basement کا ترجمہ ہے جسے Jack London نے لکھا ہے۔ یہ ایک شرابی شوہر کی کہانی ہے جو شراب نشے میں جو بول دیتا ہے اسے بعد میں بھول جاتا ہے۔اس کہانی کے ہیرو کا نام مسٹر پریبل ہے جو درمانی عمر کا آدمی ہے۔ اس کے پاس ایک نوجوان سنہرے بالوں والی سیکریٹری سے جسے وہ کہتا ہے چلو کیتھ! ہم دونوں بھاگ چلیں،اور جواب میں سکریٹری کہتی میں تیار ہوں مسٹر پریبل!۔

ایک دن مسٹر پریبل نے کیتھ سے بھاگنے کی بات کی تو وہ فوری راضی ہوگئی اور اس نے کہا کہ اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ تیار ہے۔لیکن پھر وہ اپنی بیوی سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ انھیں یقین ہے کہ ان کی بیوی انھیں کسی بھی حال میں نہیں چھوڑے گی۔وہ اپنی بیوی کو تہہ خانے میں لے جا کر ہلاک کرنے کا پلان بناتا ہے۔

کافی سمجھانے کے بعد اس کی بیوی تیار ہو جاتی ہے اور وہ خود ہی کہتی ہے تم مجھے قتل کرنے کے لئے یہاں لائے ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے شوہر سے کہتی کہ تم اتنی سردی میں یہاں کیوں لائے ہو اور گرما تک انتظار کرتے۔تہہ خانے میں کتنی سردی ہے۔ کس سے مجھے قتل کروگے پوچھنے پر وہ کہتا ہے کہ میں پھاوڑے سے تمہیں ختم کردوں گا۔مسز پریبل نے اپنے شوہر کو ایک ہتھیار تلاش کرنے کے لئے بھیج دیا اور کہا کہ وہ زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکتیں اور جلد سے جلد یہاں آئے۔لیکن یہ قتل کے بجائے کہانی عجیب موڑ پر اس طرح ختم ہوتی ہے:

''گھبراؤ نہیں ڈیئر! میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔''

1 سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ترجمہ نگار،ابوالفرح ہمایوں،ناشر بزم مزاح۔ص213

مسٹر پریبل چلے گئے تو ان کی بیوی بھی ان کی آمد کا انتظار کئے بغیر تہ خانے سے باہر نکل آئی اور اپنے گرم بستر پر لیٹ کر وہی ناول پڑھنے لگی، جسے اس نے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ مسٹر پریبل باہر نکل کر شراب خانے میں جائے بغیر نہیں رہ سکتے اور اگر ایک بار شراب خانے میں پہنچ جائیں تو دو تین بجے رات سے قبل ان کی واپسی نہیں ہوسکتی اور واپسی پر وہ اتنے مدہوش اور بے سدھ ہوتے ہیں کہ اگلی پچھلی کوئی بات انھیں یاد نہیں رہتی![1]

ایک شرابی کی کہانی یہیں اختتام کو پہنچتی ہے۔نشہ میں وہ جو بکتا ہے اس سے اس کی بیوی بھی واقف ہو جاتی ہے اور اسے باہر بھیج کر اپنا ناول ختم کرتی ہے۔

گربۂ مسکین My Favourite Cats کا ترجمہ ہے جسے John Barth نے تحریر کیا ہے۔ یہ ایک طویل افسانہ ہے۔اس میں بلیوں سے محبت سے لے کر ان کی تعداد میں اضافہ اور ان کے خون خوار بننے تک کا سفر درج ہے۔ یہ کہانی ایک بوٹ والے اور کہانی کے ہیرو مسٹر فوسٹر کی ہے۔مسٹر فوسٹر ایک جزیرہ 25 سال کی لیز پر لیتے ہیں اور وہاں پر اپنی بلیوں کے ساتھ رہنے چلے جاتے ہیں۔ایک موٹر چلانے والا جو جزیرہ پر آتا جاتے اور ڈاک ڈالنے کے علاوہ لوگوں کی ضرورت کی چیزیں بھی فروخت کرتا ہے۔اس کی ملاقات مسٹر فوسٹر سے ہوتی ہے۔

فوسٹر چوں کہ ایک رائٹر تھے اور انھیں سکون کی جگہ کی تلاش تھی اس لئے انھوں نے یہ جگہ خرید لی تھی اور ان کی پسند کی بلیاں بھی ان کے ساتھ تھیں، جزیرے پر بہت سارے چوہے بھی تھے اس لئے بلیوں کی خوراک کے تعلق سے وہ مطمئن تھے۔

مسٹر فوسٹر بلیوں کو بہت پسند کرتے ہوئے بلکہ وہ کہتے تھے بلیوں جیسی معصوم اور پیاری مخلوق آج تک میں نے نہیں دیکھی ہے۔اس کے بعد وہ لوگ جزیرے پر پہنچتے ہیں۔ جزیرے پر پہنچنے کے بعد تیاریاں کی جاتی ہیں اور تین دن تک مزدوروں نے کام کیا۔

تعمیراتی کام ہونے کے بعد بوٹ والا اور مزدور واپس ہو گئے۔ ہر تیسرے مہینے میں ضرورت کا سامان لانے کے لئے فوسٹر نے بوٹ والے کو راضی کر لیا۔ایک فہرست اور پیسے دے دیئے۔فوسٹر بلیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

شروع میں جب بوٹ والا کیپٹن آیا تو وہ فوسٹر کی صحت بہت بہترین ہوگئی۔ وہ خوش وخرم تھے اور اگر ان کے باپ سفید

---

1. سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ص 220

نہ ہوئے ہوتے تو دیکھنے والا انھیں تیس پینتیس سال کا نوجوان ہی سمجھتا۔ لیکن یہ جیسے جیسے بلیاں زیادہ ہوتی گئیں فوسٹر کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ نرم دل تھے اس لئے انھوں نے تکلیف برداشت کرلی۔ انھیں جزیرے پر لکھنا کا ٹائم ملتا تھا تو وہ لکھ کر بوٹ والے کے حوالے کرتے اور کہتے کہ اسے پبلشر کو دے دیں۔ تین سال گزر گئے۔ جزیرے پر چوہوں کا نام ونشان نہیں تھا بلکہ آبی جاندار بھی اس جزیرے کے قریب سے گزرنے سے ڈرنے لگے۔ بلیوں نے درختوں پر چڑھ کر گھونسلے تک صاف کردیئے۔ بلیوں کی بھوک کو دیکھتے ہوئے مسٹر فوسٹر کو مضامین لکھنا تک روکنا پڑا۔ بلیوں کی تعداد سے فوسٹر پریشان تھے لیکن انھوں نے بلیوں کو سمندر میں غرق کردینے کے بارے میں جب بوٹ والے نے کہا تو وہ لرزاٹھے اور انھوں نے انکار کردیا۔ وہ بولے کہ میں یہاں لوگوں سے دور کچھ لکھنے کی نیت سے آیا ہوں۔ اس کے بعد بوٹ والا چلا گیا۔ بوٹ والے کو بہت زیادہ منافع حاصل ہورہا تھا۔ کیوں کہ مسٹر فوسٹر بنا گنے بڑے بڑے نوٹوں کے بنڈل اسے دے دیتے تھے۔ اسی طرح اور کچھ مہینے بعد جزیدہ پر بلیوں نے دھوم مچانا شروع کردیا۔ پہلی فوسٹر نے کہا کہ ''میں نے اپنی ساری زندگی میں اتنے وحشی جانور پہلے کبھی نہیں دیکھے''۔ لیکن اب بھی وہ بلیوں کی ہلاکت کے لئے تیار نہیں تھے۔ اپنا کاروبار جاری رکھنے کے لئے بوٹ والے نے دوشکاری کتے لاکر فوسٹر کو دیئے۔ لیکن بلیاں تعداد میں بہت بڑھ گئی تھیں اور وہ کتوں کو بھی ہضم کر دی تھی۔ جب وہ مچھلیاں لے کر یہاں آنے والے تھے تو سمندر میں زبردست طوفان آ گیا اور بوٹ بھی خراب ہوگئے۔ زہر لانے کے لئے جس دکان کو جانے والے وہ بھی ٹوٹ گئی۔ بوٹ والے کیپٹن نے سوچا، مسٹر فوسٹر کی کیبن کو بھی ضرور نقصان پہنچا ہوگا۔ بلیوں کی خوراک بھی ختم ہوگئی ہوگی۔ مسٹر فوسٹر جو بلیوں کو یہاں لائے تھے وہ بلیوں ہی ان کی دشمن بن گئیں:

> ''جیسے تیسے چیختا چلاتا، اپنا راستہ بناتا ہوا، میں مسٹر فوسٹر کے کیبن تک پہنچا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ کیبن کے دروازے اور کھڑکیاں توٹ پھوٹ چکی تھیں۔ اندر پہنچ کر میں نے مسٹر فوسٹر کو آوازیں پھر کیبن کے وسط میں مَیں نے بلیوں کو کسی چیز پر بُری طرح لڑتے دیکھا اور مجھے یہ سمجھنے میں بالکل دیر نہیں لگی کہ وہ چیز مسٹر فوسٹر ہی تھے''۔[1]

مسٹر فوسٹر نے بلیوں کو مارنے سے انکار کردیا تھا اپنی رحم دلی کی وجہ سے لیکن بلیوں نے انھیں ہی ایک دن اپنا نوالہ

1۔ سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 236

بنا دیا۔ بوٹ والے نے یہ داستان عبرت سب کو سنائی۔ پولیس نے تصدیق کی کہ واقعی تاؤاتال بلیوں کا جزیرہ بن گیا ہے اور وہاں پر خونخار بلیاں رہتی ہیں جو مرغابیوں اور پنگوئن کی طرح پانی میں غوطے لگا کر مچھلیاں پکڑتی ہیں۔ بوٹ والے کیپٹن نے آخر میں کہا

''ابھی تک کسی کی اتنی جرأت نہیں ہوسکی ہے کہ وہ تاؤاتال تک جائے۔ میں واحد شخص ہوں، جو ڈاک لانے اور لے جانے کے سلسلے میں ادھر سے گزرتا ہوں، لیکن جزیرے سے کم از کم دو میل دور ہی رہتا ہوں۔ کبھی کبھی مجھے لکڑی کے وہ دو بڑے صندوق بھی یاد آتے ہیں، جو اوپر تک نوٹوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ وہاں جاؤں اور ان صندوقوں پر قبضہ کرلوں۔ لیکن جب میں ایک نظر اپنے جسم کے زخموں کے نشانات پر ڈالتا ہوں اور وہ چیز نکال کر دیکھتا ہوں، جس پر سفید بالوں کا ایک گچھا چسپاں ہے، تب میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور زندگی کی قدر و قیمت سمجھ میں آنے لگتی ہے۔''[1]

یہ طویل کہانی انسان کی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔ رحم دل انسان بلیوں کو کبھی خوبصورت کہتا ہے اور انھیں ہلاک کرنے کے بارے میں نہیں سوچتا لیکن یہ بلیاں سے ہلاکر کے کھا جاتی ہے۔ انسان اور حیوان میں یہی تو فرق ہے۔

مختلف ممالک اور مختلف زبانوں کی کہانیوں کے اس گلدستہ میں بہت کچھ ہے۔ جدیدیت اور روایتی کہانیوں کا خوبصورت امتزاج ہے۔ چونکانے والے اختتام بھی ہے۔

یہ کہانیاں جدید دور کے مسائل کی عکاسی بھی کرتی ہیں۔ یہاں پر مزدوروں اور محنت کش طبقہ کی نمائندگی بھی کی گئی ہے ان کے مسائل بڑے پرسوز انداز میں بیان کی گئی ہے جس کی مثال ''پیٹ بڑا بدکار ہے بابا'' ہے۔ جس میں مزدور کے انتقال کے بعد اس کے گھر والے دانے دانے کو محتاج ہوجاتے ہیں اور ایک بچہ مرنے والا ہوتا ہے تو دوسرا بچہ کہتا ہے کہ اگر یہ جلد مرجائے تو حویلی والے ہمارے لئے لذیذ کھانا بھیجیں گے۔ دھوکہ بھی بعض کہانیوں کا مرکز ہے۔ لالچ انسان کے اندر ہمیشہ سے ہے۔ جواریوں میں یہ بڑے پیمانے پر پایا جاتا ہے۔ جواریوں اور ریس کورس میں گھوڑوں پر روپے لگانے والوں کی بھی کہانیاں ہیں۔ ایک جواری گھوڑوں کو ہپناٹائس کر کے پیسہ کمانا چاہتا ہے لیکن کما نہیں سکتا۔ ایک جواری پیسہ کماتا ہے لیکن ایک خوبصورت سرکس کے کھیل کو خرید لیتا ہے اور اپنا سب کچھ ہار جاتا ہے۔

[1] سنہری کہانیاں، (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)، ترجمہ نگار، ابوالفرح ہمایوں، ناشر بزم مزاح۔ ص 237)

غرض یہ کہ یہ تمام کہانیاں دلچسپ اور حقیقت نگاری کی بہترین مثالیں ہیں۔جس طرح ہم روزمرہ کے واقعات کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے اطراف میں ایسے کئی غریب اور مجبور لوگ ہوتے ہیں جنھیں ہم ٹھیک ٹھاک سمجھتے ہیں لیکن ان کی ہنسی کے پیچھے ایک خوفناک غم چھپا ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کو سمجھنا اوران کی مدد کرنا انسانی فرض ہے۔ان کہانیوں میں انسانیت کی خدمت اوراس کی مدد کی تلقین کی گئی ہے۔

انگریزی کے معرفت اردو میں ترجمہ شدہ کہانیوں نے اردو میں ایک خوبصورت اضافہ کیا ہے۔ یہ سنہری کہانیاں واقعی سنہری ہیں اوراوراردو میں سنہرا اضافہ ہے۔''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں اسے شامل کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اردو میں شامل ہورہی خوبصورت کہانیوں کا تعارف کروایا جائے۔اردو میں یہ کہانیاں اپنے اندر نصیحت کا سمندر لئے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

عالمی ادب کے اردو تراجم

انتخاب افسانہ (انتخاب وترتیب: یاسر حبیب)

اردو میں افسانوی تراجم زیادہ تر ویب سائٹ پر پڑھے جاتے ہیں۔فیس بک پر بہت سے ادیبوں نے انگریزی و دیگر زبانوں سے افسانوں کے تراجم کر کے پوسٹ کئے ہیں۔کئی معیاری اورنوبل انعام یافتہ ادیبوں کی کہانیوں کواردو کے ادیبوں نے ترجمہ کر کے اسے پیش کیا ہے۔اس طرح کا ایک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' کےعنوان سے دوجلدوں پر مشتمل کتابیں بھی شائع کر چکا ہے۔جس میں بہت ہی عمدہ کہانیاں ہیں۔

پہلی جلد میں حصہ اول اور دوم ہے جس میں کل 50افسانے شامل ہیں۔ یہ افسانے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے۔ فرانس، روس، اٹلی، نائجیریا، امریکہ، چلی، آئرلینڈ،کینیڈا،ٹرینی ڈاڈ، ترکی، ہندوستان، ارجنٹائن، ایران، چیک ریپبلک، سویڈن، فرانس،کولمبیا،میکسیکو،مصر،افغانستان،سوڈان شامل ہے۔اس جلد کی تمام کہانیاں عصری تقاضوں کی عکاسی کرتی ہے۔ادیب اپنے اطراف ہونے والے واقعات سے متاثر ہوکر لکھتا ہے۔یہ بات یہاں صادق آتی ہے۔روزمرہ کے موضوعات کو یہاں پیش کیا گیا ہے۔بے گناہ، لاٹری، شاعر کی موت، تھکے ہوئے آدمی کی منزل،شکستہ شاخیں، قیدی کی وردی،خفیہ معاہدہ اور ریل گاڑی وغیرہ اسی جلد کی کہانیاں ہیں۔اس کتاب میں سعادت حسن منٹو کی ترجمہ شدہ ایک کہانی بھی شامل کی گئی ہے۔''چھبیس مزدور اور ایک دوشیزہ'' یہ روسی کہانی ہے جسے میکسم گورکی نے لکھا ہے۔ہندوستانی ایک کہانی شامل ہے جسے خوشونت سنگھ نے لکھا ہے۔اس کا ترجمہ کرنے والے کا نام نہیں ہے۔

''عالمی ادب کے اردو تراجم'' دراصل ایک فیس بک گروپ ہے۔اس گروپ میں شامل افسانوں کو علیحدہ جلد کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی پہلی کہانی ''روٹی کے گناہ'' گے دے موپاساں (فرانس)، Guy de Maupassant کی تحریر ہے ۔انگریزی عنوان A Vagabond ہے۔ترجمہ نگار کا نام نہیں ہے۔

اس کہانی کا ہیرو ''رینڈل'' نامی نوجوان ہے۔یہ نوجوان صحت مند ہونے کے باوجود بے روزگار رہتا ہے۔وہ محنت کرنا چاہتا ہے لیکن اسے کوئی نوکری دینے کو تیار نہیں ہے۔چند تک کہیں کام کر لیتا ہے لیکن پھر وہ بے روزگار ہو جاتا ہے۔مشینوں کے

دور میں بے روزگاری ایک اہم مسئلہ ہے۔اس مسئلہ کی طرف اس طویل افسانہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کہانی میں مختلف اتار چڑھاؤ آتے ہیں رینڈل کا گھر بار چھوٹ جاتا ہے۔وہ جہاں بھی نوکری کرنے جاتا ہے اسے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس نوجوان کے دل میں کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ امیر لوگ جو گھروں میں گرم گرم کھانا کھا رہے ہیں اور وہ بھوکا بے روزگار راستوں پر تڑپ رہا ہے، ان امیروں کے گھروں میں جا کر انھیں قتل کردے اور گھر میں بیٹھ کر پیٹ بھر کھانا کھائے۔دن گذرتے جاتے ہیں۔بھوک بیروزگاری کی وجہ سے بھیک بھی مانگتا ہے اور راستے کے کنارے سوجاتا ہے۔ ایک دفعہ اسے ایک گائے بھی نظر آتی ہے جس کا دودھ پی کر وہ اسی کے پہلو میں سوجاتا ہے۔انسان اسے نوکری نہیں دیتے ہیں لیکن گائے اسے مفت میں اپنا دودھ پینے دیتی ہے۔رینڈل جہاں بھی نوکری حاصل کرنے جاتا ہے اسے شک کیا جاتا ہے۔ایک دن اسے حکومت کے کارندے پکڑتے ہیں ناکردہ گناہ کی سزا دیتے ہیں۔اسے شک کی بنیاد پر 20 سال کی سزا دیتے ہیں۔

یہ کہانی موجودہ دور کے بہت سے نوجوانوں کی عکاسی کرتی ہے۔امیر لوگ امیر ہوتے جا رہے ہیں اور غریب مزید غریب تر ہو جاتا ہے۔انھیں کھانے کو ایک روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے اور ادھر امیر ہمہ اقسام کے کھانے کھاتے ہیں۔

دوسری کہانی ''آخری جلسہ'' آندرے گرشینکو (روس) کی ہے۔اسے ترجمہ ستار طاہر نے کیا ہے۔ یہ ایک ضعیف شخص باشکوف کی کہانی ہے۔اس مختصر کہانی میں باشکوف کے قلب کی عکاسی کی گئی ہے۔یہ ضعیف شخص یوم مزدور کے جلسہ میں ہمیشہ شرکت کرتا ہے۔جلسہ میں اس کے پاس سے ہمیشہ چند پیسے طلب کئے جاتے ہیں وہ پیسے اپنے جیب میں رکھ کر بیٹھ جاتا ہے۔مختلف خیالات میں گم رہتا ہے۔چند پیسے کم پڑتے ہیں ہمیشہ کی طرح باشکوف سے مانگنے کے لئے وہ آنا چاہتے ہیں تو دوسرے مزدور اسے روک لیتے ہیں اور کہتے ہیں ان سے ہمیشہ پیسے لینا ٹھیک نہیں ہے۔ بوڑھے باشکوف کے سامنے سے سب چلے جاتے ہیں۔وہ جیب میں ہاتھ ڈالے چند سکوں کو ہاتھ میں لئے ویسا ہی بیٹھا رہ جاتا ہے۔جب اس کا پوتا اسے آواز دیتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں چند سکے لئے اس دنیا سے چلا گیا ہے۔

تیسری کہانی ''نرم گھاس'' The soft touch of grass لیوگی پران دیلو (اٹلی)، Luigi Pirandello (Agrigento 28 June 1867 – Rome 10 December 1936) کی ہے۔اسے وجاہت مسعود نے ترجمہ کیا ہے۔

'نرم گھاس' ایک ضعیف شخص کی کہانی ہے جس کی بیوی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ایک دن وہ اپنا وقت گذارنے کے لئے

بچوں کے پارک میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں پر وہ اپنا وقت گذارتا ہے۔ ہریالی اور سب کچھ دیکھ کر محظوظ ہوتا رہتا ہے۔تب ہی ایک لڑکی سامنے آجاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ بوڑھا اسے گھور رہا ہے۔ غصہ سے دیکھ کر وہ واپس چلی جاتی ہے۔ بوڑھا شخص بچوں کی طرح گھانس میں ننگے پیر گھوم پھر رہا ہوتا ہے۔وہ اس لڑکی کے رویہ سے پریشان ہوجاتا ہےاور اپنے گھر جا کر سو جاتا ہے۔

''شادی نجی معاملہ ہے'' Marriage is a private matter کا ترجمہ ہے۔ جسے چینوا اچیبے Chinua Achebe (16 November 1930 – 21 March 2013) نے تحریر کیا ہے۔ یہ نائجیریائی کہانی ہے۔ یہ ایک بوڑھے شخص کی کہانی ہے جو اپنے بیٹے کی شادی سے خوش نہیں رہتا ہے۔اپنے بیٹے کو ملنے بھی نہیں آنے دیتا۔آخر میں اسے تنہائی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔

''بے گناہ''An unfinished story اوہنری O. Henry (September 11, 1862 – June 5, 1910) کی کہانی ہے۔

اس کہانی میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ آخرت کے تصور کا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

کہانی کے آخر میں اعتراف جرم کے طور بتایا گیا ہے:

میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ میں نے خواب میں خود کو قیامت کے روز ایک گروہ کے قریب کھڑے پایا تھا۔گروہ کے افراد نہایت خوش حال دکھائی دیتے تھےاور ایک فرشتے نے مجھے بازو سے پکڑ کر کہا تھا۔"غالباً تم ان میں سے ایک ہو؟"

"یہ کون لوگ ہیں؟" میں نے پوچھا تھا۔

"یہ؟" فرشتے نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔"یہ وہ لوگ ہیں جو مجبور لڑکیوں کو ملازمت دے کر انہیں نصف تنخواہ ادا کرتے ہیں۔کیا تم ان یہ میں سے ہو؟"

"نہیں۔نہیں۔تمہاری لافانی زندگی کی قسم۔میں ان میں سے نہیں ہوں۔"

میں نے گھبرا کر جواب دیا۔"میں نے تو بس ایک یتیم خانے کو آگ لگائی تھی اور ایک اندھے فقیر کو اسکی رقم کی خاطر قتل کر دیا تھا۔[1]"

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 30

دنیا میں کوئی مجرم اپنے جرم کو چھپا بھی سکتا ہے لیکن آخرت میں اسے اس کے کئی کی سزا مل کر رہتی ہے۔ وہاں پر وہ اپنے جرم کو نہیں چھپا سکتا۔ جرائم سے بچنے کے لئے اور نیکی کے کرنے کی ترغیب اس افسانے میں دی گئی ہے۔ ادب سے اصلاح کا کام لیا گیا ہے۔

''دام'' از ابیل آئندے Isabel Allende (چلی) نے لکھا ہے۔ اردو ترجمہ: سید کاشف رضا نے کیا ہے۔

اس افسانہ کے مرکزی کردار روال ہے۔ اسے بچپن میں ایک کاہنہ نے کہا کہ اس کی موت کا سبب ایک عورت ہوگی۔ اس طویل افسانہ میں مختلف اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ اور آخر میں اس کاہنہ کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوتی ہے۔

سرخ گلاب، The Nightingale and the Rose تحریر آسکر وائلڈ Oscar Wilde (آئرلینڈ) ترجمہ عظیم احمد نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک طویل داستان محبت ہے۔ یہ کہانی ایک ایسے نوجوان کی ہے جسے اس کی محبوبہ کہتی ہے کہ تم سرخ گلاب لادوگے میں تمہارے ساتھ ڈانس کروں گی۔ یہ لڑکا سرخ گلاب کے لئے بہت پریشان ہوتا ہے۔ لیکن اسے گلاب نہیں ملتا۔ اس کی مدد ایک بلبل کرتا ہے۔ یہ بلبل پودوں سے اور اس طالب علم سے بات کرتا ہے۔ اس لڑکی کے مطالبہ پر بلبل پریشان ہوجاتا ہے اور سرخ گلاب کے لئے پودوں سے پوچھتا ہے۔ ایک رات باقی رہتی ہے۔ دوسرے دن رات میں ڈانس کا پروگرام رہتا ہے۔ بلبل گلاب کے پودے سے سرخ گلاب کی گذارش کرتا ہے۔ بلبل گلاب کے کانٹے کے قریب ہوکر گیت گاتا ہے۔ اس کے دل میں کانٹا چبتا ہے اور وہ گیت گاتا ہے۔ گلاب سرخ ہوجاتا ہے اور کھل جاتا ہے جب تک بلبل مرجاتا ہے۔ اس کے بعد نوجوان خوشی سے سرشار ہوجاتا ہے۔ بڑی مشکلوں کے بعد جب وہ گلاب کے اس کی محبوبہ کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ تم یہ سرخ گلاب اپنے لباس میں لگانا جب ہم ڈانس کریں گے۔ تو وہ ظالم محبوبہ کہتی ہے کہ

> ''افسوس کہ میرے لباس کے ساتھ یہ بالکل بے جوڑ معلوم ہوگا'' اس نے کہا ''ویسے بھی چیمبرلین کے بھتیجے نے مجھے چند اصلی ہیرے بھجوائے ہیں اور سبھی جانتے ہیں کہ ہیرے پھولوں سے کہیں زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔'' 1

اس واقعہ سے دلبرداشتہ ہوکر وہ نوجوان حقیقت کی دنیا میں واپس آتا ہے۔ گل اور بلبل سے کنارہ کش ہوکر فلسفہ کی

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 43

کتاب لے کر بیٹھ جاتا ہے۔اس طرح کہانی ختم ہوتی ہے۔ اس کہانی میں گل وبلبل کے نغمے بھی ہیں اور حقیقت نگاری بھی ہے۔

''بجری'' (Gravel) آٹھواں افسانہ ہے۔ اسے 2013 میں نوبل انعام یافتہ مصنف ایلس منرو Alice Munro(کینیڈا) نے لکھا ہے اور اردو ترجمہ:احمد فرہاد نے کیا ہے۔

یہ کہانی بیانیہ ہے۔کہانی کے شروع میں ایک بجری کی کان کا ذکر کیا گیا ہے۔پرانے یادیں اس کہانی میں نظر آتی ہے۔ یہ حقیقت نگاری کی مثال ہے۔اس کہانی میں خوش رہنے کی تلقین کی گئی ہے

> ''بات خوش رہنے کی ہے، کچھ بھی ہو،بس اس کی کوشش کرو ایسا کرسکتی ہو اور یہ آسان ہوتا جائے گا۔اس کا حالات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔تم یقین نہیں کروگی کہ یہ سب کتنا عمدہ ہے۔ جو ہے اسے قبول کرو۔ دکھ مٹ جائے گا یا پھر لودینے لگے گا۔اور اب تم اس مقام پر ہو کہ وہ آسانی میں تمہارا ہم سفر ہے''۔1

اچھائی پر چلنا اور خوش رہنے کی خوشش کرنا اس افسانہ کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ادب کے ذریعہ اصلاح کا کام بھی لیا جاسکتا ہے یہ افسانہ کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

افسانہ''شرط''(The Lottery)روسی مصنف انتون پاوؐلا وچ چیخوف(Shirley Jackson) کا لکھا ہوا ہے۔ مترجم: نامعلوم(اسی افسانے کا دوتراجم ہوچکے ہیں۔ایک معروف ادیب غلام عباس نے بھی کیا تھا اور ایک منور آکاش نے کیا ہے)

ایک یہودی اور کہانی کے ہیرو وکیل کے درمیان لگی ایک شرط کی ہے۔''عمر قید زیادہ بری ہے یا پھانسی'' پر بحث ہوتی ہے۔اور وکیل کہتا ہے کہ 'عمرقید بہتر ہے،15 سال کی سزا بہتر ہے' سزائے موت سے''۔جب کہ یہودی کہتا ہے کہ 'سزائے موت بہتر ہے ایک لمحہ کی تکلیف اور اس کے بعد ہمیشہ کے لئے سکون''۔بات سنجیدہ ہوجاتی ہے اور وکیل 15 سال کے لئے جیل چلے جاتا ہے۔ یہودی اس سے شرط لکھوالیتا ہے کہ اگر تم مقررہ مدت سے کچھ بھی کم وقت گذاروگے تو تم شرط ہار جاؤگے۔وکیل شرط منظور کر لیتا ہے۔وہ ان 15 سالوں تک قید میں رہ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے۔یہودی کی ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے۔اور اس پر علم کے خزانے عیاں ہوتے ہیں۔وہ یہودی کی بات کو تاڑ لیتا ہے۔یہودی پیسے دینے سے بچنے کے لئے کوئی پلان بنا رہا ہوگا۔

---

1 عالمی ادب کے اردو تراجم،صفحہ صفحہ 53

وکیل کی رہائی سے ایک دن قبل وکیل یہ ارادہ کرتا ہے کہ شرط کی رقم 20 لاکھ روپے دینے کے بجائے اس کا قتل کر دینا چاہئے۔ جب وہ وکیل کو جیل میں قتل کرنے کے لئے آتا ہے تو اسے ایک خط ملتا ہے جس میں وکیل کہتا ہے کہ

''میں بیس لاکھ ڈالر کی اس رقم سے دستبردار ہوتا ہوں۔ جسے کبھی میں نے نعمت ارضی سمجھ کر پندرہ سال کی غلامی ہنسی خوشی قبول کر لی تھی۔ اب یہ رقم میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اس قسم کے حصول کے حق سے خود کو محروم کر دینے کے لئے میں تحریری معاہدے کی خلاف ورزی کروں گا اور مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے قیدِ تنہائی سے نکل جاؤں گا'' 1

سزا سے پانچ منٹ پہلے وہ جیل کی روشن دان سے بھاگ جاتا ہے۔ شرط کے شروع میں جو شخص پیسے کے لئے اتنی سزا کاٹتا ہے وہ سزا کے دوران مطالعہ کی وجہ سے اس پر کئی باتیں عیاں ہوتی ہیں۔ وہ صرف پیسے کے لئے نہیں بلکہ زندگی پیسے سے زیادہ اہم مانتا ہے۔ ادھر یہودی پشیمان ہوتا ہے اور کہانی ختم ہوجاتی ہے۔ اس افسانے میں بھی یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ خود کو لالچ سے دور رکھنا چاہئے۔

''لاٹری''، شرلی جیکس (امریکہ) نے لکھا ہے اردو ترجمہ: خالدہ حسین (لاہور پاکستان) نے کیا ہے۔

''لاٹری'' ایک جدید کہانی ہے۔ لاٹری کی چٹھیوں میں دھاندلیوں کے بارے میں اس کہانی میں بتایا گیا ہے۔ ساری چٹھیوں ''ٹسی'' کا نام ہوتا ہے۔ یہ بات ہجوم کو پتہ چل جاتی ہے۔ وہ پتھروں سے حملہ کر دیتے ہیں۔ لاٹری کے نام دھوکہ دینے والے بہروپیوں پر اس افسانہ میں تنقید کی گئی ہے۔ اسی طرح لاٹری کے نام پر لوٹ والوں سے ہوشیار رہنے کی بھی اس میں ترغیب ملتی ہے۔

''شاعر کی موت'' نوبل انعام یافتہ مصنف وی ایس نائپال (ٹرینی ڈاڈ) (Vidiadhar Surajprasad Naipaul) نے لکھا ہے۔ ترجمہ ڈاکٹر اعجاز راہی، پاکستان، نے کیا ہے۔

اس کہانی میں ایک شاعر کی شاعری ہے۔ یہ خیالی دنیا میں رہتا ہے۔ ایک دن گھر سے غائب ہوجاتا ہے۔ گھر کی جگہ پر صرف اینٹ کی دیواریں اور فرش نظر آتے ہیں۔ ایسا جیسے کبھی یہاں پر شاعر بلیک ورڈز ورتھ کبھی تھے ہی نہیں۔ تجریدی اور علامتی انداز میں یہ افسانہ لکھا گیا ہے۔

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 61

''خاک روب'' تحریر اورحان کمال Orhan Kemal (ترکی) اور ترجمہ کرنل (ر) مسعود شیخ نے کیا ہے۔

خاک روب گھوڑا گاڑی میں کچرے جمع کرتا ہے۔اس کی عمر بہت زیادہ ہوجاتی ہے اسے کچرے اٹھانے کے کام نکال دیا جاتا ہے اور اس کی گھوڑا گاڑی اس سے لے لی جاتی ہے۔ وہ گھوڑا گاڑی کی گھوڑی 'چاندی' سے بہت زیادہ مانوس تھا۔اس بوڑھے کی گھوڑی سے مانوسیت کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے۔

> ''چاندی انسانوں کی طرح تھی''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سر ہلایا'' میں اسے کہتا تھا رُک جاؤ تو رک جاتی تھی، واہ کہتا تھا تو چل پڑتی تھی۔ چاندی بالکل ناسانوں کی طرح۔ بات سمجھتی تھی۔ چاندی کہو تو پلٹ کر دیکھتی تھی۔ چاندی روتی بھی تھی، کراہتی بھی تھی اور ہنستی بھی تھی۔ بالکل انسانوں جیسی تھی۔ واہ میری بچی واہ''![1]

اپنی زندگی کا ایک بڑا عرصہ ایک کام کرنے کے بعد جب بوڑھانے کی بناء پر اس کام سے ریٹائرڈ کیا جاتا ہے تو نفسیاتی طور پر ضعیف لوگ مختلف تحفظات کا شکار ہوجاتے ہیں۔کئی مسائل سے بھی دوچار ہوجاتے ہیں۔کبھی کام کا خیال آتا ہے تو کبھی مختلف یادیں ستاتی ہیں۔اسی بات کی نشاندہی اس افسانے میں کی گئی ہے۔

''دردِ مشترک'' او ہنری (امریکہ) مترجم ابن انشاء ہے۔ یہ ایک چور کی کہانی ہے۔ چور ایک گھر میں چوری کرنے کی نیت سے داخل ہوتا ہے۔گھر کے مالک سے جب وہ پستول بتا کر کہتا ہے کہ ہاتھ اوپر کرو تو وہ کہتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ درد کی وجہ سے۔ چور بھی اس درد سے گذر چکا ہوتا ہے۔ وہ ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مختلف نسخے بتاتا ہے۔ اس کی مدد کرتا ہے اور چوری کو بھول جاتا ہے۔''یہ لو قمیض اپنی۔ایک صاحب بتاتے تھے کہ اونچے پل کے پاس ایک ڈاکٹر کے پاس مجرب نسخہ ہے۔کوئی مرہم ہے، دو ہفتے میں درد آدھا رہ جاتا ہے۔ یہ بتا کر چور چلا جاتا ہے اور گھر سے چوری بھی نہیں کرتا بلکہ مالک مکان کہتا ہے کہ میں تمہیں پیسے دیتا ہوں تو چور کہتا ہے کہ نہیں میرے پاس ہے۔تمہیں لونگ کے تیل کی مالش بھی کروانی چاہئے۔

اس کہانی میں مجبوری میں چوریاں کرنے والے چور کے دل میں درد و تکلیف رہتی ہے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جدید دور کے مسائل میں سے ایک بیروزگاری ہے اور اسی کے نتیجہ میں چوریوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔بعض چور گھر سے کوئی چیز چوری کئے بغیر کچھ دے کر چلے جاتے ہیں۔ یہ اس کہانی میں بتایا گیا ہے۔

---

1. عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 84

''گھاٹی میں'' (In the Ravine) اسے مشہور مصنف انتون چیخوف Anton Pavlovich Chekhov (روس) کی کہانی ہے جسے خورشید جاوید (لاہور، پاکستان) نے ترجمہ کیا ہے۔

گھاٹی میں ایک طویل افسانہ ہے۔ یہ کہانی یوکلی و(ukleyevo) گاؤں کی ہے۔ حقیقت نگاری کے اس میں بہترین نمونے نظر آتے ہیں۔

''مرنے کے بعد'' خشونت سنگھ (ہندوستان) کی کہانی ہے جس کے ترجمہ کرنے والے کا نام درج نہیں ہے۔ خشونت سنگھ نے اس کہانی میں اپنی موت کا تذکرہ کیا ہے۔ آخری رسومات وغیرہ کے ذریعے سے کسی موت پر کیا کیا ہوتا ہے اسے دکھایا ہے۔ تمام مراحل میں کہانی کے ساتھ حقیقت نگاری بھی دکھائی گئی ہے۔

''سمجھوتا'' یہ تحریر تاسوز وایشیکارا (جاپان) کی ہے اور ستار طاہر (لاہور پاکستان) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک عورت کی کہانی ہے جس کے شوہر کی آنکھ کا آپریشن ناکام ہوجاتا ہے اور اپنی بینائی سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس اثناء میں جو واقعات ہوتے ہیں۔ اسے کہانی کے ذریعے سے دکھایا گیا ہے۔ شوہر اندھا ہونے کے بعد بالکل بدل جاتا ہے اور وہ بیوی سے عجیب وغریب باتیں کرتا ہے جیسے وہ بیوی کے قدموں کی آواز سنتا ہے۔ تو کبھی کچھ اور عجیب بات کرتا ہے۔ ایک پل کے لئے اسے خودکشی کرنے کا خیال آتا ہے لیکن وہ زندگی کی طرف لوٹ آتی ہے:

> ''سنو! جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔ اب ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ میں اندھا ہوں اور تم ایک اندھے کی بیوی ہو۔ اب ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ایک اندھے کے لئے کون سا اچھا اور مناسب کام ہوسکتا ہے جو وہ کسی وقت کے بغیر کرسکتا ہو۔ دیکھو ہمیں مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ابھی زندگی کے دامن میں ہمارے لئے ان گنت مسرتیں موجود ہیں۔'' اس کی بیوی نے اپنا چہرہ اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔ وہ بڑی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی لیکن ایک بار بھی اسے موت کا خیال نہ آیا۔ اندھا پن اتنا خوفناک نہیں تھا جتنی موت تھی۔ وہ اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی''۔[1]

ہر حال میں زندگی کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ جدوجہد کا نام ہی زندگی ہے۔ مشکلات میں صبر واستقامت سے ٹھہرے رہنا کا

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 136

نام ہی زندگی ہے۔یہی اس افسانے کے ذریعہ بتائی گئی ہے۔افسانہ جدوجہد اور محنت کی ترغیب دیتا ہے۔

''رقص کے بعد''(After the Ball) روسی مصنف لیو ٹالسٹائی Leo Tolstoy کی کہانی ہے۔ جسے صابرہ زیدی (ہندوستان) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک طویل کہانی ہے۔روسی کہانیوں کی طرح اس میں بلا کی حقیقت نگاری اور زندگی سے جڑی باتیں نظر آتی ہے۔

''تھکے ہوئے آدمی کی منزل''(A Weary Man's Utopia) ارجنٹائن کے مصنف خورخے لوئیس بورخیس (Jorge Luis Borges) نے تحریر کیا۔اردو ترجمہ صغیر ملال، پاکستان نے کیا۔

''مونٹیل کی بیوہ''(The Widow of Montiel) کو 1982 میں نوبل انعام یافتہ کولمبیائی مصنف گبریل گارشیا مارکیز Gabriel José García Márquez نے لکھا ہے،وجاہات مسعود نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

مونٹیل ایک بدمزاج اور غصیلے شخص تھا جس کی موت ہو جاتی ہے۔مونٹیل کے بیوہ کی کہانی میں مونٹیل کی مزاجی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے غصیلے پن کی وجہ سے سماج میں برا مقام حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہی شخص کی کہانی ہے:

سماج میں پھیلے ہوئے بدمزاج لوگوں کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا اور ان کے مرنے کے بعد ان سے نفرت کم نہیں ہوتی۔ حقیقت نگاری کے دوران ایسے ہی ایک شخص کی موت کے واقع کو ایک کہانی کا روپ دیا گیا ہے۔

''شکستہ شاخیں'' جمال میر صادقی Jamal Mirsadeghi (ایران) کی کہانی ہے جسے اردو میں محمد اطہر مسعود (پاکستان) نے لکھا ہے۔

یہ کہانی ایک ایسے شخص ہے جو دیوار پر بننے والے سایوں کو دیکھ کر اسے اپنے خیالوں میں شکلیں دیتا ہے۔کھڑکی میں بیٹھ کر وہ باہر شہتوت کے جھاڑ کو دیکھتا ہے جس کا سایہ دیوار پر پڑتا ہے۔وہ اسے دیکھ کر جاسوسی کہانیوں کی طرح سوچنے لگتا ہے۔ اتفاق سے ان کے گھر کے پاس چور گھس آتا ہے

> ''میں سارے دن کا تھاک ہارا وہیں ایک کونے میں پری کرسی کا سہارا لئے فرش پر بیٹھا
> کھڑکی سے باہر سامنے دیوار پر بننے والے ہویلوں کو دیکھنے میں منہمک تھا جو اسٹریٹ لائٹ
> کی ملگجی روشنی میں شہتوت کے درخت کی دیوار پر بننے سے بن رہے تھے۔اس درخت کی
> چند موٹی شاخیں پچھلے دنوں چلنے والی شدید تیز اور برفیلی ہوا کے باعث ٹوٹ گئی تھیں اور اب

باقی ماندہ شاخوں کے درمیان اس کے سائے کسی تیز دھار والی تلوار کی طرح دکھائی دیتے تھے۔[1]''

(عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 159)

کہانی بیان کرنے والے کے ذہن میں مختلف خیالات آتے ہیں۔ اسے ایک چور اپنے گھر کے بالائی حصہ پر دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے گھر ولوں کو جگاتا ہے۔ مختلف لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں اور سب چلے جاتے ہیں۔ صبح پتہ چلتا ہے کہ شہتوت کے جس درخت پر چور چڑھ کر آیا تھا اسی پر مرا پڑا ہے۔

''باوفا'' (بنگالی زبان کا افسانہ)، موہن داس گپتا (ہندوستان) کا ہے۔ اسے ابوالفرح ہمایوں نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی عمدہ کہانی ہے۔ کسی فلم کی اسٹوری کے طرح بڑھتی ہوئی کہانی ایک عورت کی خودکشی پر ختم ہوتی ہے۔ ابوالفرح ہمایوں کی کتاب کے تجزیہ کے دوران اس افسانہ پر بھی بحث کی جا چکی ہے۔

''قیدی کی وردی'' کہانی کو 1988 میں نوبل انعام یافتہ مصنف نجیب محفوظ Naguib Mahfouz (مصر) نے لکھا ہے۔

اس کا ترجمہ خورشید رضوی نے کیا ہے۔ اس کہانی کا ہیرو جشہ نامی سگریٹ فروش ہے۔ یہ اپنے کام سے خوش نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ ایک ڈرائیور بنے اور مزے سے کار میں گھومے اور مالک کا کھانا بھی کھائے۔ اپنے کام سے ناخوش وہ ڈرائیور کو دیکھتا ہے اور اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے۔ اس کہانی میں حسد بھی ہے اور زیادہ کا لالچ بھی ہے اور لالچ کا برا انجام ہے۔ اس جدید کہانی کو مصر کے مشہور مصنف نے بڑے ہی دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ نجیب محفوظ نے منظرنگاری اور کردارنگاری کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال پیش ہے:

''گاڑی کی آمد کا وقت قریب آیا تو ریلوے اسٹیشن زقازیق پر سب سے پہلے پہنچنے والا شخص جشہ سگریٹ فروش تھا۔ وہ بجا طور پر ریلوے اسٹیشن کو اپنی چلتی منڈی تصور کرتا تھا اور بے مثال پھرتی کے ساتھ پلیٹ فارم پر گھومتے ہوئے اپنی چھوٹی چھوٹی جہاں دیدہ آنکھوں سے گاہکوں کو شکار کرتا تھا۔ جشہ سے اگر اس کے پیشے کے بارے میں

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 136

> سوال کیا جاتا تو شاید وہ اس پر بدترین لعنت بھیجتا کیونکہ ’لوگوں کی اکثریت کی طرح‘ وہ بھی اپنی زندگی سے اکتایا ہوا اور اپنے مقدر سے ناخوش تھا۔ اگر اسے انتخاب سے آزادی حاصل ہوتی تو وہ ’یقیناً‘ کسی رئیس کا موٹر ڈرائیور ہونا پسند کرتا تاکہ جنٹلمنوں کا لباس پہنے، صاحب کے کھانے میں سے کھائے، گرمیوں سردیوں اسکے ساتھ اچھے اچھے مقامات کی سیر کرے اور روزی کمانے کے لئے ایسے کام منتخب کر سکے جو تفریح اور دل لگی سے قریب تر ہوں۔ مگر اس کے پاس کچھ خاص اسباب اور کچھ منفی محرکات بھی تھے جن کے باعث وہ اس پیشے کو پسند کرتا تھا‘‘۔1

جشہ ایسا شخص ہے جو دوسروں کو دیکھ کر حسد کرتا ہے۔ ان جیسے کپڑے پہننا چاہتا تھا اور ان کے جیسا گھومنا پھرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی خواہش کو پوری کرنے کے لئے سگریٹ کے بدلے میں ایک قیدی سے اس کے کپڑے لے لیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک اچھا کام کر رہا ہے اور اسے اچھے کپڑے مل رہے ہیں، لیکن درحقیقت وہ اپنا کفن خریدتا ہے۔ قیدی کے کپڑے پہن کر وہ سگریٹ بیچتا ہے۔ سپاہی یہ سمجھتا ہے وہ قیدی ہے اور ریل سے اتر کر بھاگ رہا ہے۔ آخر میں جو چونکانے والا انجام ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

> ’’جشہ نے حقارت سے منہ چڑایا اور اس کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلنے کا ارادہ کیا۔ محافظ نے دھمکی کے انداز میں بائیں ہاتھ کی مٹھی بھینچی اور بے خبر لڑکے کی طرح بندوق تان لی اور گولی چلا دی۔ گولی کی سنسناتی گونج سے کان بند ہو گئے اور پھر درد اور خوف کی ایک چیخ سنائی دی۔ جشہ کا جسم وہی کا وہیں اکڑ کر رہ گیا۔ صندوقچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ سگریٹ اور ماچس کی ڈبیاں بکھر گئیں۔ پھر وہ منہ کے بل گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔‘‘2

قیدی کی وردی اس کی موت کا سامان بن جاتی ہے۔ اگر وہ اپنے پیشے سے مطمئن ہوتا تو اس کا یہ دردناک انجام نہ ہوتا۔ اگر ترقی کرنا ہی ہے تو سیدھی طرح کرنا چاہئے۔ جو کام کر رہے ہیں اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔ جب سپاہی اسے روکتا ہے تو وہ اسے سمجھ نہیں سکتا۔ دنیا میں ایسے کئی واقعات سامنے آتے ہیں لیکن انھیں ایک خوبصورت کہانی کے پیرائے میں نجیب

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 174 2۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 177

محفوظ نے ہی ادب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کیا ہے۔

''خفیہ معاہدہ''(The Secret Miracle)کو'خورخے لوئیس بورخیس''(Jorge Luis Borges) (ارجنٹائن) نے لکھا ہے اور اس کا ترجمہ محمد عاصم بٹ (لاہور) نے کیا ہے۔

''خفیہ معاہدہ'' ایک جدید افسانہ ہے۔اس افسانے میں جدید تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔کہانی کے شروع میں قرآن مجید کی ایک آیت درج کی گئی ہے۔کہیں کہیں ڈائری کے انداز میں کہانی بیان کی گئی ہے۔ڈرامے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔اس کہانی کا ہیرو کا نام جیرومر ہلادک ہے۔اس جدید افسانہ میں بہت سے اتار چڑاؤ آتے ہیں۔اس کہانی میں ایک اور ڈرامہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ڈرامہ میں شطرنج کی طرح سے مختلف واقعات رونما ہوتے ہیں۔کہانی کے آخر میں جیرومر ہلادک ہلاک ہو جاتا ہے اور کہانی ختم ہو جاتی ہے۔

''چھبیس مزدور اور ایک دوشیزہ'' میکسم گورکی (روس) کی کہانی ہے جسے سعادت حسن منٹو نے ترجمہ کیا ہے۔چھبیس مزدور قید میں رہتے ہیں اور مشینوں کی طرح کام کرتے رہتے ہیں۔سعادت حسن منٹو کے روسی افسانوں کے تحت اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

''شاعر''(The Poet)1946 میں نوبل انعام یافتہ جرمن مصنف ہرمن ہیسے (Hermann Hesse) نے تحریر کیا ہے اس کا ترجمہ منور آکاش (ملتان، پاکستان) نے کیا ہے۔

اس کہانی کے مصنف اگرچیکہ جرمن ہے لیکن یہ کہانی چینی شاعر کی ہے۔اس شاعر کی ابتدائی زندگی اور فن شاعری کے بارے میں بتاتے ہوئے حقیقت نگاری کا سہارا لیا گیا ہے۔اس بیانیہ کہانی میں شروع میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کے بارے میں کوئی تمہید بیان کی جارہی ہے لیکن جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی ہے قاری کو اس کے سوالوں کے جواب ملتے ہیں۔

ہین فک ایک استاد سے فن شاعری پر عبور حاصل کرنا چاہتا ہے۔وہ اپنے عظیم استاد کے پاس جاتا ہے۔جو اسے رباب بجانا سکھاتا ہے۔وہ اس فن میں ماہر ہو جاتا ہے لیکن فن شاعری سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔اپنی توجہ کو ہٹ جانے کی وجہ سے شدید تذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔وہ اچھی دھن بجاتا ہے اور کہانی ختم ہو جاتی ہے۔اس کہانی میں انسانی جذبات کی بہتر عکاسی کی گئی ہے۔مکالموں اور منظر نگاری پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

''فاقہ کش فنکار''(A hunger artist) فرانز کافکا(Franz Kafka)(چیک ریپبلک) کا لکھا ہوا ہے اسے

محمد عاصم بٹ (لاہور) نے ترجمہ کیا ہے۔

فرناز کافکا نے اس کہانی کے ذریعے بہت سے حساس پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ یہ ایک حقیقت پسندانہ کہانی ہے۔ اس میں بے روزگاری اور بھکمری کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ ایک شخص خود کو ایک عرصہ تک بھوکا رکھتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کے عوض اسے کچھ پیسے حاصل ہو سکے۔ جس طرح سرکس میں جانوروں کو پنجروں میں رکھا جاتا ہے اور انھیں دیکھنے کے لئے لوگ پیسے دیتے ہیں اسی طرح سے اسے بھی لوگ دیکھتے ہیں۔ ایک پنجرے میں بند مجبور و بے بس انسان۔ کہانی کے آخر تک یہ انسان جانوروں کی طرح پنجرے میں رہتا ہے۔ اس کہانی پر شارٹ ویڈیو فلم بھی بن چکی ہے جو شائقین کے لئے مشہور ویڈیو پورٹل یوٹوب پر بھی دستیاب ہے۔

''اصلی پھول'' جین آگسٹ سٹرنیڈبرگ (سویڈن) :Johan August Strindberg (Sweden) کی کہانی ہے جسے ستار طاہر (لاہور) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک مختصر کہانی ہے جس میں دو فنکاروں کو بتایا گیا ہے جو شادی کرتے ہیں لیکن چاہتے ہیں بچہ نہ ہو۔ وہ ایک ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں لیکن کمرے الگ الگ۔ اس کی بیوی کاغذ کے پھولوں کا کام کرتی ہے اور چاہتی ہے وہ یہ کام ہمیشہ کرتی رہے اور اس کا شوہر بھی کام کرتا ہے۔ اس طرح ان کی زندگی کا سفر جاری رہتا ہے اور وہ اس میں خوش رہتے ہیں۔ لیکن کاغذ کے پھولوں میں خوشبو کہاں ہوتی ہے۔ ایک دن جب اس کی بیوی کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو وہ ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے اسے شک ہوتا ہے کہ کہیں وہ پھول بناتے وقت کوئی زہریلا مادہ نہ کھا لی ہو جس کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر اسے بتاتا ہے وہ ماں بننے والی ہے۔ جو فیملی دو سال تک بچوں سے دور بھاگتے تھے اب وہ اس خوشی سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ شروع میں اس کی بیوی روتی دھوتی ہے لیکن حقیقی پھول کے کھلنے کی خوشی اسے بھا جاتی ہے۔

یہ کہانی جدیدیت اور ذمہ داریوں سے فرار کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔

''مس ہیریٹ''(Miss Harriet) گے دموپساں (Guy de Maupassant) (فرانس) کی کہانی ہے جسے حمرا خلیق (کراچی) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی سیاحوں کی ہے جو ''تنکارویل'' کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے جا رہے تھے۔ اس سفر کی کہانی ہے۔ سفر کے آغاز کے بارے میں مصنف نے بڑا ہی دلچسپ و دلکش منظر پیش کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''بگھی میں ہم سات آدمی سوار تھے، جس میں سے چار عورتیں تھیں اور تین مرد۔ ایک شخص کوچوان کے پاس بالائی نشست پر بیٹھا تھا۔ بگھی خراماں خراماں اپنی منزل کی طرف رواں تھی۔ ہم لوگ ''تنکارویل Tancarville'' کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے جارہے تھے۔ جن کی خوبصورتی طلوع سحر کے وقت دیکھی جاسکتی تھی۔ صبح کاذب کی خنک ہوا کے جھونکوں میں تمام مسافر نیم غنودگی کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ خاص طور پر خواتین، جو عموماً اتنے سویرے اٹھنے کی عادی نہیں ہوتی، آنکھیں موندے پڑی تھیں۔ جو اس ابھرتی ہوئی خوبصورت صبح کے حسن لطف اندوز نہیں ہورہی تھیں۔'' [1]

کہانی کے شروع میں منظر نگاری سے کہانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ کھنڈرات دیکھنے جاتے ہیں اور وہاں پر انھیں دوسری کہانیاں بھی ملتی ہیں۔ سفر سے واپسی پر ساتھی خاتون کہانی سناتی ہے جو کہانی ختم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی افسانہ بھی ختم ہوتا ہے۔ اس افسانہ میں مکالمہ نگاری بھی کمال کی نظر آتی ہے۔

''تخریب کار''، (Saboteur) ہاجن (Ha Jin) (امریکہ) نے لکھا ہے اس کا ترجمہ نجم الدین احمد (پاکستان) نے کیا ہے۔

یہ کہانی چی یونامی نوجوان کی ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ سیر پر نکلتا ہے۔ یہ سیر اس کے لئے نقصاندہ بن جاتی ہے۔ ہوٹل میں اس کی لڑائی ایک پولیس والے سے ہوجاتی ہے۔ پولیس والے اسے گرفتار کرکے لے جاتے ہیں اور وکیل آنے پر اسے دودن بعد چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ بے قصور ہونے کے باوجود جیل کی سزا کاٹ کا آتا ہے۔ وہ پریشان ہوجاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس علاقہ کے لوگوں سے بدلہ لوں جو مجھے بے قصور ہونے پر بھی سزا دلوائے۔ وہ اپنے گھر جانے سے پہلے مختلف ہوٹلوں میں جاتا ہے اور اس کے بعد یرقان کا مرض پھیلتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا ہے کہ یہ مرض اچانک کیوں اتنا شدت سے پھیلا ہے۔

ایک ہوٹل میں چی یو اور اس کی بیوی کھانے بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے کیا ہے اس کی خوبصورت منظر نگاری پیش کی گئی ہے۔ جدید افسانے کی ایک جھلک افسانہ میں نظر آتی ہے۔ انگریزی ادب کی خصوصیت میں یہ شامل ہے کہ وہ جذیات نگاری اور معمولی دکھنے والی چیزوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں تاکہ حقیقت نگاری کا حق ادا کیا جاسکے۔ مذکورہ بالا اقتباس سے یہی ثابت

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 225

ہوتا ہے۔

کوئی مجرم جب پیش کیا جاتا ہے تو اسے مختلف سوالات کئے جاتے حقیقت نگاری کے ذریعہ ان سوالوں کو افسانے میں دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

موجودہ دور میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائیاں ہو جاتی ہیں اچھی خاصی تفریح ایک عذاب بن جاتی ہے۔ اس جانب بھی اس افسانہ میں نشاندہی کی گئی ہے۔ ایک ہوٹل میں معمولی بات پر کہانی کے ہیرو کی بحث ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں اسے بیوی سے الگ ہونا پڑتا ہے اور حوالات میں رہنا پڑتا ہے۔ وکیل کو بلانا پڑتا ہے۔ مختلف اخراجات اور وقت کی بربادی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک عام آدمی کے ساتھ نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک لکچرار اور ایک سیاسی جماعت کے رکن کے ساتھ ہوتا ہے۔

''میلے کے بعد''(After the Fair) افسانے کو ڈیلن تھامس Dylan Thomas (برطانیہ) نے لکھا ہے اور اس کا ترجمہ غلام الثقلین نقوی (پاکستان) کیا ہے۔

میلے کے بعد، کہانی ایک لڑکی کی ہے، جو میلے کے بعد گھومنے ہوئے پھرتی ہے۔ اندھی رات میں وہ پریشان حال ہوتی ہے۔ اس کی پریشانی کی وجہ بچہ ہوتا ہے جو رو رہا ہوتا ہے۔ ایک موٹا آدمی انھیں دیکھتا ہے اور مشینی گھوڑوں پر سوار کراتا ہے۔ برطانوی افسانوں کی طرح اس میں منظر نگاری اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو جگہ دینا شامل ہے۔

''محبت کے اس پار منتظر موت''(Death Constant Beyond Love)، ''گابرئیل گارسیا مارکیز Gabriel José García Márquez (کولمبیا) کا لکھا افسانہ ہے۔ انھیں 1982 میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔ اسے راشد مفتی (کراچی) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی ایک سینیٹر کی ہے۔ اونیسیمو سانچیز نامی سینیٹر ہے۔ کہانی کا دوسرا کردہ نیلسن فارنیا اور تیسرا کردار لاورا فارنیا ہے۔ سینیٹر لورا فارنیا کو پانے کی چاہ رہتا ہے اور آخر میں پالیتا ہے۔ لیکن پھر چھ مہینے بعد مر بھی جاتا ہے۔ انسانی ذہن میں مختلف خیالات آتے رہتے ہیں اور اسی شعوری اور لاشعوری خیالات کو یکجا کرنے اور اس سے جوجھنے کی جھلک اس افسانے میں دکھائی دیتی ہے۔

افسانہ ''نیلا گلدستہ''(The Blue Bouquet)، 1990 میں ادب میں نوبل پرائز یافتہ مصنف اوکتایو پاز Octavio Paz (میکسکو) کا لکھا ہے اور اسے وجاہت مسعود (لاہور) نے ترجمہ کیا ہے۔

کبھی کبھی رات کو گھر سے نکلنا نقصاندہ ہو جاتا ہے۔ اس کہانی میں بھی کہانی کا ہیرو گھر میں گرمی سے پریشان ہو کر رات

کو ہوا خوری کرنے نکلتا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے ہاتھ دھونے ہی والا ہوتا ہے کہ بچ جاتا ہے اور واپس گھر کو آجاتا ہے اور اس قصبہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

رات کی تاریکی اور کیڑے مکوڑوں کی آواز کی منظر نگاری کے ذریعہ سے کہانی میں جان ڈال دی گئی ہے۔ کہانی کی مناسبت سے جو ماحول کی منظر نگاری کرنا ضروری ہے اسے بہتر انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کہانی میں ظاہری طور پر خوف وہراس نظر آتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہاں پر حالات کا مقابلہ کرنے اور مشکل حالات میں ڈٹ کر کھڑے ہونے کی تربیت اس کہانی میں دی جارہی ہے۔

''سوانگ''(The Hitchhiking Game) میلان کنڈیرا Milan Kundera (چیک ریپبلک) کی کہانی ہے اسے اجمل کمال (کراچی) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی ایک نوجوان لڑکی اور لڑکے کی ہے۔ لڑکا پیسہ والا ہے اور وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ گھومنے نکلتا ہے۔ اس طویل افسانے میں مختلف واقعات رونما ہوتے ہیں۔ کہانی بڑھتی جاتی ہے اور انجام کار پر آکر ختم ہوتی ہے۔ آخر میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لڑکی صرف پیسے کے ساتھ آئی ہے اور اسے اس لڑکے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا سوانگ اترنے کے بعد لڑکا اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ لڑکے کی ابھی چھٹیاں باقی رہتی ہے جسے وہ اس لڑکے الگ ہو کر بتانا چاہتا ہے۔ اس طرح کہانی ختم ہوتی ہے۔ جدید کہانی میں منظر نگاری اور خوبصورت مکالمے بھی ہیں۔ ساتھ ہی آزادانہ ماحول کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔

''دریافت''(“Concerning Mold Upon the Skin, Etc”) جوآینا اسکاٹ Joanna Scott (امریکہ) کی لکھی کہانی ہے۔ نجم الدین احمد (پاکستان) نے اسے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی مشہور ڈچ سائنس داں Antonie Philips van Leeuwenhoek، جسے Father of Microbiology کہا جاتا ہے کی زندگی سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ وہ اپنی زندگی کو اپنی دریافت خوردبین کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ وہ اپنی دریافت شدہ خوردبین کے ذریعے سے تمام باریک اجسام کا معائنہ کرنا چاہتا ہے۔ خون، تھوک، منی اور آنسو وغیرہ۔ کہانی میں اس کے جنون کو دکھایا گیا ہے۔ کہانی کے آخر میں وہ اپنی بیٹی سے آنسو مانگتا ہے۔ اسے اپنی تحقیق کے لئے آنسو کی ضرورت پڑتی ہے۔ اپنی بیٹی کو دکھ دے کر وہ اس سے آنسو حاصل کرتا ہے جسے خوردبین میں دیکھنے کے بعد وہ محسوس کرتا ہے کہ تمام قطروں سے یہ آنسو کے قطرے بھاری ہیں۔ اس طرح کہانی ختم ہوتی ہے۔ اس طویل کہانی میں حقیقت نگاری کے ساتھ کہانی پَن

پر بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے۔

''آدھا دن'' Half A Day by Naguib Mahfouz نجیب محفوظ (مصر) کی کہانی ہے۔ اسے منیر فیاض (پاکستان) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک بہترین کہانی جس میں زندگی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ انسان بچپن سے بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے جو اسے آدھا دن ہی لگتا ہے۔ بچپن اسے اپنے باپ کے ساتھ اسکول جانا پڑتا ہے جہاں اسے پڑھنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد بڑھاپے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ وہی لڑکا جو اسکول سے آتا ہے تو خود کو کمزور محسوس کرتا ہے۔ سڑک کے کنارے ٹھہر جاتا ہے۔ تب ہی استری کرنے والا ایک لڑکا آتا ہے اور اسے سڑک عبور کرواتا ہے۔

یہ کہانی اپنے اندر کئی باتیں لئے ہوئے ہے جیسے ''انسان کو جب لمبی عمر ملتی ہے تو وہ تخلیق میں الٹا ہو جاتا ہے یعنی پہلی والی بچپن والی حالت میں آجاتا ہے''۔ جس طرح بچپن میں اسے باپ کا ہاتھ پکڑ کر اسکول جانا پڑا تھا اسی طرح اسے اب چھوٹے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر سڑک عبور کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ زندگی کے ایک لمبے عرصہ کو اس میں صرف آدھا دن ہی بتایا گیا ہے۔ بچے کے اسکول سے باہر نکلنے کے بعد کا منظر نہایت عمدہ ہے ملاحظہ کیجئے:

> ''میں چند قدم چلا اور پھر حیرت زدہ ہو کر رک گیا۔ او خدایا! وہ گلی کہاں گئی جس کے دونوں طرف باغات تھے؟ وہ کہاں غائب ہوگئی؟ یہ سب گاڑیاں یہاں کب داخل ہوئیں؟ اور یہ سب لوگ کب زمین پر آ گئے؟ یہ کوڑے کے ڈھیرے کی پہاڑیاں کناروں پر کیسے آ گئیں؟ وہ فصلیں کہاں گئیں جو دونوں کناروں پر موجود تھیں؟ ہر طرف بلند عمارتیں تھیں، گلیاں بچوں سے بھری ہوئی تھیں اور پریشان کُن شور کی آوازیں تھیں''۔1

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عمر کے بعد انسان کو سب کچھ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح ماحول پہلے کے مقابلے میں زیادہ خراب ہو رہا ہے۔ شہروں میں ہریالی کے بجائے آلودگی بڑھ رہی ہے۔

''ایک میز ایک میز ہے'' (A table is a table) پیٹر بخسل Peter Bichsel (جرمنی) کی کہانی ہے جسے منور آکاش (ملتان) نے ترجمہ کیا ہے۔

---

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 278

اس کہانی کے شروع میں مصنف یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ ایک بوڑھے کی کہانی سنانا چاہتا ہے۔ ایک آدمی جو کوئی بات نہیں کرتا اس کا چہرہ جھکا ہوا ہے۔ یہ کہانی ایسے شخص کی ہے جو جرمنی کے کسی شہری سے مماثلت رکھتا ہے۔ وہ شخص تبدیلی کا منتظر رہتا ہے۔ میز، گھڑی وغیرہ سب بالکل ویسے ہی ہے جسے وہ تھے۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ نفسیاتی طور پر وہ شخص پریشان ہوتا ہے۔ بوڑھے لوگوں کی نفسیات کو اس کہانی کے ذریعے سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کہانی پر ڈرامے بھی بنائے گئے اور انٹرنیٹ پر پیش بھی کئے گئے ہیں۔

''آخری کہانی'' ایڈگر ایلین پو Edgar Allan Poe (امریکہ) کی کہانی ہے جسے احمد سہیل (پاکستان) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی یہ ضعیف مصنف کی ہے۔ یہ قریب المرگ ہے۔ تمام ڈاکٹرا سے جواب دے چکے ہیں۔ نابینا مصنف نے اپنی زندگی میں بہت کچھ لکھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی آخری کہانی لکھے۔ اس کہانی میں وہ راز بھی لکھے جو 35 سال سے اس کے سینے میں دفن ہے۔ وہ اپنی خادمہ سے کہتا ہے کہ وہ اسے ٹائپ رائٹر صاف کر کے دے تا کہ وہ اپنی آخری لکھ سکے۔ اس کی خادمہ یہ جاننے کے لئے بے چین ہوتی ہے کہ وہ اپنی آخری کیا لکھے گا۔ وہ کہتا ہے کہ جب تک ٹائپنگ کی آوازیں آتی رہیں گی کسی کو اندر مت آنے دینا۔ کھڑکیاں اور دروازے بند کر دینا۔ رات بھر میں کہانی لکھوں گا۔ خادمہ چلی جاتی ہے اسے ٹائپ رائٹر کی آوازیں آتی رہتی ہے۔ اس کہانی کا انجام چونکانے والا ہے ملاحظہ کیجئے:

> ''ملازمہ نے بیتابی سے عجلت میں اپنے مالک کے کمرے کا دروازہ کھولا اور دیوانہ وار بھاگ کر مصنف کی مسہری کے قریب پہنچی۔ وہ اس آخری کہانی کو جلد سے جلد پڑھنا چاہتی ہے جو اس کا مالک برسوں اپنے دل میں چھپائے رہا۔ اس نے ٹائپ رائٹر کے اندر لگا ہوا صفحہ دیکھا تو وہ بالکل سادہ تھا۔ اس پر کچھ بھی نہ لکھا تھا۔ وہ سمجھی شاید مالک نے یہ صفحہ ٹائپ ہی نہیں کیا۔ جب اس نے دائیں طرف رکھے ہوئے صفحے دیکھے تو وہ بھی تمام سادے تھے۔ اس نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا لیکن اس کو کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ اچانک اس کی نظر ٹائپ رائٹر کے اندر پڑی تو اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی کیونکہ وہ رات کو ٹائپ رائٹر کی صفائی کرتے ہوئے اس میں ربن لگانا بھول گئی تھی۔''1

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 286

ایک بات جو مصنف کے دل میں رہتی ہے وہ اس بات کو لوگوں کو بتا کر مرنا چاہتا ہے لیکن قدرت راز کو راز رکھنا چاہتی ہے۔سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ راز ایک خادمہ کی غلطی کی وجہ سے لوگوں کے سامنے نہیں آتا ہے لیکن مصنف یہ سوچ کر مطمئن ہوکر مرجاتا ہے وہ اپنا راز بیان کر چکا ہے۔

’’چیخ‘‘ زرین انزور M. Zarin Anzor (افغانستان) کی کہانی ہے اس کا ترجمہ طاہرآفریدی نے کیا ہے۔

’چیخ‘ ایک تمثیلی کہانی ہے۔اس مختصر کہانی میں ایک غریب معصوم بچے کے بازو کو کٹا ہوا دکھایا گیا ہے۔بس تمام مسافروں سے بھری ہوئی ہے۔اس لڑکے کا بازو کٹا ہوا ہے اس پر سفید پٹی بنی ہوئی ہے اور اس سے قطرہ قطرہ رس رہا ہے۔مصنف کہتا ہے کہ میں اس لڑکے کو دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ وہ لڑکے کو کون اور کیوں مارا ہوگا۔اسی سوچ میں وہ دیکھتا ہے کہ بس کے سارے مسافر کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔انسان کے ہاتھوں انسانوں کے قتل اور ظلم کے بارے میں تمثیلی انداز میں لکھا ہے۔

ایک معصوم بچے پر ظلم کی داستان دیکھ کر مصنف نے گہرے طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے کہ میرے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور وہ دوسرے ہاتھ کو کاٹ رہی ہے۔یعنی اپنوں کے ہاتھوں ہی اپنوں کا قتل ہو رہا ہے۔افغانستان کے اندرونی سیاسی حالات کی بھی عکاسی کی جارہی ہے۔

’’کلاڈ گیوکس‘ Claude Gueux فرانسیسی کہانی ہے جسے وکٹر ہیوگو نے لکھا ہے۔اس کا اردو ترجمہ قیصر نذیر خاؔور نے کیا ہے۔اس کہانی کی تمہید میں بتایا گیا ہے کہ یہ کہانی 1834 میں لکھی گئی تھی۔’کرائم فکشن‘ کے اولین نمونوں میں شامل ہوتی ہے۔

ایک غریب محنت کش آدمی کلاڈ گیوکس کی کہانی ہے جس میں وہ اپنے خاندان کا پیٹ بھرنے کے لئے محنت مزدوری کرتا ہے وہ غریب تھا لیکن ہوشیا اور ذہین تھا او معاملات پر گہرائی سے غور وفکر کرنے والا تھا۔روزگار کا فقدان،خوراک کی قلت کی سردی سے بچنے کے لئے انتظامات کے لئے وہ چور بن جاتا ہے۔گھر والوں کے لئے تین دن کے کھانے کا انتظام کرتا ہے لیکن اس کے عوض اسے پانچ سال کی قید کی سزا ہوجاتی ہے۔جیل میں مجرموں سے وہ بھی مجرم بن جاتا ہے اور ایک ذہین شخص کو ایک دن سزائے موت سنائی جاتی ہے اور اس کا قتل کر دیا جاتا ہے۔

وکٹر ہیوگو نے پھانسی اور سزائے موت کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ایک شخص کو جان سے ماردینا ان کے نزدیک افسوسناک ہے۔اس کہانی میں بھی ایک اچھے شخص کو پھانسی دینے کے وہ خلاف تھے۔

جیل کے حالات بیان کئے گئے تھے۔جیلر کو ظالم نہ سہی براضرور ثابت کیا گیا۔

کلاڈس کے پاس جیل میں ایلبن نامی شخص تھا جو اس کا دوست بن جاتا ہے۔اسے اپنے کھانے میں سے آدھا کھانے کو بھی دیتا ہے۔جیلر کو جب یہ بات چلتی ہے تو وہ اسے الگ کر دیتا ہے۔لاکھ منت سماجت کرنے پر بھی وہ نہیں مانتا ہے۔تب وہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ انسپکٹر کو قتل کر دے گا اس سے پہلے وہ اسے ایک موقع دینا چاہتا ہے۔

آخری موقع دینے کے بعد انسپکٹر انکار کر دیتا ہے تو وہ اسے چھوٹی کلہاڑی سے جو اپنے ساتھ لاتا ہے انسپکٹر پر پے در پے حملے کر دیتا ہے اور مرنے کے بعد بھی پانچواں مار کرتا ہے۔پھر اس کے بعد خودکشی کرنے کے لئے قینچی اپنے سینے میں مار لیتا ہے لیکن اس میں وہ ناکام ہو جاتا ہے اور دواخانہ میں شریک ہو جاتا ہے۔جب ہوش آتا ہے تو وہ صاف گوئی سے بتا دیتا ہے کہ اس نے ہی انسپکٹر کو مارا ہے اور وجہ بھی بتا دیتا ہے۔عدالت اسے بھی موت کی سزا دیتی ہے اور ایک دن اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا جاتا ہے۔مصنف کہتا ہے کہ ایک ذہین شخص کا سر دھڑ سے الگ کر دیا گیا ہے۔

اس کہانی میں پھانسی کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ماحول اور حالات کی وجہ سے اگر کوئی شخص غلطی کر دیتا ہے تو اسے سزا دی جانی چاہئے لیکن اسے بھی قتل کرنا انصاف نہیں ہے۔

یہ کہانی جدیدیت کی عکاسی کرتی ہے۔حقیقت نگاری کے ذریعہ بیروزگاری اور جرائم وحادثات کو فکشن کی صورت میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

''صبح کی سرخی'' جوزف میگنس ویز **Josef Magnus Wehner** (جرمنی) کی کہانی ہے جسے عاصم بخشی راولپنڈی نے ترجمہ کیا ہے۔

بلغاریہ کے ایک افسر کی کہانی ہے۔بلغاریہ کے افسر کی کہانی کے آخری میں موت واقع ہو جاتی ہے۔بین الاقوامی سرحدوں اور جنگ سے پیدا ہونے والے حالات کی عکاسی کرتی ہے۔جدید بیانیہ کہانی ہے۔مکالمہ نگاری اور منظر نگاری کی اس افسانے میں کئی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔اس افسانے کا عنوان ''صبح کی سرخی'' بھی بلغاریہ کے افسر کو گولی لگنے اور مرنے کے وقت آسمان پر موجود صبح کی سرخی سے مماثلت کی بناء پر رکھا ہے۔

آئیلن (Eveline)، جیمز جوائس (James Joyce) کی کہانی ہے۔جسے صغیر ملال نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی 'آئلن' نامی لڑکی ہے۔اس کی ماں نہیں ہے اور بھائی چلے گئے ہیں۔وہ گھر کا کام کر کے بیزار ہو چکی ہے اور

گھر چھوڑ کر چلے جانا چاہتی ہے۔اس کے والد بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔وہ چاہتی ہے کہ دور کہیں اپنا گھر بسائے۔اگر لوگ کہیں یہ بھی گھر چھوڑ کر چلی گئی تو کیا ہوا۔دنیا بولتی رہتی ہے۔وہ فیصلہ کرلیتی ہے کہ فرینک نامی نوجوان کے ساتھ گھر چھوڑ کر چلے جائے گی۔ فرینک پانی کے جہاز پر کام کرنے والا نوجوان ہے۔اس کے والد اسے اس نوجوان کے ساتھ دیکھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اسے دوبارنہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ایک دن جب وہ بھاگنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے سامنے جہاز ہوتا ہے اور فرینک اسے جہاز میں سوار ہونے کے لئے کہتا ہے کہ وہ رک جاتی ہے۔اسے لگتا ہے کہ وہ قدیم روایات کو توڑ رہی ہے۔وہ وہیں ٹھہری رہ جاتی ہے اور فرینک چلا جاتا ہے۔فرینک کو لگتا ہے کہ آئلن کے چہرے پر کوئی جذبات نہیں ہے اور وہ کسی جانور کی طرح بے حس ہوگئی ہے۔جذبات نگاری کی ایک مثال دیکھئے:

> ''فرینک اس کا ہاتھ چھوڑ کر جہاز کی سمت بھاگا مگر آخری کوشش کے طور پر دوبارہ اس کے نزدیک آگیا۔کسی نے جہاز سے فرینک کو ڈانٹا مگر وہ بچوں کی طرح اس کی منتیں کرنے لگا۔آئلین خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔یکلخت فرینک چونک گیا۔آئلین کا چہرہ کسی مویشی کی طرح جذبات سے یکسر عاری تھا۔اس کی آنکھوں میں نہ کوئی الوداعی کیفیت تھی نہ کوئی وابستگی تھی، نہ ہی کوئی پہچان تھی۔''[1]

یہ کہانی جدید مسائل اور نفسیاتی کیفیات کی نمائندگی کرتی ہے۔اس کہانی میں جہاں مختلف مسائل ہیں وہیں پر ایک انسان کے جذبات کی قدر بہت مشکل سے کی جاتی ہے۔کہانی کی اہم کردار آئلن اپنے آپ کو گھر کے لئے وقف کر دیتی ہے لیکن اسے بدلے میں کچھ بھی نہیں ملتا۔جس طرح اس کی ماں گھر والوں کی خدمت کرتے ہوئے مرجاتی ہے وہ بھی ایک دن مرجائے گی۔

''میرے ایک دوست کی سنائی ہوئی کہانی''لڈیا ڈیوس Lydia Davis (امریکہ) کی کہانی ہے جسے نجم الدین احمد نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک مختصر کہانی ہے جس میں انٹرنیٹ کے ذریعہ دونوں دوست بنتے ہیں۔اور جب دوست ملنے کے لئے آتا ہے تو اتفاق سے اس کا دوست مرجاتا ہے جس کے ساتھ وہ زندگی بتانے کا وعدہ کرتا ہے جب ملاقات کے لئے آتا ہے تو اس کی نعش

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم،صفحہ 316

کا دیدار کرتا ہے۔ یہاں کہانی ختم ہوجاتی ہے۔

''بھیڑیا''(The Wolf)،1946 میں نوبل انعام پانے والے مصنف ہرمن ہیسے (Hermann Hesse)(جرمنی) کی لکھی ہوئی کہانی ہے۔انگریزی سے ترجمہ نجم الدین احمد نے کیا ہے۔

یہ کہانی خونخوار بھیڑیوں کے ہے۔ وہ جانوروں کا شکار کرتے ہیں اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ لوگ ان بھیڑیوں سے پریشان ہوجاتے ہیں۔ ایک سردیوں کی رات تینوں بھی بھیڑیوں کو مار دیا جاتا ہے۔ تیسرے بھیڑیے کی موت کے ساتھ کہانی ختم ہوجاتی ہے۔ سردیوں کے موسم اور بھیڑیے کی موت کی منظرنگاری مصنف نے بڑی ہی چابکدستی کی ہے:

> ''اس کی ہڈیاں توڑ کر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے سینٹ اِمر لے گئے۔ انھوں نے قہقہے لگائے، شیخیاں بگھاریں، گیت گائے، لعنتیں برسائیں اور برانڈی اور کافی کے حقدار ٹھہرے۔ ان میں سے کسی نے بھی جنگل کو ڈھانپنے والی برف کے حسن کو یا بلند سطح مرتفع کی تابانی کو یا چسیرل پر لٹکے سرخ چاند کو نہیں دیکھا جس کی مدہم چاندنی ان کی بندوقوں کی نالیوں پر، شفاف برف میں اور مردہ بھیڑیے کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں ٹمٹا رہی تھی''۔1

منظرنگاری کے ذریعے سے یہ احساس بھی دلایا جا رہا ہے کہ جانور کو مارنے کے بعد وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ایک مجبور بے بس جانور کو بندوق کی گولیوں اور لاٹھیوں سے مار مار کر ہلاک کرنا صحیح ہے۔ اسی خیال پر افسانہ ختم ہوتا ہے۔

''ہاتھی کی گمشدگی''(The Elephant Vacnishes)، ہاروکی موراکامی Haruki Murakami (جاپان) کی کہانی ہے جسے سید سعید نقوی (امریکہ) نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک طویل کہانی ہے جس میں ہاتھی کے گم ہونے کی داستان رقم کی گئی ہے۔ مختلف محکمہ جات کی اور اخبارات میں شائع خبروں کے سہارے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ کہانی بیان کرنے والا شخص اخبار کے مکمل مطالعہ کا عادی ہے۔ وہ نہ صرف اخبار کا مکمل مطالعہ کرتا ہے بلکہ بعض خبروں کو کاٹ کر رکھ لیتا ہے۔ روزانہ کی طرح جب وہ اخبار پڑھتا ہے تو اسے ہاتھی کی گمشدگی کی اطلاع ملتی ہے۔ چوں کہ وہ اخبار میں ہاتھی سے متعلق خبریں پہلے سے پڑھتے رہتا ہے اس لئے اسے معلوم رہتا ہے کہ ہاتھی کا قصہ بہت لمبا چل رہا تھا اور ہاتھی مختلف سرکاری محکموں کے وبال بن رہا تھا اس بوڑھے ہاتھی کو مار کر دفنا بھی نہیں سکتے کیوں بعد میں یہ راز

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، 320

فاش ہونے پر اس کے بھیانک نتائج برآمد ہوسکتے تھے۔ ہاتھی کو زبردستی قصبہ والوں کو دیا جاتا ہے ہاتھی کے بندوبست کا فارمولہ کہانی میں یہ بتایا گیا:

ا۔قصبہ بلا قیمت اس ہاتھی کو متبنیٰ کرے گا۔

۲۔ٹھیکیدار بلا کسی معاوضے کے ہاتھ یکی رہائش کے لئے جگہ فراہم کرے گا۔

۳۔ چڑیا گھر کے سابق مالکان مہاوت کی تنخواہ کے ذمہ دار ہوں گے۔1

بوڑھے ہاتھی کو کوئی بھی رکھنا نہیں چاہتے۔ قصبے والوں کو زبردستی ہاتھی دیا جاتا ہے۔ وہ اسے حاصل تو کر لیتے ہیں لیکن انھیں یہ زبردستی کا سودا لگتا ہے۔ وہ اسے لینے سے لاکھ بہانے کرتے ہیں لیکن انھیں بتایا جاتا ہے کہ بوڑھا ہاتھی کا خرچہ کم ہی ہے۔ ایک دن ہاتھی اور مہاوت غائب ہوجاتے ہیں۔ لوگ ان کے بارے میں لکھتے بھی نہیں وہ انھیں بھول جاتے ہیں۔ یہاں کہانی ختم ہوجاتی ہے۔

''قصبے کا آدمی'' کملیشور(ہندی): Kamleshwar Prasad Saxenaa (India) کی کہانی جسے اعجاز عبید نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک کہانی چھوٹے مہاراج نامی آدمی کی ہے اس کے پاس طوطا ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ طوطے کو اپنے ساتھ رکھتا ہے اس نے سن رکھا تھا کہ مرتے وقت رام کا نام کان میں پڑ جائے تو نجات ہوتی ہے۔ ایک رات چھوٹے مہاراج نامی بیمار شخص مر جاتا ہے اور اس کے پاس رکھا ہوا طوطا بھی پنجرے سے غائب ہوجاتا ہے۔ اس طرح یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ طوطے کو آزاد کرنے میں نجات ہے۔

''سونا''(Gold) کم ایڈورڈ Kim Edwards(امریکہ) کی کہانی ہے جسے نجم الدین احمد نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک طویل کہانی ہے۔ سونے کی تلاش میں کہانی کا اہم کردار محمد مودا نور Muhammad Muda Nor ہے۔ جب اس کی بہن ایک سونے کا ٹکڑا لا کر مودا کو بتاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ سونا مجھے زمین سے ملا ہے تو وہ یہ کہہ کر اسے خاموش کر دیتا ہے کہ وہ احمق ہے۔ چونکہ گاؤں کی ساری عورتیں اس وقت وہاں موجود ہوتی ہیں اس لئے ان عورتوں سے اپنی سونے کی کان کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ یہ حرکت کرتا ہے۔ بعد میں اپنی بہن سے کہتا ہے کہ وہ اصلی سونا ہی ہے اور اس نے جہاں سے یہ سونا

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، صفحہ 322)

حاصل کیا وہ جگہ اسے بتائے۔ جب وہ جگہ بتاتی ہے تو وہ وہاں پر کھدائی کرتا ہے۔ مودا کے راستے میں بہت سی پریشانیاں آتی ہیں لیکن وہ کھودتا رہتا ہے اور ایک دن اسے عمدہ سونا کا ایک ڈلا مل جاتا ہے۔ وہ اسے لے کر بہت کچھ سوچتا ہے لیکن پھر قسمت اس غریب کے ساتھ کھیل کھیلتی ہے اور اس کے پاس سے سونا چلے جاتا ہے۔

یہ طویل کہانی انسان کی کوشش اور قسمت کے بارے میں بتاتی ہے۔ موضوع اور عنوان کے مطابق اس کہانی میں سونا حاصل کرنے کی جدوجہد بھی ہے اور اسے کھونے کا غم بھی ہے۔

''ایک مضحکہ خیز آدمی کا خواب''(The Dream of a Ridiculous Man)، فیودر دوستوئیفیسکی Fyodor Dostoyevsky(روس)، کی کہانی ہے جسے عاصم بخشی نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک طویل کہانی ہے۔ اس کہانی میں تفصیل کے ساتھ ایک شخص کی کیفیت کو بتایا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لوگ اسے پاگل سمجھتے ہیں لیکن وہ نہیں ہے۔ اس کی باتیں پاگلوں کی طرح ہوتی ہے اور اس کا خواب ہے جو دیکھا تھا جس کا لوگ مزاق اڑاتے ہیں، وہ کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ مرچکا ہے، کبھی کچھ اور دیکھتا ہے۔ انسانی نفسیات کی اس افسانہ میں بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

''مٹھی بھر کھجوریں''(A handful of dates.) طیب صالح Tayeb Salih سوڈان کی کہانی ہے جسے احمد صغیر صدیقی نے ترجمہ کیا ہے۔ اس کہانی کو خورشید اقبال کولکتہ نے بھی ترجمہ کیا ہے۔ عالمی ادب کے اردو تراجم کے صفحہ 375 پر درج ہے۔ خورشید اقبال کی کتاب کے تحت اس افسانہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

'ریل گاڑی'(The Train) موراتھان منگن Murathan Mungan(ترکی) کی کہانی ہے۔ انگریزی سے ترجمہ آصف فرخی نے کیا ہے۔

جدید طویل کہانی ہے۔ یہ ایک بیانیہ کہانی ہے۔ مصنف فلیش بیک ٹکنیک میں گذرے ہوئے واقعات کو یاد کرتا ہے اور کہانی آگے بڑھتی ہے۔

''کلیسا''(Cathedral) ریمنڈ کارور Raymond Clevie Carver(امریکہ) کی کہانی ہے جس کا ترجمہ ظفر سید نے کیا ہے۔ یہ اس کتاب کی آخری کہانی ہے۔

''کلیسا'' ایک میاں بیوی اور ان کے نابینا دوست کی ہے۔ کہانی جذباتی اور تمثیلی انداز کی ہے۔ اس کہانی میں جو بتایا جارہا ہے وہ اس سے زیادہ اہم وہ ہے جو نہیں بتایا گیا ہے۔ اس کہانی میں ایک اندھے شخص کے ذریعے سے ٹکٹکی وی دیکھنے

کی بات کہی گئی ہے اور دوسری جانب جو شخص جوا چھا ہے وہ آخری میں اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور پھر انھیں نہیں کھولتا۔ اس کہانی میں مختلف انداز کے مکالمے بھی ہیں۔ مختصر اور طویل مکالموں کے ذریعے سے کہانی بڑھتی ہے اور آخر میں انجام کو پہنچتی ہے۔

مختصر یہ کہ کتاب ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' جدید افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا مختصر جائزہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' کے تحت ایسے افسانوں کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف جدید ہوں بلکہ اس میں زیادہ تر نوبل انعام یافتہ افسانہ نگاروں کے افسانے بھی ہیں۔

یہ افسانے فن اور تکنیک کی لحاظ سے بہت عمدہ ہیں۔ کہیں مونولاگ کی تکنیک ہے تو کہیں خوبصورت منظر نگاری و مکالمہ نگاری ہے۔ کہیں کہیں فلیش بیک کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔

اس کتاب کے افسانوں میں غربت سے جھوجھتے ہوئے لوگوں کی کہانیاں بھی ہیں۔ کمزور اور کچلے ہوئے لوگوں کی زندگی کی جزأت بھی ہیں۔ زندگی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے تئیں ہمدردی کا اظہار بھی ہے۔

حقیقت نگاری کی عمدہ مثالیں اس کتاب میں نظر آتی ہیں۔ انسانی جبلت اور خواہشات کے عکاسی بھی کئی افسانوں میں نظر آتی ہے۔ اچانک امیر بننے کی چاہ اور لاٹری اور ریس میں پیسہ لگانے والوں کی بھی کہانیاں اس مجموعے میں شامل ہیں۔

عالمی ادب کی معیاری کہانیوں کا یہ خوبصورت مجموعہ ہے۔

عالمی ادب کے اردو تراجم

انتخاب افسانہ (جلد دوم) انتخاب وترتیب: یاسر حبیب

عالمی ادب کے تراجم کے سلسلہ کی تیسری کڑی ہے۔ پہلی جلد میں حصہ اول اور دوم شامل تھے۔ اب یہ دوسری جلد ہے۔ انٹرنیٹ فیس بک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' پر مختلف ادیبوں نے کہانیاں ترجمہ کی ہیں۔ انھیں جمع کیا گیا اور ایک ای بک کی شکل دی گئی۔ یہ سبھی ترجمہ شدہ افسانے نئے ہیں۔ ''اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں اسے شامل کیا گیا ہے۔

مختلف ممالک کی کہانیاں ہیں جو زیادہ تر انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ ہندی، روسی، چینی، انگریزی، مصری، ایرانی، البانی، نائیجریائی وغیرہ ممالک کی کہانیوں کے تراجم اس کتاب میں شامل ہیں۔

اس کتاب کا پہلا افسانہ پر 51 نمبر ہے۔ جو کہ پہلی کتابوں کا تسلسل ہے۔

لگرThe ledge یہ افسانہ لارنس سارجنٹ ہالLawrence Sargent Hall (امریکہ) نے لکھا ہے اس کا ترجمہ نجم الدین احمد (بہاولنگر، پاکستان) نے کیا ہے۔

میلاد مسیح کی صبح ماہی گیر اپنے ایک بیٹے اور بھتیجے کے ساتھ مرغابیوں کے شکار کو نکلتا ہے۔ سردیوں کی صبح اس کی بیوی نہیں چاہتی کہ وہ شکار پر جائے لیکن وہ لڑکوں کے ساتھ شکار پر نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد جو مہم جوئی ہوتی ہے اسے تفصیل سے بتایا گیا ہے۔

وہ تینوں کشتی سے اتر کر برف کے لگر پر بیٹھتے ہیں اور شکار کرتے ہیں۔ سہواً ان سے کشتی چھوٹ جاتی ہے اور برف کے جزیرے پر سکڑ کر ماہی گیر کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ماہی گیر غلطی کی وجہ سے اس دردناک انجام کو پہنچتا ہے۔

اس طرح ماہی گیر کے موت کے ساتھ کہانی کا اختتام ہوتا ہے۔ اس کہانی میں ایڈونچر ہے۔ بچوں کی دلیری ہے او رساتھ ہی ماہی گیر کے کشتی کھونے اور بچوں کو دلاسہ دینے اور آخر میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے کا تفصیل منظر نگاری کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

''ہیروں کا سیٹ''The necklace گے دے موپاساں La Parure (فرانس) کی کہانی ہے جس کا ترجمہ شوکت

نواز خان نیازی نے کیا ہے۔

غریب گھر کی خوبصورت عورت کی کہانی ہے جس کا شوہر محکمہ تعلیم میں کلرک کی ملازمت کرتا ہے۔ اسے ایک دن محکمہ تعلیمات میں دعوت کا کارڈ ملتا ہے۔ وہ خوش ہوتی ہے۔ اس دعوت کے لئے نئے کپڑے خریدے جاتے ہیں۔ پوری تیاریاں کی جاتی ہیں۔ ساتھ میں اس کے دوست سے ہیروں کا ایک نیکلس ادھار لیا جاتا ہے۔ جسے پہن کو وہ دعوت میں جاتی ہے۔ جہاں سب کے ساتھ وہ خوش ہوتی ہے۔ سب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ہر کوئی اس کے ساتھ رقص کرنا چاہتا ہے۔ خوشی سے سرشار وہ رات چار بجے گھر پہنچتی ہے۔ اس کا شوہر اسے اپنا کوٹ پہناتا ہے۔ جب وہ گھر پہنچتے ہیں تو انھیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ان کا ہیروں کا نیکلس گم ہو گیا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ جن سے مانگے ہیں انھیں معلوم ہو اس لئے وہ کہتے ہیں کہ وہ نکلس کا سرا ٹوٹ گیا ہے وہ بنوا کر لوٹانے والے ہیں اس کے لئے وہ سخت محنت کرتے ہیں۔ میاں بیوی دونوں محنت کرتے ہیں اور بیوی برتن وغیرہ دھو کر پیسے جمع کرتی ہے۔ آخر کار وہ نیا نکلس خرید کر لوٹا دیتے ہیں۔ اس کی قسطیں دس سال سے زیادہ عرصہ تک بنتے ہیں۔ ایک دن ان کی ملاقات اسی دوست سے ہوتی ہے جس کا وہ نکلس ادھار لئے تھے جس کے بدلے وہ نیا نکلس لوٹا دیئے تھے۔ ان کی بات چیت سے جو بات سامنے آتی ہے وہ اس کہانی کا اہم نکتہ ہے، ملاحظہ کیجئے:

> ''......میں نے تمہیں ایک اور اسی جیسا نیا سیٹ خرید کر لوٹایا تھا۔ اور اب دس سال ہو چکے ہیں ہم اس کی قیمت چکا رہے تھے۔ جانتی ہو یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ ہمارے پاس تو پہلے ہی کچھ نہ تھا.......بحر حال اب سب ختم ہو چکا ہے اور میں بالکل خوش ہوں''۔
>
> مسز فوریستیئے خاموشی سے اس کا چہرہ تکتی رہی۔
>
> ''کیا تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے میرے ہیروں کے نیکلس کی طرح ہیروں کا ایک نیا نیکلس خرید کر مجھے لوٹایا تھا؟''
>
> ''ہاں۔ اور تمہیں معلوم ہی نہ ہوا تھا۔ ہے نا؟ دونوں بالکل ایک جیسے تھے۔''
>
> پھر اس کے ہونٹوں پر ایک فخریہ اور مطمئن مسکراہٹ پھیل گئی۔
>
> مسز فوریستیئے چہرے پر عجیب سے تاثرات لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی دوست کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔
>
> ''اوہ ماتیلدہ! میرا سیٹ تو نقلی تھا۔ اس کی قیمت تو صرف پانچ فرانک تھی............!''[1]

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد ۳، صفحہ 24

کسی کی چیز مانگ کر استعمال کرنا اور پھر اسے لوٹانے سے قاصر رہنا خلاف اخلاق ہے۔ وہ اسے بغیر پتہ چلے لوٹانا چاہتے تھے لیکن انھیں پتہ نہیں چلا کہ وہ ایک معمولی ہار کے بدلے گذشتہ دس سال تک محنت کرتے رہے۔ اگر وہ انھیں سچائی بتادیتے تو شاید اتنی مشقت نہ اٹھانا پڑتا۔

''خزانہ'' منوج کمار پانڈے کی لکھی ہوئی کہانی ہے جسے خالد فرہاد نے ترجمہ کیا ہے۔ ایک طویل کہانی ہے جس میں پرانے زمانے سے چلتے آرہے خزانے کی باتوں اور خزانہ کی تلاش میں انسانی فطرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کہانی میں انسان کے لالچ اور کبھی ہاتھ نہ آنے والے خزانہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ خزانہ کی تلاش دراصل ایک جان لیوا کشش کی وجہ سے ہوتی ہے اور بعد میں پشیمانی ہوتی ہے۔ لوگ بھی ہنستے ہیں اور اپنی حرکت پر خود کہانی کا ہیرو بھی ہنستا ہے۔

''اسیر'' (The Captive) آئزک باشیوس سنگر (Isaac Bashevis Singer) (پولینڈ) کی کہانی ہے، اس کا ترجمہ منور آکاش نے کیا ہے۔

یہ ایک مصنف کی کہانی ہے جو ایک مصور کے بارے میں لکھنا چاہتا ہے۔ یہ مصور غائب ہوجاتا ہے۔ ایک عرصہ بعد وہ اس کی بیوی سے ملتا ہے۔ وہ اسے قید کر لیتی ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر وہ واپس نہیں جاسکتا۔ اسے جادو کی تختیوں کے ذریعہ بتاتی ہے کہ وہ پرانے واقعات کو اس کے ذریعے جان سکتی ہے۔ مصنف کی زبانی بیانیہ کہانی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ آخر میں مصور کی بیوی آرٹس کی کہانی لکھانے پر راضی ہوجاتی ہے اور کہانی ختم ہوجاتی ہے۔

اس کہانی میں بہترین مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور حقیقت نگاری کے نمونے شامل ہیں۔ مصوری کے بارے میں جزیات نگاری سے کام لیا گیا ہے۔ پینٹنگ کے دو مشہور طریقوں واٹر کلر اور آئل پینٹنگ کے بارے میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ مصور کی عادتوں اور جسمانی ہیئت کی بھی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔

''لُو'' Sunstroke، ایوان بونین Ivan Bunin (روس) کا افسانہ ہے جسے انگریزی سے نیرّ باس زیدی نے ترجمہ کیا ہے۔ ایوان بونین کو 1933ء میں ادب میں نوبل انعام حاصل ہوچکا ہے۔

یہ ایک لفٹنٹ کی کہانی ہے۔ ایک اسٹیمر میں گرمی میں مختلف شہروں کا سفر کرنے والا شخص ہے۔ اس شخص کے اطراف کہانی گھومتی ہے۔ جدید انداز کی اس کہانی میں پلاٹ پیچیدہ ہے۔ چند واقعات کو جوڑ کر اس کا نتیجہ قاری کے سپرد کردیا گیا ہے۔ کہانی پن کی کمی ہے لیکن جزئیات نگاری میں کمال کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وہ تھکاوٹ سے ہانپتا کانپتا ہوٹل میں واپس آیا جیسے وہ ترکستان یا سہارا میں سفر طے کر کے آرہا ہو۔ اپنی قوت کو مجتمع کر کے وہ ایک بڑے اور ویران کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کو پہلے ہی صاف کر دیا گیا تھا اور اس میں سے سامان نکالا گیا تھا، بستر کے قریب فرش پر، اس خاتون کا چھوڑا ہوا، بالوں کا ایک پن پڑا تھا، اس نے اپنی جیکٹ اتاری، آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا، ایک فوجی افیسر کا لُو سے جھلسا ہوا چہرہ، پسینے سے شرابور گرد آلود مونچھیں، نیلی مائل آنکھیں، جو جھلسے ہوئے چہرے پر پہلے سے کہیں زیادہ سفید نظر آرہی تھیں، اس کا حلیہ دیوانوں والا لگ رہا تھا اور وہ اپنی باریک سفید قمیض میں ملبوس کھڑا تھا، قمیض کا کالر بھی پسینے سے بھرا ہوا تھا اور اس کی اپنی حالت بھی قابل رحم تھی۔''1

نوبل انعام یافتہ مصنف کی یہ کہانی بہترین کہانیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ظاہری طور پر اس افسانہ میں کہانی پَن کی کمی نظر آتی ہے لیکن واقعات اور جزئیات نگاری کا کمال کیا گیا ہے۔

''انگلستان اور میرا قبیلہ'' England and my clan یان لیانکے Yan lianke (چین) کی کہانی ہے۔ انگریزی سے اردو ترجمہ ڈاکٹر تنویر انجم، نے کیا ہے۔

یہ کہانی چین کے ایک قبیلے کے افراد اور انگریزوں کے درمیان دشمنی کی ہے۔چین میں بسے ایک پرانے قبیلے والوں کا کہنا ہے کہ انگریزوں نے ان کے خاندانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ انھیں افیون بیچ کر ان کے گھروں کو بیچنے پر مجبور کر دیا۔ اگر انگریز نہ آئے ہوتے تو ان کی جائیدادیں ہوتی اور وہ خوش حال ہوتے۔ایک دن نوجوان لڑکا پڑھائی کے لئے انگلستان جانے والا ہوتا ہے۔اس کے دادا جی جو نہایت ضعیف ہے اس سے کہتے ہیں کہ وہ ان انگریزوں سے بدلہ لے جنھوں نے ان کی زمینوں کو بیچنے لگایا۔دوا انگریزوں کو مارنے کے لئے وہ انھیں خنجر بھی دیتے ہیں۔دکانوں اور زمینوں کی جانب اشارہ کر کے بھی بتاتے ہیں کہ یہ سب ہمارا تھا لیکن ان انگریزوں نے یہ سب ختم کروادیا۔جب وہ اس کے دادا کو یقین دلاتا ہے وہ ضرور بدلہ لے گا تو اس کی معمر دادا اسی دن مطمئن ہو کر دنیا کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔آخر میں وہ خنجر کو زمین میں دفن کر کے انگلستان چلے جاتا ہے۔کہانی ایک منظّم پلاٹ کے سہارے چلتی ہے اور اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔کہانی کے پلاٹ پر خاص توجہ دی گئی ہے۔غیر ضروری طوالت کہیں نظر نہیں آتی ہے۔کہانی کو مربوط انداز میں بڑھایا جاتا ہے۔کہانی کا انجام بڑا دلچسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ کریں:

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد3، صفحہ 63,64

''اپنے دادا کی قبر پر بیٹھے ہوئے میلوں دور سمندر کی مہک سانسوں میں بھرتے ہوئے اس گاؤں پر نظر جمائے جس میں کبھی ہمارے خاندان کی بے تحاشہ دولت تھی اور سرخ صندل صندوقچی کو جو ایک قدیم خنجر اور ایک زنگ آلود دشمنی کو چھپائے ہوئے تھی، جھلاتے ہوئے میرا دل چاہا کہ میں ایک کہانی لکھوں۔ تاریخی فکشن کا ایک نمونہ میرے خاندان اور ایک دور افتادہ ملک کے درمیان دشمنی اور صلاح کی کہانی۔ میں نے اسے ایک عنوان بھی دے دیا، ''انگلستان اور میرا قبیلہ''[1]

ادب میں نوبل پرائز حاصل کرنے والے اس ادیب نے قبیلہ کی دشمنی اور نوجوان نسل کی ترقی پسند سوچ کو ایک خوبصورت کہانی کے روپ میں پیش کیا ہے۔ کہانی کے ہیرو کے پردادا اپنے باپ کی خودکشی کرنے کر لینے کے بعد ان کے خنجر کو لئے پھرتے تھے تاکہ کسی دو انگریزوں کو قتل کر کے اپنے باپ کی خودکشی کا بدلہ لے سکے۔ اسی کی نسل سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جو انگریزوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ پڑھنے کے لئے انگلستان روانہ ہوتا ہے اور خاندانی دشمنی کی علامت اس خنجر کو ہمیشہ کے لئے زمین میں دبا دیتا ہے۔

''معجزے بکتے نہیں'' No Witchcraft for Sale ڈورس لیسنگ Doris Lessing (برطانیہ) کی کہانی ہے جسے نجم الدین احمد نے ترجمہ کیا ہے۔ ڈورس لیسنگ کو 2007 میں نوبل انعام حاصل ہوا۔

قدیم نسخے جو سینہ بہ سینہ، پیڑھی در پیڑھی ایک دوسرے کو سکھائے جاتے ہیں وہ کسی اور کو بیچے نہیں جاتے، یہی اس کہانی کا مرکزی خیال ہے۔ خوبصورت پلاٹ اور بہترین تکنیک کے ذریعے کہانی بُنی گئی ہے۔ ایک گھر میں کئی دنوں بعد اولاد ہوتی ہے۔ بچہ سب کا لاڑلہ ہوتا ہے۔ ایک دن بچے کی سنہری آنکھوں میں سوجن آ جاتی ہے اور وہ بالکل اندھا ہونے کے قریب ہو جاتا ہے۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ تب ہی گِڈیون نامی باورچی بچے کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹاتا ہے اور کہتا ہے 'سانپ' نے اس کی آنکھوں میں اپنا سارا زہر تھوک دیا ہے۔ وہ فوراً جھاڑیوں میں جاتا ہے اور کوئی جڑ لا کر اسے نرم کر کے بچے کی آنکھوں میں لگاتا ہے۔ بچہ ایک دم اچھا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ قصہ چہار سو مشہور ہو جاتا ہے۔ ہر کوئی اس سے یہ راز اور معجزہ جاننے کا متمنی ہوتا ہے۔ ایک ڈاکٹروں کی ٹیم بھی آتی ہے تحقیق کی جائے۔ وہ سارا دن ان لوگوں کو گھماتا ہے لیکن جڑ نہیں بتاتا۔ میڈم فارقوار جو

---

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد ۳، صفحہ 71

اس کی مالکن ہے اس سے ناراض ہوجاتی ہے لیکن وہ پھر بھی نہیں بتاتا۔ دونوں میں صلح ہوجاتی ہے۔ ٹیڈی نامی بچہ اسکول جانے لگتا ہے تو وہ بھی ایک دن اس سے پوچھ لیتا ہے کہ تم نے کیوں ایسا کیا تھا۔ وہ ہنس کر اسے دعا دیتا ہے۔

"The Farquars had been childless for years when little Teddy was born; and they were touched by the pleasure of their servants, who brought presents of fowls and eggs and flowers to the homestead when they came to rejoice over the baby, exclaiming with delight over his downy golden head and his blue eyes. They congratulated Mrs. Farquar as if she had achieved a very great thing, and she felt that she had—her smile for the lingering, admiring natives was warm and grateful. 1ے

Witchcraft کے معنی جادو، سحر کے ہوتے ہیں اور Witch چڑیل کو کہتے ہیں، افسانہ کی مناسبت سے اس کا بالکل صحیح مفہوم ''معجزہ'' کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس کا اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے جس سے انگریزی الفاظ کے اردو ترجمہ کو سمجھا جاسکتا ہے۔

''جب ننھا ٹیڈی پیدا ہوا تو فارقوار خاندان کئی برسوں سے بے اولاد تھا۔ اُن کے ملازم بھی اُن کی خوشیوں میں شریک ہوئے۔ جب وہ بچے کی پیدائش پر مسرت کا اظہار کے لیے آئے تو اپنے ساتھ حلال پرندے، انڈے اور پھول لائے۔ وہ اُس سنہرے سر اور نیلی آنکھیں دیکھ کر خوشی سے چلا اٹھتے۔ وہ بیگم فارقوار کو یوں مبارکباد دیتے جیسے اس نے بہت بڑا معرکہ سرانجام دیا ہو......اور اسے بھی یہی لگتا......مقامی لوگوں کے لیے اس کی مسکراہٹ گرم جوش اور تشکرانہ ہوتی۔'' 2ے

نجم الدین احمد نے fowls and eggs کا ترجمہ ''حلال پرندے، انڈے'' کیا ہے جب کہ یہاں ''حلال'' کا لفظ نہیں لکھا گیا ہے یہ تہذیبی عناصر مترجم کے ذہن میں تھا جو انھوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر اس میں شامل کر دیا۔ عام طور پر مسلمان گوشت ''حلال'' کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ very great thing کا ترجمہ انھوں نے ''بڑا معرکہ'' کیا ہے جو اردو والوں کے لئے بہت عمدہ ترجمہ ہے۔ انھوں نے اردو قارئین کے ذہن کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت ہی عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ اس مشہور کہانی کو انھوں نے اردو میں ڈھالا ہے۔

1ے "No Witchcraft for Sale" by Doris Lessing

1ے عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 72

''سرنگ سری''،(Through the tunnel) ڈورس لیسنگ Doris Lessing (برطانیہ) کا ہی افسانہ ہے جنھیں 2007 میں نوبل انعام دیا گیا۔اس کہانی کا ترجمہ نجم الدین احمد نے کیا ہے۔

یہ کہانی ایک بچے کی ہے۔ یہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ سمندر گھومنے جاتا ہے۔اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔گیارہ سال کا بچہ دیگر بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔وہ سمندر میں ایک چٹان کے نیچے سے نکل کر دوسرے جانب آتا ہے۔بچے بھی اس کھیل سے محظوظ ہوتے ہیں۔وہ ان بچوں کے ساتھ سانس روک کر سمندر کی گہرائیوں سے نکل آتا ہے۔اس بچے کی سمندر کی سرنگ کی جستجو اور مختلف مہم جوئی کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔آخر میں وہ سمندر کی سرنگ کی تلاش میں سمندر میں جانے سے انکار کر دیتا ہے۔
انگریزی افسانوں کی انفرادیت کی طرح اس افسانے میں جزیات نگاری اور منظر نگاری بہت عمدہ ہے۔ایک مثال دیکھئے:

> ''جیری کودا، اپنی کی تہہ میں پیراکی کرنے والوں کے غول کے قریب سے گزرا، ایک بہت بڑی سیاہ دیوار کو اپنے سامنے دیکھا، اس نے اسے چھوا اور فوراً ہی اوپر کی طرف اٹھ گیا جہاں وہ دیوار کے پار ایک کم بلند رکاوٹ دیکھ سکتا تھا۔اسے اپنے نیچے کوئی دکھائی دیا۔تہہ میں پیراکی کرنے والوں کی مدہم شبیہیں غائب ہو چکی تھی۔پھر ایک ایک کر کے لڑکے چٹان کے دور کے حصے پر ابھرے تو وہ سمجھ گیا کہ وہ دیوار میں موجود خلا یا کسی سوراخ سے گزر گئے ہیں۔اس نے دوبارہ ڈبکی لگائی اور وہ آنکھوں میں چھبنے والے نمکین پانی میں سپاٹ دیوار کے سوا کچھ نہیں پایا۔جب وہ سطح آب پر آیا تو تمام لڑکے کودنے والی چٹان پر موجود دوبارہ پھر وہی کارنامہ سرانجام دینے کی تیاری میں تھے۔اب وہ ناکامی کا دکھ لئے انگریزی میں پکار اٹھا ''مجھے دیکھو، دیکھو'' اور ایک احمق کتے کی مانند پانی اچھالنے اور پاؤں مارنے لگا''۔1

ایک بچے کی نفسیات کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ بچے اپنے ساتھوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہے وہ بھی ان کی طرح پانی میں غوطے لگانا چاہتا ہے۔وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ وہ دیکھو میں تمہارے جیسے پانی میں غوطے لگا رہا ہوں۔ یہ افسانہ جدید افسانہ کی ایک بہترین نمونہ ہے۔

''بارش میں بلی'' The Cat in the rain ارنسٹ ہیمنگوے Ernest Hemingway (امریکہ) کی کہانی

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد3، صفحہ 81

ہے جس کا ترجمہ مشہور مترجم ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے کیا ہے۔ ارنسٹ کو 1954 میں نوبل انعام مل چکا ہے۔

بارش کی شام کی کہانی ہے۔ ہوٹل میں ایک امریکی شوہر اور بیوی ہیں۔ بیوی کھڑی سے باہر دیکھتی ہے تو اسے ایک بلی بارش سے بچنے کے لئے ٹیبل کے نیچے بیٹھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ وہ بلی کو لے آئے گی جب وہ وہاں جاتی ہے تو بلی نہیں ملتی۔ وہ واپسی پر شوہر کو بتاتی ہے کہ بلی نہیں تھی۔ لیکن اتفاق سے جب وہ بلی کو تلاش کرنے جاتی ہے تو اسے وہاں ایک لڑکی نظر آتی ہے وہ لڑکی سے بلی کا تذکرہ کرتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد بل بجتی ہے۔ وہ لڑکی دروازے پر بل جاتی ہے۔ دروازہ کھولنے پر اس کے ہاتھ میں ایک بلی ہوتی ہے وہ کہتی ہے کہ یہ میڈم کے لئے ہے۔ اس طرح اس مختصر افسانے کا اختتام ہوتا ہے۔

''احمق بوڑھا'' (Silly old fool)، البرٹو موراویہ Alberto Moravia (اٹلی)، ڈاکٹر اعجاز راہی نے ترجمہ کیا۔

یہ کہانی ایک حجام یا نائی کی ہے۔ دکان میں تین حجام رہتے ہیں۔ ادھیڑ عمر کے۔ ایک لڑکی للّی ان کے زندگی میں آتی ہے۔ کہانی بیان کرنے والا کہتا ہے کہ وہ لڑکی سے بات کرتا ہے۔ اپنے آپ کو بوڑھا سمجھتا ہے۔ جب لڑکی اس سے دوستی کی بات کرتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اس کی دکان میں اما تو جوان ہے جس سے دوستی کرسکتی ہے اور گیسپ بوڑھا ہے۔ کہانی بیان کرنے والا کہتا ہے کہ گیسپ تو مجھ سے بھی بوڑھا اس سے للّی دوستی نہیں کرے گی۔ لیکن کہانی کے آخر میں وہ یہ دیکھ کو چونک جاتا ہے کہ وہ تو خود کو بوڑھا سمجھ رہا تھا اس سے بھی زیادہ بوڑھا گیسپ نے شادی کرلی ہے۔ اس کے ذہن سے بڑھاپے کا بھوت اتر جاتا ہے۔

دکان میں کام کرنے والوں کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے:

> ''ہماری دکان جہاں میں گزشتہ تیس برسوں سے بال تراشنے کا کام کررہا ہوں گزشتہ ماہ سے خاصی کشادہ کردی گئی تھی۔ آئینے اور واش بیسن کے ساتھ پوری دکان کو نیا رنگ بھی کیا گیا لیکن سب سے بڑی تبدیلی جو دکان میں آئی وہ ایک لڑکی کا اضافہ تھی، دکان کے مالک کو چھوڑ کر ہم تین آدمی کام کرتے تھے۔ 25 سالہ اما تو، سیاہ فام سنجیدہ نوجوان جو پہلے کسی پریس میں کام کر چکا تھا۔ دوسرا گنجا پستہ قد اور موٹا گیسپ جو مجھ سے پانچ سال بڑا تھا اور تیسرا میں۔'' [1]

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 92

دکان اور اس میں کام کرنے والوں کا خوبصورت انداز میں تعارف کروایا گیا۔

ایک مرتبہ جب وہ للّی کے ساتھ باہر جاتا ہے تو اسے ایک نوجوان احمق بوڑھا کہتا ہے، اس کی دماغی کیفیت کیا ہوتی ہے اسے مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے:

''ٹرین ایک جھٹکے سے چلی اور جلد ہی ہوا سے باتیں کرنے لگی میں للّی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ لیکن نوجوان کے جاتے ہوئے تین لفظ بے وقف، احمق بوڑھا میرے ذہن میں ہتھوڑے کی طرح بجنے لگے۔ بے وقوف......احمق...... بوڑھا......اوسٹیا بیچ پر جانے کا سارا جوش آہستہ آہستہ دم توڑنے لگا تھا۔ اچانک میرا جی چاہا کہ میں ٹرین سے اتر کر واپس لوٹ جاؤں......''بوڑھا، احمق' یہ جملہ میرے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔ سیاہ فام نوجوان کی نفرت بھری نظریں اور الفاظ میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ مجھے بے وقوف اور احمق سے زیادہ تکلیف نہیں پہنچی کیونکہ میں نے اسے زچ کیا تھا، لیکن بوڑھا کہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ جیسے میری عمر 50 سال نہیں 60 یا 70 سال ہو۔ کیا وہ مجھے صرف احمق نہیں کہہ سکتا تھا۔ یا کم از کم احمق جوان ہی کہہ دیتا۔''[1]

کسی آدمی کو بوڑھا کہنا اس کی جوانی کے چلے جانے کی یاد دلانا ہوتا ہے اس لئے اکثر ادھیڑ عمر کے لوگ بوڑھا کہنے کو گالی کے مترادف تصور کرتے ہیں۔

ادھیڑ عمر کے آدمیوں کی نفسیات کو اس افسانہ میں اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

''ایک گھنٹے کی کہانی'' The Story of an Hour کیٹ چوپن Kate Chopin (امریکہ) کی کہانی ہے جسے عنبرین صلاح الدین نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک دلچسپ مختصر کہانی ہے۔

ایک دل کی مریض خاتون کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کا شوہر حادثہ کا شکار ہو گیا ہے۔ چونہ وہ دل کی مریضہ ہے اس لئے اسے ایک گھنٹہ تک آہستہ آہستہ یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اس کا شوہر مر چکا ہے۔ گھر پر بیل بجتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ نعش آئی لیکن اچانک

1۔ عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 81

اس کا شوہر صحیح سلامت گھر آجاتا ہے اور خوشی کے مارے دل کی مریضہ مر جاتی ہے۔

''آگ'' By Fire نوبل انعام یافتہ مصنف طاہر بن جلون Tahar Ben Jellon (مراکش) کی کہانی ہے۔ اسے انگریزی سے اردو میں نجم الدین احمد نے کیا ہے۔

افسانہ بہترین انداز میں شروع ہوتا ہے اور اپنے آغاز میں ہی قاری کو مرعوب کر لیتا ہے۔ افسانے کے ہیرو محمد نامی شخص کا تعارف اسطرح کیا گیا ہے:

> ''قبرستان سے، جہاں اس نے اپنے باپ کی تدفین کی تھی، لوٹ کر محمد کو اپنے کندھوں کا بوجھ بڑھا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا کُب نکل گیا اور عمر بڑھ گئی تھی۔ وہ سست رَوہ سے چلتا تھا حالانکہ وہ ابھی محض تیس برس کا ہوا تھا۔ اس نے کبھی اپنی سالگرہ نہیں منائی تھی۔ ایک ہی جیسے ماہ وسال بیتتے چلے گئے تھے۔ مفلسی، محرومی اور دائمی مایوسی نے اس کی زندگی میں اُداسی بھر دی تھی جو دھیر دھیرے فطری لگنے لگی تھی۔ وہ بھی اپنے باپ کی مانند کبھی شکوہ کناں نہیں ہوا تھا۔ وہ تقدیر یہ مانتا تھا نہ بہت مذہبی تھا''۔

اس نوجوان کی کہانی ہے جو نہایت غریب ہے۔ اس کہانی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ آخر میں محمد بلدیہ کے آفس میں پریشان ہو کر خود کشی کر لیتا ہے۔ میڈیا والے اس کی موت کی اسٹوری کو بھی خریدتے ہیں۔

> ''...... یہ اچھی بات ہے کہ آپ کسی سے بات نہیں کرتیں۔ صحافیوں کو کوئی انٹرویو مت دینا۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ مُں محمد کی کہانی سامنے لاؤں گا۔ ساری دنیا کو پتہ چلنا چاہئے کہ کیا ہوا ہے۔ محمد ہیرو، ستم رسیدہ شہید ہے۔ آپ اتفاق کرتی ہیں؟ آپ میرے علاوہ کسی کو نہیں بتائیں گی۔ میں اب چلوں گا لیکن آپ کو کسی بھی شئے کی ضرورت ہو تو یہ رہا میرا کارڈ اور میرا اسپیل فون نمبر، مجھے کال کر لینا''۔[2]

محمد کہانی کی کو خریدنے کے لئے وہ پیسے دیتا ہے اور کسی اور کہانی نہ بتانے کی بات کہتا ہے۔ آخر میں مجموعی تاثر کے تحت مصنف نے کہا ہے:

---

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 102
[2] عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 119

''یہ شخص ہمارے بھائی کی موت خریدنا اور اس سے منافع کمانا چاہتا ہے! کیسا عفریت ہے! کتنا بڑا عفریت! محمد کی کہانی کسی ملک کی نہیں ہے۔ اس کی کہانی دوسرے لاکھوں کروڑوں لوگوں کی طرح ایک عام آدمی کی کہانی ہے۔ جنھیں کچلا گیا، جن کی اہانت کی گئی اور جنھیں زندگی میں رد کیا گیا اور جو یہ تمام ظلم وستم سہنے کے بعد دنیا بھر کے لئے روشنی بنے۔ کوئی بھی اس کی موت چُرا نہیں سکے گا''۔1

سماج میں ایک بڑا طبقہ کچلا ہوا اور مظلوم ہے۔ سب اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کا استحصال بھی کرتے ہیں۔ خاص کر متمول اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ ان سے اپنے مفادات حاصلہ کے تحت ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں لیکن دراصل وہ اپنا کام نکالتے اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ ایسے ہی نوجوانوں کی پریشانی کی داستان اس کہانی میں دلچسپ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

''نیلے کُتے کی آنکھیں'' Eyes of a Blue Dog گابرئیل گارسیا مارکیز Gabriel García Márquez (کولمبیا) کی کہانی ہے جسے خالد فرہاد نے ترجمہ کیا ہے۔ مصنف کو 1982 میں نوبل انعام مل چکا ہے۔

یہ ایک خواب اور حقیقت کے بیچ الجھتی ہوئی کہانی ہے۔ ایک شخص ایک ایک لڑکی کو دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں لیمپ ہے اور جو اسے دیکھتی رہتی ہے۔ اس کی آنکھیں نیلی ہوتی ہے۔ وہ شخص اسے نیلے کتے جیسی آنکھوں والی کہتا ہے۔ خواب دیکھنے کے بعد جب وہ صبح جاگتا ہے تو اسے کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔

''تپتی دھوپ'' ایشار کمال yasar kemal (ترکی) کی کہانی ہے جسے مسعود اختر شیخ نے ترجمہ کیا ہے۔

ایک لڑکے عثمان کی کہانی ہے۔ عثمان ابھی چھوٹا ہے لیکن اسکے والد اسے کام پر لے جانا چاہتے ہیں اور اس کی ماں نہیں چاہتی کہ وہ اتنی کم عمر میں کام کرے۔ کام پر جانے کے بعد وہ چار قرش کما کر لاتا ہے اور اپنی ماں کو دیتا ہے۔ ماں اس پہلی کمائی کو بچے سے وار کر چوم لیتی ہے۔ جدید کہانی میں کئی باتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بچہ مزدوری بھی ہے اور ماں کی محبت بھی ہے۔ بچے کی جستجو بھی ہے۔ جب بچہ رات کو سوتا ہے تو اپنی ماں سے کہتا ہے:

''بچہ: اماں......اماں! کل صبح سے پہلے مجھے جگا دینا''

''تم پھر نہیں جاگو گے''۔

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد ۳، صفحہ 119

''ناجاگوں تو میرے جسم میں سوئی چبھونا، میرے بال کھینچنا، میری پٹائی کرنا'' 1

بچہ کی دلچسپی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے وہ نیند سے بیدار کرنے کے لئے خود کو سوئی چبھونے کی بات کرتا ہے۔

باپ کی شفقت بھی ہے جو اپنے بچے کو سست نہیں بنانا چاہتا ہے وہ کہتا ہے

''آج اسے ہر حالت میں جاگنا ہوگا۔ تمہیں کہہ رہا ہوں میں اسے جاگنا ہوگا۔ اسے کام کرنے کی عادت پڑنی چاہئے۔ سستی کی نہیں۔ بچوں کو بچپن میں ہی مضبوط ہونے کی عادت ڈالنی چاہئے''۔ 2

باپ چاہتا ہے کہ بچہ محنت کرے اور کبھی کسی کا محتاج نہ رہے۔

ماں کی ممتا کہتی ہے:

''کیا چاہتے ہو تو بچے سے؟ ابھی انگلی جتنا تو ہے وہ۔ اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اتنی پتلی پتلی تو ہیں......'' 3

ماں چاہتی ہے بچہ ابھی نیند پوری کرلے اور بعد میں کمانے کے لئے عمر پڑی ہے۔

بچہ مزدوری جدید دور کا المیہ ہے۔ اب جب کہ دنیا میں بچہ مزدوری کو جرم اور ابتدائی تعلیم کو لازمی کہا جا رہا ہے اس جانب توجہ دینا ضروری ہے یہی اس افسانہ کا بھی مقصد ہے۔

''کُبڑا داؤد'' صادق ہدایت Sadegh Hedayat (ایران) کی کہانی ہے جسے ح رمہر نے ترجمہ کیا ہے۔

داؤد نامی ایک شخص کی کہانی ہے جو کُبڑا ہے اور شادی نہیں کیا ہے۔ اس کا رشتہ ایک لڑکی زبیدہ کو جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ وہ ضعیف اور کبڑے شخص سے ہرگز شادی نہیں کرے گی۔ اس کی بڑھ چکی ہوتی ہے اور زبیدہ سے اس کی ملاقات بھی ہوتی ہے لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور دونوں ضعیف ہو چکے ہوتے ہیں اور زبیدہ کسی ہوشنگ کے انتظار میں بیٹھی ہوتی ہے جو اس سے باتیں کرنے آنے والا ہے۔ داؤد کو جب پتہ چلتا ہے تو وہ واپس چلا جاتا ہے اور کہانی ختم ہو جاتی ہے۔

جدید نفسیاتی کہانی میں معذور اور کمزور لوگوں کے مسائل کی طرف لطیف اشارہ کیا گیا ہے۔

---

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 126   2 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 128

3 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 128

''قسطوں میں حیات'' محمد برادا Mohammed Berrada (مراکش) کی کہانی ہے جسے عطا صدیقی نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی کا ہیرو مختلف بیماریوں میں مبتلا ہے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس بھی جاتا ہے لیکن اسے افاقہ نہیں ہوتا۔ اسے لگتا ہے کہ وہ قسطوں میں جی رہا ہے۔ روزمرہ کے معمولات کو افسانوی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مصنف تحریر کرتا ہے:

> ''......تو کوچہ کوچہ آوارہ گردی کریں گے اور عوام الناس کے چہروں کو تاڑیں گے، شاید کوئی علاج سوجھ جائے۔ ہم کافی دیر گردش میں رہے۔ کیفے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ بیئر کی بوتلیں چشم زدن میں خالی ہو رہی ہیں۔ قہقہے گونج رہے ہیں۔ ہر دم چلتی ہوئی رَس نکالنے والی مشینیں کھڑ کھڑا رہی ہیں۔ اس کے باوجود ہماری اداسی ہے کہ اڑی کھڑی ہے، جانے کا نام ہی نہیں لیتی۔ کاریں تیز رفتاری سے گزرتی ہیں۔ بسیں سست اور ٹھسیں بھری ہوئی ہیں۔ سینماؤں پر قد آور ہیرو اشتہار بنے کھڑے ہیں۔ یوں نظر آتا ہے کہ ہمارے چاروں طرف ہر شخص بھاگا چلا جا رہا ہے۔ جی چاہا ان کو روکنے کے لئے چلائیں۔ ''تم بھاگے جا رہے ہو؟'' مگر یہ خیال احمقانہ اور بے جواز سا لگا۔ ہم نے دل سے پوچھا، کسی شئے کو ثبات بھی ہے؟ پھر ہم اس حیات کی کہانی قلمبند کرنے کے لئے جو ہم قسطوں میں جیتے ہیں گھر لوٹ آئے''۔ [1]

زندگی کی گہما گہمی اچھی صحت کے ساتھ منسوب ہے۔ صحت اچھا ہو تو گہما گہمی اچھی لگتی ہے۔ گھومنا پھرنا دل کو بھاتا ہے لیکن اگر کوئی ہو تو اس کا ذہن بار بار بیماری کی جانب جاتا ہے۔ چاروں طرح خوشیاں بھی مدہم لگتی ہیں۔ اسی لیتے ہیں کہ ''بخار میں گلاب جامن بھی کڑوا لگتا ہے''۔ جدید دور کی بہترین کہانی ہے۔ اس میں جدید مسائل کی موثر نمائندگی کی گئی ہے۔

''خرابات'' نجیب محفوظ (مصر) کی کہانی ہے جس کا ترجمہ خاقان ساجد نے کیا ہے۔

یہ کہانی شیخ عبدالربہ نامی امام کی ہے۔ شراب خانوں اور دلالوں کے محلّہ سے قریب اس مسجد میں بہت کم لوگ نماز کو آتے ہیں۔ شیخ عبدالربہ اس محلّہ میں نئے نئے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ عصر کی نماز کے بعد درس سے فارغ ہو کر گلی مسجد کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہیں۔ تب ہی ایک فاحشہ نباویہ انھیں ایک دلفریب مسکراہٹ امام صاحب کی جانب پھینکتے ہیں۔ وہ

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 143

لاحول پڑھتے ہوئے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔ نباویہ ایک دفعہ صبح صبح عبدالربہ کے پاس دعا پڑھوانے آتے ہیں تب ہی دلال اسے دیکھ لیتا ہے تو دو گھر دور ایک بے روزگار نوجوان حسن کے گھر پر آواز دیتی ہے۔ دلال کا نباویہ کی حسن سے دوستی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ دوسرے دن نباویہ امام صاحب کے حجرے میں آتے ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ یہ ملاقات ہمیشہ چلتی رہے لیکن ناویہ ان کی طرف دوبارہ نہیں دیکھتی۔ ایک دن عبدالربہ نباویہ کے کوٹھے پر چڑھ جاتے ہیں لیکن نباویہ کی چیخ سن کر بھاگ جاتے ہیں۔ دلال سن کر پوچھتا ہے کون ہے؟ نباویہ کہتی ہے کوئی چور ہوگا۔ دلال کو یقین ہوجاتا ہے کہ یہ حسن ہی تھا۔ ایک پلان بنا کر دلال حسن اور نباویہ کو قتل کر دیتا ہے۔ ادھر اٹلی اور اتحادی فوجوں کی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ بموں کے سائرن بجتے ہیں۔ دھیرے دھیرے سارے لوگ مسجد میں آجاتے ہیں۔ عبدالرب ان فاحشہ عورتوں اور دلالوں کو مسجد سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ بم دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ عبدالربہ تیزی سے باہر بھاگ جاتے ہیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ سامنے آتا ہے۔ یہی اس کا کہانی کا بھی تاثر ہے:

> ''بے وقوفو! دونوں میرے پیچھے آؤ، اس سے پہلے کے بہت دیر ہوجائے......''
>
> یہ کہہ کر وہ دیوانہ وار باہر کی طرف بھاگا اور لرزتی ہوئی آواز میں یہ کہتے ہوئے اندھیری گلی میں غائب ہوگیا:
>
> ''بلاشبہ خدا نے ان سب کو یہاں کسی مصلحت کے تحت جمع کیا ہے......''
>
> فضائی حملہ مزید پانچ منٹ جاری رہا۔ اس دوران چار مزید بم پھینکے گئے جن میں سے ایک بم بہت قریب گرا۔ دس پندرہ منٹ تک فضا میں خاموشی طاری رہی اس کے بعد حملے کے اختتام کا سائرن بج اٹھا۔ اندھیرے کی ملگجی چادر اور گرد وغبار کے بادلوں کی اوٹ سے آہستہ آہستہ سپیدہ سحر نمودار ہوئی صبح کی دھندلی روشنی میں مسجد سے کچھ ہی دور پیش ہور عورتوں کی گلی کے بعد بیچ میں، شیخ عبدالربہ کی لاش پڑی تھی۔
>
> اس کا وجود بم کے ٹکڑوں سے چھلنی تھا۔''[1]

نیکی اور بدی کے ٹکراؤ میں برائی سے نفرت کرنا چاہئے، انسانوں سے نہیں۔ انسانیت کے تحفظ کی بات آجائے تو اچھے

---

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 152

برے کے بشمول سب کی مدد کرنا چاہئے۔ تمام کے گناہوں کو معاف کرنے والا پروردگار ہے۔ یہی درس اس افسانے میں دیا گیا ہے۔

''آخری پتا'' The last leaf اوہنری O. Henry (امریکہ) کا لکھا ہوا افسانہ ہے۔ اسے غلام مصطفیٰ سولنگی نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ ایک مشہور افسانہ جس کا کئی مترجمین نے ترجمہ کیا ہے۔

امید اور حوصلہ زندگی کے لئے ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں ہے۔ پست ہمت انسان مردہ دلی سے جیتا ہے۔ ایک لڑکی درخت کے پتوں سے اپنی زندگی کو منسوب کر دیتی ہے وہ کہتی ہے کہ جب درخت کا آخری پتا بھی گر جائے گا وہ مر جائے گی۔ اس بیمار ذہنیت کو دور کرنے کے لئے ایک مصور زبردست بالکل حقیقی پتہ بناتا ہے اور اس درخت سے لگا دیتا ہے جو برفباری میں بھی نہیں گرفتار اور وہ لڑکی زندگی کے لئے جدوجہد کرنا سیکھ جاتی ہے۔ ادھر مصور کی سردی سے موت ہو جاتی ہے۔

لڑکی کے تندرست ہونے پر اسے بتایا جاتا ہے کہ شاہکار تصور پتہ بنا کر درخت پر لگا دیا گیا تھا اور تمہاری امید کو بڑھا گیا تھا اب تم بالکل ٹھیک ہو لیکن مصور نمونیا کے بعد اس دنیا سے چلا گیا۔

''چالیس روپے اور دو وقت کی روٹی'' کے مصنف ٹی جنیکا رامن ہے اس کا ترجمہ فیروز عالم (امریکہ) نے کیا ہے۔

یہ کہانی اناکٹی کی ہے جو شہر جا کر اپنے باپ کو 40 روپے منی آرڈر کرتا ہے۔ باپ مٹھو کافی خوش ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کا بیٹا معذور بوڑھے کی خدمت کر رہا ہے جسے بیماری بھی ہے تو فوراً اپنے بیٹے کو واپس اپنے گاؤں لے جانا چاہتا ہے۔ جب وہ ایک فرضی کہنا بنا کر اپنی بیوی کی بیماری کا بہانہ بنا کر بیٹے کو لے جا رہا ہوتا ہے تو اس کا بیٹا کہتا ہے کہ یہ متعدی بیماری نہیں ہے۔ یقین دلانے کے لئے وہ اخبار نکال کر بتاتا ہے جس میں کوڑھیوں کا علاج کرنے والی انگریز خاتون کو دکھایا جاتا ہے۔ مٹھو کو بھی اس بوڑھے آدمی پر ترس آتا ہے اور کہانی ختم ہو جاتی ہے۔

''ژالہ باری'' Hail، جوسپ نوواکووچ Josip Novakovich (کروشیا) کی کہانی ہے جسے سید کاشف رضا نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ جدید افسانہ جنگ سے متعلق مناظر کی عکاسی کرتا ہے۔ اس افسانہ کا ایک اہم کردار حسن ہے۔ مختلف جنگی واقعات رونما ہوتے ہیں۔ آخر میں جنگ کے بجائے امن کی سیکھ دی گئی ہے۔ مشین گن کی آوازیں تھم جاتی ہے جب حسن دیکھتا ہے کہ

"یہ آوازیں اس کی مشین گن سے تو نہیں آ رہی تھی وہ اسے چھو کر دیکھتا ہے تو وہ بالکل ٹھنڈی تھی، اسے سکون کا احساس دلانے کی حد تک ٹھنڈی اور اس کی خون آلود کہنیوں پر اس کا لمس مرہم جیسا محسوس ہو رہا تھا۔" 1

دنیا امن میں ترقی کر سکتی ہے جنگ مسائل کا حل نہیں ہے بلکہ یہ خود ایک مسئلہ ہے۔ یہی اس افسانے کا موضوع ہے۔

"لازوال تبسم" میخائل شولوخوف Mikhail Sholokhov (روس) کی کہانی ہے جسے انگریزی سے اردو ترجمہ ارشد چہال نے کیا ہے۔ 1965 میں مصنف کو نوبل انعام ملا۔

ہمدردی سے پُر یہ کہانی انسانوں کی جانوروں کے لئے محبت کی عکاسی کرتی ہے۔ ٹروفم فوجی ہے جو گھوڑے کے بچھڑے پریشان ہے اور چاہتا ہے اسے گولی مار دے تاکہ دوسرے فوجی ایک چھوٹے سے بچھڑے کو دیکھ اسے فوجی کے بجائے جانور پالنے والا نہ سمجھے۔ وہ اسے گولی مارنے جاتا ہے لیکن بندوق سے کارتوس نکال کر پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی اسے کچھ دن جینے دو بعد میں گولی ماردوں گا۔ کئی دن گذر جاتے ہیں۔ جنگ چھڑ جاتی ہے۔ ندی کے کنارے ٹروفم کی فوج ہوتی ہے اور دوسری جانب پھڑے شرٹ والے فوجی کی فوج ہوتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ بچھڑا پانی میں ڈوب رہا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ "ہولڈ فائر" کی آواز کو سن کو دوڑتا ہے اور بچھڑے کو اٹھا لیتا ہے اور اسے کنارے پر لا کر چھوڑ دیتا ہے۔ تب ہی کہانی میں زبردست تبدیلی آتی ہے اور کہانی ایک مجموعی تاثر دیتے ہوئے اس طرح ختم ہو جاتی ہے:

"ٹروفم کنارے پر پہنچ کر ڈگمگاتے قدموں پر چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر دو قدم آگے بڑھا اور منہ کے بل گیلی ریت پر گر گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی چھاتی میں آتشیں خنجر گھونپ دیا ہو۔ گرنے سے پہلے اس نے ایک فائر کی آواز سنی تھی۔

دائیں کنارے پر کھڑے پھٹی ہوئی قمیض والے افسر نے اپنی رائفل سے کارتوس کا خول نکال کر پھینک دیا۔

بچھڑے کے قریب ہی ٹروفم بے ہوش پڑا تھا۔ اس کا سارا بدن پتھر ہو چکا تھا۔ مگر اس کے نیلے ہونٹ، جنھوں نے پچھلے پانچ سالوں سے کسی معصوم بچے کے گالو پر پیار نہیں

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 148

کیا تھا۔ہنس رہے تھے‘‘۔1

جسے غیر ضروری سمجھ کر گولی مارنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا آخر میں اسی کی زندگی بچانے کے لئے اپنی زندگی کو قربان کرنے والے فوجی کی کہانی دل کو چھونے والی ہے۔

’’خواب‘‘اسماعیل فصیح Esmail Fassih (ایران) کی کہانی جسے فارسی سے اردو میں ترجمہ نیر مسعود لکھنو نے کیا ہے۔

خواب کے موضوع پر لکھے گئے افسانوں میں سے یہ ایک افسانہ ہے۔خواب حقیقت سے ملتے جلتے ہوئے ہیں۔کبھی کوئی خواب انسان کو زندگی سے قریب کرتا ہے تو کبھی کوئی خواب انسان کو انسانیت سے دور لاجاتا ہے۔ یہ افسانے میں بھی ایک خواب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔انسان ہمیشہ اپنے اندر پائی جانے والی دو طاقتوں کے بیچ الجھتا رہتا ہے۔اچھائی اور برائی کی طاقت۔ اسے ہمیشہ اپنے اندر ایک ہمزاد نظر آتا ہے جو کسی بھی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے مشورے دیتا رہتا ہے۔کہانی کا ہیرو کہتا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کا میں نے اپنے ایک شخص کو ختم کر دیا ہے جو شاید میں ہی ہوں۔ مجھے پھانسی کی سزا ہوگئی اور مجھے پھانسی پر لٹکانے والے ہیں تب ہی میری آنکھ کھل جاتی ہے اور گھر میں صبح کا وقت ہے۔چائے بن رہی ہے۔

جدید علامتی افسانہ ہے جس میں علامتی انداز کو اپنایا گیا ہے۔ اس افسانے انسان بار بار اپنے دل کو مارنے اور خواہشات کو کچلنے کی بات کہتا رہتا ہے اسی کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

’’روایت‘‘البانیہ) کی کہانی ہے جسے پروفیسر اعجاز احمد فاروقی نے ترجمہ کیا ہے۔

یہ کہانی اٹلی اور البانیہ کی جنگ کی ہے۔اٹلی کے فوجی سینور الساندروزخمی ہوکر البانیہ کے ایک گھر کے سامنے بے ہوش ہوجاتا ہے۔شان بیگ اس کی تیمارداری کرتا ہے اور سے کھانا کھلاتا ہے۔وہ الساندرو سے کہتا ہے کہ وہ بالکل میری امان ہے کیوں کہ اس وقت وہ اس کے دشمن ملک فوجی نہیں بلکہ مہمان ہے۔الساندرو بے خوف ہوکر اس کے ساتھ رہتا ہے۔کھاتا پیتا ہے واپس جانے کی تیاری کرتا ہے۔ایک گھوڑے انتظام کیا جاتا ہے۔ وہ اسے چھوڑنے کے لئے بھی جاتا ہے۔لیکن اچانک معاملہ بدل جتا ہے اور......

’’......سینور آپ بھی اب میرے علاقے میں نہیں ہیں۔اس لئے اب میرے مہمان نہیں دشمن ہیں۔میرے بیٹوں کے قاتل، میں نے کافی شہادتوں کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے

1 عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد3، صفحہ 187

کہ میرے بیٹوں کے قاتل آپ ہی ہیں۔اب میں اپنے ہر بیٹے کا نام لے کر ایک ایک گولی
ماروں گا''۔[1]

''امن کے بعد'' Civil Peace چینوا اچبے Chinua Achebe (نائجیریا) کی کہانی ہے جسے خورشید اقبال (کلکتہ) نے ترجمہ کیا ہے۔اس کا مختصر جائزہ خورشید اقبال کی کتاب کی تحت ہو چکا ہے۔ چونکہ ہاں 74 نمبر کا افسانہ اس افسانوی کتاب میں ہے اس لئے اس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

''ساحرہ'' The Witch انتون چیخوف Anton Chekhov (روس) کا افسانہ ہے جسے سعادت حسن منٹو نے ترجمہ کیا ہے۔

اس افسانے میں میاں بیوی کی نوک جھونک ہے۔ بارش کی وجہ سے ڈاکیہ کو کچھ دیر ایک گھر میں رکنا پڑتا ہے۔اس کے بعد سیفلے نامی آدمی کی بیوی اسے پسند کرتی ہے۔اس کے حسن سے ڈاکیہ اس پر فدا ہو گا لیکن وہ چلا جاتا ہے اور اس کا شوہر اس پر طنزیہ انداز میں کہتا ہے کہ وہ اس کا جادوئی حسن کا کیا ہوا۔وہ اسے کہنی سے مارتی ہے اور دونوں سو جاتے ہیں۔

جذبات نگاری اور مکالمہ نگاری کے بہترین نمونے اس افسانے میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جزئیات نگاری میں روسی مصنفین کو کافی عبور حاصل ہے۔ یہ افسانہ جدید تکنیک سے لکھا گیا ہے۔ یہ اس کتاب کا آخری افسانہ ہے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب عالمی ادب کے نمائندہ افسانوں کے تراجم کا مجموعہ ہے۔نوبل انعام یافتہ افسانہ نگاروں کے افسانوں کے انتخاب بھی اس میں شامل ہے۔

زیادہ تر افسانے ترقی پسند ہیں۔ جنگ وجدال سے امن کی طرف رغبت دلانے والے ہیں۔بعض افسانوں میں غربت کی تکلیف کو بتایا گیا ہے۔کہیں مظلوم نوجوان نظر آتے ہیں۔افسانوں کی کہانیوں میں کہیں محنت کش طبقہ جدوجہد کرتا ہوا نظر آتا ہے تو کہیں پر زندگی گذارنے کے لئے دو وقت کی روٹی کے لئے انسان مجبور و بے بس دکھائی دیتے ہیں۔کہیں دھوکہ دیا جا رہا ہے تو کہیں کسی کو قتل کیا جا رہا ہے۔ان ساری کہانیوں میں انسانیوں کے لئے بہت کچھ سیکھ رکھی گئی ہے۔ان کہانیوں سے انسانیت کا درس بھی ہے اور تفریح کا سامان بھی ہے۔

☆☆☆

---

[1] عالمی ادب کے اردو تراجم، جلد 3، صفحہ 197

عکسِ فرنگ، آئینہ اردو میں

ڈاکٹر فخر عالم اعظمی

ڈاکٹر فخر عالم اعظمی نے انگریزی ادب کی مشہور کہانیوں کے اردو میں تراجم کئے ہیں۔اس کتاب میں عالمی شہرت یافتہ اور نوبل انعام یافتہ انگریزی ادیبوں کے افسانے ترجمہ کئے گئے ہیں۔افسانوں کے آغاز سے پہلے انگریزی مصنف کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔تعارف کے بعد کہانی کا ترجمہ ترتیب دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں رڈیارڈ کپلنگ کا افسانہ بھی شامل ہے۔ رڈیارڈ کپلنگ Rudyard Kipling (1856-1930) بمبئی میں پیدا ہوئے۔ بعد میں کچھ عرصے کے لیے وہ امریکہ چلے گئے۔کپلنگ کے افسانوں کے مجموعے جنگل بُک 'Jungle Book' نے انھیں شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا۔بچوں کے لیے اس کتاب پر مبنی کئی فلمیں بنائی گئیں۔اسے 1907ء میں نوبل پرائز سے بھی نوازا۔

''اور اونٹ نے اپنا کوہان پایا'' اس میں افسانہ نگار ابتدائے آفرینش میں حیوانات کی تخلیق اور ان کے اپنے اپنے دائرہ کار کے لیے خالق کائنات کی تقسیم کا بڑا خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔اس نے چار جانوروں گھوڑا، کتا، بیل اور اونٹ کا ذکر کیا ہے۔ جب کائنات کی تخلیق ہوئی تو گھوڑا، کتا اور بیل اپنے اپنے حصے کے کاموں کو انجام دینے میں مصروف ہو گئے لیکن ان تینوں کے مسلسل اصرار کے باوجود اونٹ حیلہ جوئی کرتا رہا۔اس طرح تین روز گذر گئے۔ بالآخر تینوں جانوروں نے اونٹ کی شکایت انسان سے کی۔انسان نے کہا کہ اب اونٹ کا کام بھی تم تینوں کو ہی کرنا ہوگا۔ یہ جواب سن کر تینوں بہت مایوس ہوئے۔ بالآخر ریگستان کا حاکم جن وارد ہوا۔اس سے بھی تینوں نے اونٹ کی شکایت کی۔اس نے اونٹ سے جواب طلب کیا۔اونٹ نے کوہان نہ ہونے کا بہانہ کیا۔ بالآخر اسے کوہان دیا گیا۔لیکن ان تین دنوں کے نقصان کی تلافی آج تک نہیں کر سکا جو اس نے ابتداء میں بیگار گنوائے تھے۔

پونجی کارارافی Ponjikkara Raphy کی کہانی بھی شامل ہے۔''سونے کی گھڑی'' دراصل ملیالم زبان میں لکھی

گئی تھی۔اس کا انگریزی ترجمہ K.Ayyappa Paniker نے کیا ہے۔اس کا ترجمہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔غلطی کا ارتکاب انسانی فطرت میں شامل ہے۔مفلسی اور ناداری اسے جرائم ومعاصی کے غار میں ڈھکیل سکتی ہے۔لیکن ارتکاب جرم کے بعد اس کا ضمیر اسے سکون سے نہیں رہنے دیتا۔کہانی کا مطالعہ کیجئے اور اس کے ہیرو سنکو کی ذہنی کشمکش میں شرکت کیجئے۔اس کی غریبی اور تنگدستی اسے ایک سونے کی گھڑی کے سرقے پر مجبور کرتی ہے۔لیکن اس کا ضمیر اسے وقت تک بے چین رکھتا ہے جب تک وہ گھڑی اس میز پر واپس نہیں رکھ دیتا جہاں سے اس نے اسے اٹھایا تھا۔اس کے بعد اسے کافی سکون ملتا ہے۔

آسکر وائلڈ (Oscar Wilde) (1854. 1900) آئیرلینڈ میں پیدا ہوئے۔ایک شاعر اور ناول نگار کی حیثیت سے انھوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔افسانے بھی لکھے۔''خودغرض دیو'' ("The Selfish Giant")ایک اخلاقی کہانی ہے۔جس میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ خدا ان لوگوں سے پیار کرتا ہے جو بچوں سے پیار کرتے ہیں۔اس کہانی کا کردار خودغرض دیو سخت مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد یہ سبق سیکھ لیتا ہے اور اسے حقیقی اور دائمی خوشی حاصل ہوجاتی ہے۔وہ اپنے خوبصورت باغ میں بچوں کے ساتھ رہنے لگتا ہے یہاں تک کہ بوڑھا ہوجاتا ہے۔اسے بچوں سے محبت ہوجاتی ہے۔ان بچوں میں ایک سب سے کمسن بچہ رہتا ہے، جسے دیو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔وہ چھوٹا بچہ کوئی اور نہیں عیسیٰ مسیح ہے جو دیو کو اپنے باغ میں لے جاتا ہے۔وہ باغ جنت ہے۔بچے جنت کے باغ کے پھول ہوتے ہیں اور انھیں ہنستے کھیلتے دینا چاہئے۔آخر میں دیو کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

ولیم۔سی ڈگلس Willium C. Douglas امریکی ادیب ہیں۔وہ سپریم کورٹ کے جج بھی تھے۔انھوں نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ہندوستان کے محنت کش عوام سے وہ بہت متاثر تھے۔ان کی کہانی ''ٹوکری فروش لڑکی'' اسی کی نشاندہی کرتی ہے۔یہ سفر 1950 میں کیا تھا۔ہندوستان تقسیم ہو چکا تھا اور بے شمار تارکین وطن ہندوستان کو لوٹ رہے تھے۔ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ اور قابلِ رحم تھی۔لیکن انہوں نے خودداری کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔انہوں بھیک مانگنا گوارا نہیں کیا۔انہوں نے سخت محنت کر کے اپنا پیٹ پالا۔اس سفرنامے میں اس نے ایک نو سالہ مہاجر لڑکی کی تصویر کشی کی ہے۔اس لڑکی نے اتنی کمسنی میں اپنی عزت نفس اور خودداری سے مصنف کا دل جیت لیا۔

رابرٹ لوئس بالفور اسٹونسن Robert Louis Bal foor stenenson (1850_ 1894)ایک ممتاز علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔انھوں نے Treasur Island ودیگر اہم ناول لکھے ہیں۔

ان کے افسانے کا ترجمہ ''ایک ممتاز اجنبی'' کے نام سے ڈاکٹر عالم اعظمی نے کیا ہے۔اس افسانہ میں ایک اجنبی کسی

قریبی سیارے سے زمین پر نازل ہوتا ہے۔انسان کی تلاش میں اس کی ملاقات ایک فلسفی سے ہوتی ہے جو اسے روئے زمین کی سیر کرواتا ہے۔ یہ نہایت دلچسپ افسانہ ہے۔

ہیریٹ بیچر سٹوو(1811-1896) Harriet Beecher Stowe ہیریٹ بیچر اسٹوایک سیاہ فام امریکی ناول نگار تھی۔اس کا مشہور زمانہ غلامی مخالف ناول Uncle Tom's Cabin امریکہ اور انگلینڈ میں ایک بہت بڑے انقلاب کا باعث بنا۔لاکھوں لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ان کے افسانہ ''ٹڈی بانو اور جھینگر بانو'' یہ دلچسپ علامتی افسانہ امریکہ کے آمرانہ نظام اور وہاں کے محکوم طبقے کے ردعمل کی بہت خوبصورت تصویر ہے۔اس میں کردار نگاری کمال کی ہے۔مکالمے بھی بہت دلکش اوراثرانگیز ہیں۔ افسانے کا اختتام حکمراں طبقے کے عبرتناک زوال پر ہوتا ہے۔

او۔ ہنری O. Henry (1862-1910)William Sydney Porter ادبی دنیا میں O. Henry کے نام سے مشہور ہوا۔وہ شمالی کیرولینا امریکہ میں پیدا ہوئے ''برگ آخر'' کہانی کافی دلچسپ ہے۔

بروکر۔ٹی۔ واشنگٹن Brooker T.Washington سیاہ فام ماہر تعلیم اور مصلح،امریکی سیاہ فام گروہ کا رہنما اور Tuskegee Institute کا پہلا صدر بروکر۔واشنگٹن (۱۹۱۵۔۱۸۵۶) ایک غلام کے گھر پیدا ہوئے۔ان کی کہانی بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔

ہرنانڈوٹیلیز Hernando Talez کولمبیا کے مقبول ترین اخبارات ورسائل سے وابستہ رہے۔

''صرف جھاگ......اور بس'' ان کی شاہکار کہانی ہے۔

ان کے علاوہ مجموعہ میں کیٹ چاپن (1904 - 1850) Kate Chopin کیٹ چاپن نے دو ناول اور قریباً سو مختصر افسانے لکھے کی کہانی'' ایک گھنٹے میں ہوئی ختم کہانی ساری''، سمرسٹ ماہام (Somerset Maugham) جو پیرس میں پیدا ہوئے کی کہانی چیونٹی اور ٹڈا، میجر اے آر ڈگمور Major A.R. Dugmore میجر ڈگمور ایک افریقی شکاری تھے کی ''کیمرے سے شکار'' کہانیاں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ مجموعہ اپنے ہمہ اقسام کی کہانیوں کی وجہ سے ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔مشہور و معروف مصنفین کی مختلف کہانیوں، الگ الگ رنگ ونسل کی تہذیب کی جھلکوں کے ساتھ یہ مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔حقیقت نگاری اور انقلابیت کے عناصر ان کہانیوں میں پائے جاتے ہیں۔انگریزی الفاظ کا انھوں نے خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔مشکل الفاظ کو آسان کرکے اردو کے مطابق

ڈھالا ہے۔اردو قارئین کے لئے انھوں نے ترجمہ کو آسان کیا ہے۔کہانیوں میں تہذیبی عناصر کو ویسا ہی رکھا ہے۔انگریزی ناموں کو بھی انھوں نے نہیں بدلا۔ ہندوستانی اور اردو الفاظ کو بھی شامل کیا ہے۔مشہور و معروف انگریزی کہانیوں کو انھوں نے یکجا کیا ہے۔اس طرح کی کوشش سے اردو کا دامن نہ صرف وسیع ہوا بلکہ اس میں ایک خوبصورت اضافہ بھی ہوا ہے۔

☆☆☆

(د) ناول

Animal Farm , George Orwell

اینمل فارم، جارج آرویل
ترجمہ: سید عرفان علی

جارج ارویل 25 جون 1903ء کو بنگال کے شہر موتی ہاری (Matihari) میں پیدا ہوئے اور 21 جنوری 1950 کو لندن کے یونیورسٹی کالج ہاسپٹل میں آخری سانس لی۔ George Orwell کا اصل نام ایرک آرتھر بلیئر Eric Arthur Blair تھا وہ قلمی نام جارج ارویل کے ذریعے مشہور ہوئے۔ جارج آرویل نقاد، شاعر اور ناول نگار تھے۔ انھوں نے ناول ''1984'' سال 1949 میں تحریر کیا۔ مشہور ناول ''اینمل فارم'' (Animal Farm) انھوں نے 1945ء میں تحریر کیا۔ نوبل انعام یافتہ مصنف ہیں۔ ان کی کتاب اینمل فارم کو پنگوین بک کی جانب سے سنچری ایوارڈ بھی ملا ہے۔ انھوں نے حسب ذیل ناول لکھے ہیں:

Novels

1934 – Burmese Days

1935 – A Clergyman's Daughter

1936 – Keep the Aspidistra Flying

1939 – Coming Up for Air

1945 – Animal Farm

1949 – Nineteen Eighty-Four

مترجم کا تعارف: سید عرفان علی نے اس کا ترجمہ صوتی اور تحریری دونوں طریقے سے کیا ہے۔ سرور 555 ڈاٹ کام پر صوتی (آڈیو) اور تحریری دونوں موجود ہے۔ سید عرفان علی نے مشہور و معروف انگریزی ادب کی کتابوں کو اپنی ویب سائٹ

1 https://en.wikipedia.org/wiki/George_Orwell

پر رکھا ہے۔جن میں شیکسپیئر کے ڈرامے اور ناول ڈراکیولا وغیرہ شامل ہے۔

ایک ترجمہ جمیل جالبی نے بھی کیا ہے جو 2007ء میں شائع ہوا اس کی نسخے ناشر کے پاس بھی نہیں ہیں۔لائبریز میں بھی دستیاب نہیں ہیں۔جمیل جالبی 12 جون 1929ء کو علی گڑھ میں ایک تعلیمافتہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔اصل نام محمد جمیل خان ولد محمد ابراہیم خان ہے۔ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔تقسیم ہند کے بعد 1947ء میں کراچی منتقل ہوگئے۔ انھیں کئی ادبی ایوارڈ حاصل ہو چکے ہیں 1990ء میں ستارۂ امتیاز اور 1994ء میں ہلال امتیاز سے بھی نوازا گیا ہے۔

محمد خلیل الرحمٰن نے اپنی طنزیہ پیروڈی ''گاندھی گارڈن'' لکھی ہے۔جو ''انیمل فارم'' چربہ ہے۔

انیمل فارم:

جارج آرویل نے یہ ناول 1944ء میں لکھا لیکن اسٹالن اور روسی انقلاب کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی اشاعت موخر ہوئی اور 17 اگست 1945ء کو اسے سیکر اینڈ وار برگ نے شائع کیا۔

یہ سیاسی طنزیہ وعلامتی ناول ہے۔اس میں روسی انقلاب پر طنز کرتے ہوئے اشتراکیت اور سیکولرازم کی مخالفت کی گئی ہے۔اسے وسیع پیانے پر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔صرف روسی انقلاب پر ہی نہیں بلکہ دنیا کے دیگر ممالک پر بھی یہ کہانی صادق آتی ہے۔یہ کہانی ہے ایک جانوروں کے فارم کی۔ جانوروں کے فارم یا جانورستان میں سبھی جانور انسانوں سے بغاوت کرتے ہیں۔انسانوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ متحد ہو جاتے ہیں اس کے بعد ایک خونریز انقلاب ہوتا ہے۔ انقلاب کے بعد حکومت سوروں کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔سب برابر رہنا کا خواب دیکھنے والے پھر دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ایک حکمراں سور طبقہ اور دوسرے عام جانور جیسے بکری،گائے،گھوڑے وغیرہ۔حکمراں طبقہ اپنے فائدے کے لیے اینمل فارم کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور مزے کرتا ہے جب کہ عام جانور پریشان ہوتے ہیں۔جب جانوروں میں تشویش ہوجاتی ہے تو حکمراں طبقہ ''سیکولر'' نامی درمیانی آدمی کو بھیجتا ہے تاکہ وہ جائے اور جانوروں کی تشویش کو دور کرے۔

سیکولر سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کرنے میں ماہر ہوتا ہے وہ بنیادی اصولوں میں تبدیلی کرتا ہے۔

جارج آرول کے ناول میں انقلاب کے لیے جو سات نکات پیش کئے جاتے ہیں نہایت اہم ہیں۔ دیکھنے میں سب کو پسند آتے ہیں لیکن بعد میں اس پر عمل نہیں ہوتا ہے۔ چناں چہ جارج آرویل نے لکھا ہے:

The Seven Commandments

1.Whatever goes upon two legs is an enemy.

2.Whatever goes upon four legs, or has wings, is a friend.

3.No animal shall wear clothes.

4.No animal shall sleep in a bed.

5.No animal shall drink alcohol.

6.No animal shall kill any other animal.

7.All animals are equal. 1

محمد خلیل الرحمٰن نے اپنی طنزیہ پیروڈی میں ان اصولوں کا اس طرح ترجمہ کیا ہے وہ لکھے ہیں:

۱۔ جو کوئی دو ٹانگوں پر چلتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔

۲۔ جو کوئی چار ٹانگوں پر چلتا ہے یا پروں والا ہے وہ ہمارا دوست ہے۔

۳۔ کوئی جانور کپڑے نہیں پہنے گا۔

۴۔ کوئی جانور بستر پر نہیں سوئے گا۔

۵۔ کوئی جانور شراب نہیں پیئے گا۔

۶۔ کوئی جانور کسی دوسرے جانور کو نہیں مارے گا۔

۷۔ تمام جانور آپس میں برابر ہیں۔ 2

جانورستان کے سبھی جانور کوشش کر کے انسانوں سے آزادی حاصل کر لیتے ہیں۔ اپنے مقاصد کو دیکھ کر وہ کافی خوش ہوتے ہیں۔ جانوروں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ سوروں کو سیب اور گائے کا دودھ ملتا ہے جب کہ دیگر جانور اس سے محروم ہیں۔ جانوروں کی اس تشویش کو دور کرنے کے لیے ''سیکولر'' کو بھیجا جاتا ہے جو کہتا ہے کہ ''سبھی جانور برابر ہیں، لیکن بعض جانور زیادہ برابر ہیں''۔ سوّر دماغی کام کرتے ہیں اس لیے انھیں زیادہ طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ دیگر جانوروں

1 Animal farm e book Page.9

http://www.urduweb.org/mehfil/threads/5764

کی حفاظت کو یقینی بنا سکیں۔ سبھی جانور سوچتے ہیں ہاں اگر یہ صحت مند رہیں گے تو ہماری حفاظت کر سکیں گے یعنی کا اچھے سیب کھانا اور گائے کا دودھ پینا ہمارے لیے بہتر ہے۔ وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ سیکولر ان لوگوں کو خاموش کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

جانور یہ دیکھ کر پھر تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ سور چادر اڑھ کر سو رہے ہیں۔ جب کہ مقاصد میں یہ تھا کہ ''کوئی جانور بستر پر نہیں سوئے گا''

4.No animal shall sleep in a bed.

جب یہ تشویش حکمراں طبقہ کو معلوم ہوتی ہے تو 'سیکولر' بھیجتے ہیں۔ وہ کہتا ہے

No animal shall sleep in a bed with sheets.

عام جانوروں کو بے وقوف بناتے ہوئے وہ کہتے ہیں''کوئی جانور بستر پر چادر بچھا کر نہیں سوئے گا''۔ یعنی سور بستر پر سو سکتے ہیں لیکن چادر نہیں بچھانا چاہیے۔

جب جانوروں کو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سور شراب بھی پی رہے ہیں تو اس مرتبہ بھی سیکولر آ کر سمجھاتا ہے کہ اصول اس طرح ہے''کوئی بھی جانور شراب نہیں پیئے گا بہت زیادہ'' یعنی تھوڑی پی سکتے ہیں۔ چناں چہ وہ کہتا ہے:

No animal shall drink alcohol to excess.

اس کے بعد جب حکمراں طبقہ ایک جانور کو مار دیتے ہیں تو سبھی جانوروں میں اپنے لیے تشویش پیدا ہوتی ہے۔ تب ان کی تشویش کو دور کرنے کے لیے اس اصول میں بھی تبدیلی کی جاتی ہے''کوئی کسی جانور کا قتل نہیں کرے گا'' کے بجائے ''کوئی جانور کسی جانور کا بلا عذر قتل نہیں کرے گا''۔ کر دیا جاتا ہے۔

No animal shall kill any other animal without cause.

ناول کے اختتام تک تمام اصول قواعد اور مقاصد کو بدل دیا جاتا ہے اور اس کی عملاً خلاف ورزی ہوتی ہے اور عام جانور جو پہلے بھی پنجروں میں تھی اقتدار کی تبدیلی کے بعد پھر سے پنجروں میں آ جاتے ہیں۔ پہلے ہوا انسانوں کے غلام تھے اور ان

کے ماتحت جانور تھے اب وہ سوروں کے غلام بن جاتے ہیں۔

اس ناول کو دس حصوں chapter میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے انسانوں کی حکومت بتائی گئی ہے اس کے بعد جانوروں کی بغاوت۔ بغاوت کے بعد سوروں کی حکومت ہوتی ہے۔ عام جانور پہلے انسانوں کے زیر اثر رہتے ہیں بعد میں سوروں کے زیر سایہ ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

Dracula

ڈرائیکولا

ترجمہ: مظہرالحق علوی

''ڈرائیکولا'' نام سامنے آتے ہی ایک خون پینے والے خوفناک کردار کی شبیہ ہمارے ذہنوں میں آجاتی ہے۔اس خوفناک کردار کو تخلیق کرنے مصنف کا نام Bram Stoker برام اسٹوکر ہیں۔ڈرائیکولا، کے نام سے اردو میں کافی تراجم کیے گئے ہیں۔ڈرئیکولا پر فلمیں بھی بنیں ہیں۔اس ناول کے اردو دو اردو نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ایک مکمل ناول کی شکل میں ہے جیسے مظہرالحق علوی نے ''ڈرائیکولا'' عنوان سے کیا ہے۔یہ 340 صفحات پر مشتمل ہے۔دوسرا نسخہ ڈرائیکولا کی کہانیوں پر مبنی ہے جسے جاوید بخاری نے کتابی شکل میں شائع کیا۔اس کتاب کے پیش لفظ میں کتاب کے مقصد کی جانب توجہ دیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے

> ''ایک بار پھر آپ کی خدمت میں پہلے سے بہتر ارا چھوتا دہشت ناک انتخاب لے کر حاضر ہوں۔آپ نے جیسے پہلے میری دو کتب ''خوفناک کہانیاں'' اور ''ہیب ناک کہانیاں'' کو سراہا ہے۔میں ان کے لیے بے حد مشکور ہوں۔انسان جب سے اس دنیا میں وارد ہوا ہے ماوراء العقل اور مافوق الفطرت واقعات اس کے ساتھ درپیش ہیں۔''1

ڈریکولا Dracula ایک خونی کردار ہے جو مرکر بھی زندہ رہتا ہے اور انسانوں کا خون پی کر صدیوں تک زندہ رہتا ہے۔یہ کردار تو بالکل فرضی ہے لیکن اس سے جڑی حقیقتیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اس طرح کا واقعی کوئی شخص تھا جس نے لوگوں کا خون پیا ہوگا۔اس تعلق جاوید بخاری نے تحقیق کی تو انھیں کہانی ڈریکولا کے مصنف براسٹوکر نے اپنی داستان میں جس پروفیسر ابراہام کا تذکرہ کیا تھا ان کی تحریر میں لکھا گیا نسخہ بھی برطانیہ کی قدیم کتابوں میں دستیاب ہوا جس سے پروفیسر ابراہام

1 ڈیکولا، جاوید بخاری، ویب سائٹ ایڈیشن، ص 5

کے حقیقی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔اس بارے میں جاوید بخاری لکھتے ہیں

''میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس سنسنی خیز داستان میں کہاں تک صداقت ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ 1431 عیسوی میں موجود رومانیہ پر مشتمل سرزمین پر ایک شخص 'ولاتے پز'' نے جنم لیا تھا جو کہ ڈریکولا کے لقب سے مشہور ہوا تھا۔رومانیہ کی زبان میں ڈریکولا کے معنی ہیں''شیطان''۔یہ شخص ڈریکولا دلاشیہ کی مملکت پر 1448 یسوی میں حکمران رہا۔ترکوں سے شکست کھانے کے بعد وہ روپوش ہوکر جنگلی کارروائیاں کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے دوبارہ 1456ء سے لے کر 1462 عیسوی تک دلاشیہ پر حکومت کی۔''[1]

جاوید بخاری نے ڈریکولا Dracula کی کہانی کو اس طرح ترتیب دیا ہے۔خونی ڈریکولا، عفریت محل، سر پا موڑ کی ڈائن، خون پینے والا، آدم خور کا کروچ، بھٹکتی روح، ڈیکولا کی موت، بدروح کی بیٹی، بھیڑیا نما انسان، انتقام۔یہ سب کہانی کے مختلف چاپٹر اور حصوں کو الگ الگ کہانیوں کے انداز میں پیش کیا ہے۔

مظہرالحق علوی نے بھی ڈرائیکولا Dracula ناول کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ دنیا کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ناولوں میں سے ایک ہے۔اس ناول کے ناشر علم وعرفان پبلشرز،40۔الحمد مارکٹ، لاہور نے شائع کیا ہے۔

ڈرائیکولا Dracula ناول کا آغاز روزنامچہ یا ڈائری کی تکنیک سے شروع ہوتا ہے۔اس ناول کے اہم کردار جوناتھن ہارکر کی ڈائری سے ناول کا آغاز ہوتا ہے۔اسی کی ڈائری کے ذریعے کہانی قاری کے گوش گزار ہوتی ہے۔ناول کا ہیرو کبھی قدیم داستانوں کے ہیرو کی طرح مہم جوئی بھی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔کبھی ہیرو کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے تو کبھی وہ دشمنوں سے لڑتا اور انھیں بھگاتا ہے۔کبھی مافوق الفطرت طاقتوں سے لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔اس ناول کا ابتدائی انگریزی متن یہ ہے:

CHAPTER I

JONATHAN HARKER'S JOURNAL

(Kept in shorthand.)

3 May. Bistritz._--Left Munich at 8:35 P. M., on 1st May, arriving at Vienna early next morning; should have arrived at 6:46, but train was an hour late. Buda-Pesth seems a wonderful

[1] ڈیکولا، جاوید بخاری، ویب سائٹ ایڈیشن، ص8

place, from the glimpse which I got of it from the train and the little I could walk through the streets. I feared to go very far from the station, as we had arrived late and would start as near the correct time as possible.

The impression I had was that we were leaving the West and entering the East; the most western of splendid bridges over the Danube, which is here of noble width and depth, took us among the traditions of Turkish rule. 1؎

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس سے ڈرائیکولا کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک روایتی کہانی کی طرح شروع ہوتی ہے۔ ڈائری کی تکنیک سے شروع ہونے والا ناول شروع سے اپنے قارئین کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ کسی بھی ناول کا آغاز اس کا اہم حصہ ہوتا ہے۔ ڈرائیکولا کے ویب ایڈیشن کے انگریزی کے ابتدائی سطور درج کئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ مظہرالحق علوی نے اس طرح کیا ہے:

پہلا باب

جناتھن ہارکر کا روزنامچہ

(جو شارٹ ہینڈ میں لکھا گیا)

''13رمئی، بسترِیز، پہلی مئی کو میونخ سے آٹھ بج کر پینتیس منٹ کر روانہ ہوا۔ چھ بج کر 45 منٹ کو وی آنا پہنچ گیا ہوتا۔ لیکن ریل ایک گھنٹہ لیٹ تھی۔ تیز رفتار ریل کی کھڑکی میں سے جو مناظر نظر آئے اس کی بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ بڈاپسٹ بے حد خوبصورت شہر ہوگا اور وہ واقعی خوبصورت شہر ہے کیوں میں اسٹیشن سے باہر نکل کر تھوڑی دور گھوم لیا تھا۔ افسوس کہ میں اسٹیشن سے زیادہ دور نہ جا سکا کیوں کہ ریل لیٹ تھی اور وقت پر ہی چھوٹ جانے والی تھی۔ بڈاپسٹ کے اسٹیشن کے باہر قدم رکھتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ اب ہم مغرب سے مشرق میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہاں آ کر دریائے ڈینوب گہرا اور چھوڑا ہو جاتا ہے۔ اس دریا کا پل مغربی و مشرقی تہذیب میں گویا حد فاصل قائم کرتا ہے۔ یہی پل ہمیں مغرب

1؎ DRACULA,by Bram Stoker, edion 1897, Page.2

ے مشرق میں پہنچاتا ہے۔ مغربی تہذیب پیچھے چھوٹ جاتی ہے اور مشرقی تمدن شروع ہوجاتا ہے اور جگہ جگہ اسلامی فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور پھر سرخ وسفید ترکوں کو دیکھ کر دل پر ایک رعب سا چھاجاتا ہے اور دل کہتا ہے کہ یہی وہ بہادر قوم ہے جس نے روم ویونان کی قسمتوں کا فیصلہ کردیا تھا۔''

(ڈراکیولا، مصنف برام اسٹوکر، مترجم: مظہرالحق علوی، علم وعرفان پبلشرز، ص5)

اسلامی فن تعمیر کا راست انگریزی میں ذکر نہیں ہے۔ Turkish rule ترکی حکومت کا ذکر ملتا ہے۔ مظہرالحق علوی نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے۔ کہانی کو انگریزی متن کی طرح شروع کیا گیا ہے۔ انگریزی متن اور اردو ترجمہ کے مطالعہ سے یہ بات اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مترجم نے کہانی کو روح کو قائم رکھا ہے اور قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھا ہے۔ کہانی اپنے پورے لوازم کے ساتھ اردو میں ڈھل گئی ہے۔

ناول کی مختصر کہانی:

ناول کا ہیرو جان ہارکر ہے وہ ڈریکولا کے محل کی جانب جاتا ہے۔ تاکہ اپنی زمین بیچ سکے۔ ڈرا یکولا کے محل میں جانے کے دوران راستہ سے ہی خوفناک مناظر شروع ہوتے ہیں۔ راستہ عجیب وغریب سواریاں ملتی ہیں۔ خوفناک کتے ملتے ہیں۔ ڈرا یکولا سے جان ہارکر کی ملاقات بھی عجیب انداز میں ہوتی ہے۔ خوفناک قلعہ میں جان ہارکر خود کافی محصور تصور کرتا ہے۔ ایک دفعہ وہ بنارہا ہوتا ہے تو غلطی سے اس کا چہرہ سے خون نکل آتا ہے۔ ڈرائیکولا بے چین ہوجاتا ہے۔ آئینہ میں جان ہارکر کو ڈرا یکولا نظر نہیں آتا ہے لیکن وہ موجود رہتا ہے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کو جان ہارکر پریشان ہوجاتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ کوئی انسان نہیں ہے بلکہ خون پینے والا شیطان ہے۔ خوبصورت عورتیں وہاں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ بھی مرچکی ہوتے ہیں ان کی روحیں تازہ خون کی تلاش میں بھٹکتی ہیں۔ دن کے وقت یہ سوجاتی ہیں اور رات میں نکلتی ہے۔ ان کے ساتھ خوفناک کتے بھی ہوتے ہیں۔ ایک دن جان ہارکر کی نظر کھڑکی کی نیچے پڑتی ہے جہاں پر اسے ڈرائیکولا دکھائی دیتا ہے جو دیوار پر بغیر کسی سہارے کے رینگتے ہوئے نظر آتا ہے۔ طویل کہانی کے اختتام میں ڈرائیکولا ایک تابوت میں سویا ہوا ملتا ہے جو رات میں نکلتا ہے اور لوگوں کو مار کران کا خون پیتا ہے۔ ایک جان ہارکر اور رخانہ بدوش ساتھی دن کے وقت ڈرائیکولا کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی ڈھان لیتے ہیں ڈرائیکولا کے تابوت میں وہ ڈرائیکولا کو مارنے والے ہی ہوتے ہیں کہ سورج غروب ہونے لگتا ہے اور ڈرائیکولا کی شیطانی طاقتیں

اس کے پاس آنے لگتی ہے اور جیسے ہی وہ آنکھ کھولتا ہے اس کے حلق میں ایک خنجر مار دیا جاتا ہے اور دوسرے ساتھی ڈرائیکولا کے بدن کو ریزہ ریزہ کردیتے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے مٹی بن جاتا ہے۔ ڈرائیکولا مٹی بننے سے قبل مطمئن بھی نظر آتا ہے جیسے وہ صدیوں کی تھکان سے نجات پا رہا ہو۔ جان ہارکر واپس بخیر و خوبی گھر لوٹ جاتا ہے۔

منظر نگاری، مکالمہ نگاری کمال کی ہے۔ خوفناک قلعہ کے بارے میں جب پڑھنے لگتے ہیں تو سارا قلعہ ہمارے آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ رات کا وقت ہو یا دن کا وقت آسمان کی کیفیات بیان کرنا ہو یا زمین کی۔ بہترین منظر نگاری سے کام لیا گیا ہے۔ ڈرائیکولا سے ملاقات کا منظر اس طرح ہے:

> ‘Welcome to my house! Enter freely. Go safely, and leave something of the happiness you bring!’ The strength of the handshake was so much akin to that which I had noticed in the driver, whose face I had not seen, that for a moment I doubted if it were not the same person to whom I was speaking. So to make sure, I said interrogatively, ‘Count Dracula?’
> He bowed in a courtly way as he replied, ‘I am Dracula, and I bid you welcome, Mr. Harker, to my house. Come in, the night air is chill, and you must need to eat and rest.’[1]

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس ڈرائیکولا سے ملاقات کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ مظہر الحق علوی نے اس طرح کیا ہے۔ انھوں نے اس ناول کی اردو میں ترجمہ نگاری کی ہے۔ چناں چہ انھوں نے ترجمہ اس طرح کیا ہے:

> ’’اس نے غالباً اس ملک کی رسم کے مطابق کہا
>
> ’’مرحباً مرحباً! تمہارا یہاں آنا مبارک ہو۔ جب تک یہاں رہو خوش رہو اور جب واپس لوٹو تو اپنی وہ مسرتیں، جو تم اپنے ساتھ لائے ہو تھوڑی سی ہمیں بھی بخشتے جاؤ۔ آؤ خوش رہو اور خوش لوٹو‘‘۔
>
> اس کے ہاتھ کی گرفت جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کوچبان کی گرفت کی ہی طرح آہنی تھی۔ چنانچہ مجھے شک ہوا کہ کہیں یہ بوڑھا وہی کوچبان تو نہیں جس کا چہرہ میں دیکھ نہ سکا؟

1 Dracula,By Bram Stoker, Free eBooks at Planet eBook.com

میں نے اپنا شک دور کرنے کے لیے پوچھا۔

''کونٹ ڈرا کیوالا؟''

''جی ہاں! میرا نام ہی ڈرا کیولا ہے۔ مسٹر ہارکر۔ اندر آجائے۔ رات بے حد سرد ہے اور پھر آپ تھکے ہوئے بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کو بھوک بھی معلوم ہو رہی ہوگی''۔1

'Welcome to my house' کا ترجمہ مظہرالحق علوی نے ''مرحباً مرحباً! تمہارا یہاں آنا مبارک ہو'' کیا ہے۔ یہ دراصل ترجمانی ہے اور ناول کا ایک باحسن ترجمہ ہے۔ انگریزی الفاظ کے معنی ہی نہیں لکھے گئے ہیں بلکہ ایک مشقت بھرا کام کیا گیا ہے جس کا صلہ اردو قارئین نے انھیں دادِ تحسین کے ذریعے دیا ہے۔

غرض یہ کہ ڈائری کی شکل میں لکھا گیا یہ خوفناک ناول کافی مشہور ہوا اور اسے پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ رہی ہے۔ اس پر کئی فلمیں بن چکی ہیں اور کامیاب بھی رہی ہے۔''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' لیتے ہوئے اسے شامل کرنا ضروری ہے۔ یہ بین الاقوامی شہرت یافتہ ناول ہے اور اسے ہندوستان کے بعض دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ جسے انٹرنیٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ محمد عرفان نے اسے آڈیو میں بھی انٹرنیٹ پر شامل کیا ہے جسے آن لائن سنا جاسکتا ہے۔ ترجمہ تلخیص و پیشکش محمد عرفان ہی کی ہے۔ آزادی کے اردو میں جو خوفناک ناولوں کے تراجم ہوئے ہیں ان میں 'ڈرائیکولا' کو ایک خاص مقام ہے۔ آج بھی اس مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس موضوع پر فلمیں اب بھی بنتی ہیں۔ اردو ادب میں بھی اس ناول کا کافی اہمیت دی جاتی ہے۔

☆☆☆

---

1 ڈرا کیولا، مصنف برام اسٹوکر، مترجم: مظہرالحق علوی، علم وعرفان پبلشرز، ص 19

Goodbye to berlin

آخری سلام

ترجمہ: محمد حسن عسکری

کرسٹوفر آشر ڈ Christopher Isherwood کا ناول Goodbye to berlin، (گڈبائی ٹو برلن) یہ ناول 20 ویں صدی کی تیسری دہائی کے ابتدائی برسوں کے جرمنی کی کہانی پیش کرتا ہے۔ اس میں جرمنی کی سیاسی وسماجی صورتِ حال کی منظر کشی کی گئی ہے۔ جنگ میں شکست خوردہ جرمنی ریاست کا ڈھانچہ کچی دیوار کی طرح ہل رہا تھا۔ نسل پرستی اور یہودی دشمنی کے نام پر بے روزگار نوجوانوں کے جذبات بھڑکائے جا رہے تھے۔ فوج اور سیاستدان باہم دست وگریباں تھے۔ روایتی سیاسی قائدین عوام کی مناسب رہنمائی کرنے میں ناکام تھے۔ ہٹلر سابق فوجی کی قیادت میں فسطائی جماعت ریاست پر قبضہ جمانے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ اس جماعت کے پاس خطرناک لیکن دلکش نعرے تھے۔ لڑنے مرنے پر آمادہ نوجوان تھے۔ انھیں غیبی ذرائع سے سرمایہ بھی مل رہا تھا۔ مزاحمت کا دم خم تھا اور نہ خواہش تھی۔ طاقتور حلقے سمجھتے تھے کہ وہ فسطائی عناصر جھوٹ، قتل وغارت اور بے پناہ پروپیگنڈہ کی بنیاد پر اپنا کھیل کھیل رہے تھے۔

کرسٹوفر کا مکمل نام Christopher William Bradshaw Isherwood ہے، وہ 26/اگست 1904 کو برطانیہ میں پیدا ہوئے۔ 4/جنوری 1986ء کو بعمر 81 سال کیلفورنیا امریکہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ انگریزی زبان کے نامور ناول نگار تھے۔ وہ بہ یک وقت امریکہ اور برطانیہ کی شہرت کے حامل تھے۔ وہ آزاد خیال اور آزادی پسندی تھے۔ انھوں نے متعدد ناول لکھے ہیں۔ انھوں نے اپنے دوست Don Bachardy ڈان بچرڈ کو خطوط لکھے تھے اسے بعد میں دی اینیمل (The Animals: Love Letters Between Christopher Isherwood and Don Bachardy) کے نام سے شائع کیا گیا۔

آخری سلام کے انگریزی ویب ایڈیشن کئی دستیاب ہیں۔ اردو میں محمد حسن عسکری نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایک

طویل ناول ہے۔ڈائری کی تکنیک میں لکھا گیا یہ ناول برلن کی تاریخ بھی بیان کرتا ہے۔ناول کی تکنیک میں اس کا آغاز بہت اہم ہوتا ہے۔ناول کی شروعات میں قاری کو ناول سے جوڑنا ہوتا ہے۔قاری جب ناول سے جڑ جاتا ہے تو پھر سے اختتام تک مختلف تکنک کے ذریعے سے جوڑے رکھنا ہوتا ہے۔

ڈائری DIARY عام طور پر نجی ہوتی ہیں۔دنیا بھر بہت سارے لوگ ڈائری لکھتے ہیں لیکن کسی کو بتاتے نہیں ہیں۔ اس میں ان کی راز کی باتیں بھی ہوتی ہیں جو وہ دوسروں سے چھپاتے ہیں اور خود کو یاد رکھنے کے لئے لکھ رکھتے ہیں۔یہ ڈائری ایسی نہیں ہے۔یہ ناول ہے جو کافی مشہور ہے۔

ناول کے جو بنیادی عناصر ہیں ان میں بھی ناول کے آغاز بہت معنی رکھتا ہے۔ناول کے آغاز شاندار ہوگا تو قاری کو اسے آخری تک پڑھنا آسان ہوتا ہے۔اس ناول کا فنی تجزیہ کرنے سے پہلے اس کے ابتدائی انگریزی کے متن کی سطور یہاں پیش کی جارہی ہیں:

A BERLIN DIARY (Autumn 1930)

> the deep solemn massive street. Cellarshops where the lamps burn all day, under the shadow of topheavy balconied facades, dirty plaster frontages embossed with scrollwork and heraldic devices. The whole district is like this: street leading into street of houses like shabby monumental safes crammed with the tarnished valuables and second-hand furniture of a bankrupt middle class. I am a camera with its shutter open, quite passive, recording, not thinking. Recording the man shaving at the window opposite and the woman in the kimono washing her hair. Some day, all this will have to be developed, carefully printed, fixed. 1ے

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس میں 1930ء کی ڈائری کے ایک آغاز کو دکھایا گیا ہے۔ڈائری کی تکنیک پر لکھا گیا یہ ایک

1 GOODBYE TO BERLIN , CHRISTOPHER ISHERWOOD,Ebook, page.11

خوبصورت ناول ہے۔اس ناول میں جرمنی کی داستان رقم کی گئی ہے۔اس ناول کا اردو ترجمہ کرتے وقت محمد حسن عسکری نے تہذیبی عناصر کو قائم رکھا ہے۔ برلن کا منظر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ چناں چہ وترجمہ کرتے ہیں:

'' برلن کا روزنامچہ

موسمِ خزاں 1930ء

میری کھڑکی سے سڑک نظر آتی ہے۔ گہری ، چوڑی چکلی، گمبھیر۔ مکانوں کے آگے بھاری بھاری چھجے ہیں، سامنے کا پلستر میلا ہو چکا ہے، اوپر کی طرف بیل بوٹے اور خاندانوں کے امتیازی نشانات بنے ہوئے ہیں۔چھجوں کے نیچے چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں میں دکانیں ہیں جہاں دن بھر چراغ جلتے ہیں۔ سارا محلّہ اسی قسم کا ہے۔گلی در گلی مکان چلے گئے ہیں اور مکان بھی کچھ ایسی وضع کے ہیں جیسے بھونڈی بھونڈی زبردست تجوریاں جن میں دیوالیہ متوسط طبقے کی میلی کچیلی قیمتی چیزیں اور پرانے سامان کی دکانوں سے خریدا ہوا فرنیچر ٹھسا ٹھس بھرا ہوا ہے۔

میں ایک کیمرا ہوں جس کا منہ کھلا ہوا ہے۔ میں بالکل مفعولی حالت میں ہوں، چیزوں کا عکس اتار رہا ہوں، سوچ نہیں رہا ہوں۔ سامنے والی کھڑکی میں ایک آدمی حجامت بنا رہا ہے، ایک عورت جاپانی کمونو پہنے ہوئے بال دھو رہی ہے۔ میں ان دونوں کا عکس اتار رہا ہوں۔ کسی دن ان سب تصویروں کو دھو کر احتیاط سے کاغذ پر چھاپا جائے گا۔[1]

انگریزی متن کو دیکھنے کے بعد اردو ترجمہ نظر سے گذاریں تو یہ بات بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ محمد حسن عسکری نے ترجمہ اردو کے مطابق ڈھالا ہے۔انھوں نے اردو قارئین کو بوجھل کرنے والی تحریر کی بجائے ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جو انگریزی سے ترجمہ کی جھلک بھی رکھتا ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اردو قارئین کے لئے عمدہ اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔

منظر نگاری اور کردار نگاری کے بہترین نمونے اس ناول میں نظر آتے ہیں۔ اچھے برے کردار مکمل طور پر سامنے آتے ہیں۔ بیانیہ انداز میں لکھا گیا ناول ہے۔ڈائری کی تکنیک میں مصنف واقعات کو دن وسال کی ترتیب سے لکھتا ہے۔ واقعات کے

1 آخری سلام، کرسٹوفر آشروڈ، مترجمہ، محمد حسن عسکری، مکتبہ جدید، لاہور، اپریل 1948ء۔ص 13، 14

بارے میں وہ کیا سوچتا ہے وہ لکھ دیتا ہے۔ مصنف کی نظر سے دنیا کیسی نظر آتی ہے وہ اسے قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر کہیں بارش ہو رہی ہے تو مصنف کے دل میں کیا جذبات پیدا ہو رہے ہیں وہ بارش کو اسی تناظر میں پیش کرتا ہے۔ بارش کی بوندوں کو کہیں خوشی کی پھوہار کی طرح بیان کیا جاتا ہے تو کہیں غم آنسو کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ مصنف دنیا جس طرح دیکھتا ہے وہ اسے دنیا کو بھی اسی طرح بتانا چاہتا ہے۔ برلن کی تہذیب وثقافت کو مصنف جیسا دیکھا اور جیسا محسوس کیا اسے بیان کر دیا گیا۔

212 صفحات پر مشتمل انگریزی ناول کو محمد حسن عسکری نے 323 صفحات میں ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے انگریزی الفاظ کو اردو میں بہت عمدہ طریقے ڈھالا ہے۔ اس اقتباس کو دیکھئے:

> I Catch sight of my face in the mirror of a shop, and am horrified to see that I am smiling. ou can't help smiling , in such beautiful weather. The trams are going up and down the kleistsrasse, just as usual . They , and the people on the pavement, and the tea-cosy dome of the Nollendorfplatz station have an air of curious familiarity, of staking resemblance to something one remembers as normal and pleasant in the past .
>
> - like a very good photograph.
>
> No. Even now I can't altogether believer that any of this has really happened. [1]

محمد حسن عسکری نے مقامات کے ناموں کو ویسے ہی رکھتے ہوئے ناول کا ترجمہ کیا ہے۔ Nollendorfplatz مغربی جرمنی کا علاقہ ہے جس کا ترجمہ بھی انھوں نے ''نولینڈورف پلاٹس'' ہی کیا ہے۔ مذکورہ بالا انگریزی اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

> ''ایک دکان کے شیشے میں مجھے اپنا چہرہ نظر آتا ہے اور یہ دیکھ کر میں لرز اٹھتا ہوں کہ میں مسکرا رہا ہوں۔ ایسے حسین موسم میں مسکراہٹ روکے سے نہیں رکتی۔ ٹریمیں حسب معمول آ جا رہی ہیں۔ یہ ٹریمیں کھڑنجے پر چلنے والے لوگ، اور نولینڈورف پلاٹس اسٹیشن کا ٹیکوزی کی شکل کا گنبد...... یہ سب چیزیں بڑی مانوس نظر آ رہی ہیں، اور کسی ایسی چیز سے مشابہ معلوم ہوتی ہیں جو یاد پڑتا ہے کہ ایک زمانے میں بہت خوشگوار تھی اور جس میں کوئی بات بھی خلاف معمول نہ تھی...... جیسے کوئی عمدہ سا فوٹو گراف۔

1 GOODBYE TO BERLIN , CHRISTOPHER ISHERWOOD,Ebook, Page.206

نہیں۔ اب بھی مجھے پوری طرح یقین نہیں آتا کہ ایسے ایسے واقعات ہو چکے ہیں......''[1]

''آخری سلام''، تکنیکی اعتبار سے عہد ساز ناول ہے جس میں کردار نگار، منظر نگاری اور مکالمہ نگاری کے بھی بہت ہی عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ یہ ناول 323 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس ناول کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے 'اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ' میں اسے شامل کیا گیا ہے۔

☆☆☆

1. آخری سلام، کرسٹوفر آشروڈ، مترجمہ محمد حسن عسکری، مکتبہ جدید، لاہور، اپریل 1948ء۔ ص 323

The Mother

ماں

(مترجم کا نام نہیں ہے، ناشر بدیشی زبانوں کا اشاعت گھر، ماسکو)

روسی انقلاب پر کئی ناول لکھے گئے ہیں لیکن ایک ایسا ناول جو بہت زیادہ مشہور ہوا اور جس پر کئی فلمیں اور کہانیاں لکھی گئی ہیں وہ میکسم گورکی کا ناول ’ماں‘ (The Mother) ہے۔ اس کی دنیا بھر کی کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں خاص کر مراٹھی Marathi، ہندی Hindi وغیرہ میں بھی اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ روسی مصنف گورکی کا ناول ماں عالمی شہرت یافتہ ناولوں میں سرفہرست ہے۔

اس ناول کے تعلق سے ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> 1899ء میں گورکی کا تعلق اشتراکی جمہوریت پسندوں سے استوار ہوا اور پولیس پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔
>
> جس کا نتیجہ ناول ’ماں‘ ہے۔ عالمی سطح پر لکھے گئے ناول کی جب درجہ بندی ہوئی ہے گورکی کا نال ماں کو ہمیشہ سرفہرست ہی شمار کیا گیا ہے۔ گورکی کا ایمان تھا کہ بڑے قلمکار کے لئے اپنے عہد کے سماجی شعور سے آنکھیں چرا کر لکھنا ناممکن ہے۔ اسی نظریہ کے تحت اس نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ ماں انقلاب سے پہلے کے روس کی سماجی زندگی اور سیاسیات کی عمومی و اجمالی تصویر کشی ہے۔ یہ ناول روس کے شہر (سورومووو) میں پیش آنے والے واقعات کا حیرت انگیز تانا بانا بنتی ہے۔ سورو کے ایک مزدور پیوٹر آندرے وچ زالوموف اور اس کی خانگی زندگی اس ناول کا نکتہ ارتکاز ہے۔ یہی سبب ہے کہ ولاسوف اور اس کی ماں آنا کیرنلوفنا اس ناول کے ذریعے دو عظیم انقلابی کرداروں میں ڈھل کر دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں کردار ترقی پسند نظریے اور خالصاً عوامی مقاصد کے لیے سرگرم عمل رہے اور مزدور تحریکوں کے لیے ان کی شدید جدوجہد نشان راہ بن گئی۔ [1]

---

[1] مغرب سے نثری تراجم، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ناشر مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1988ء۔ ص 693,694

مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ناول مزدوروں کے حقوق کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس ناول میں ایک ماں اوراس کے بیٹے کی مزدوروں کے لئے جدوجہد کوناول کے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

انقلاب روس میں عورتوں کی جدوجہد کوبھی اس ناول میں دکھایا گیا ہے ہے۔ پاویل کی ماں جدوجہد میں حصہ لیتی ہے اور ڈنڈے بھی کھاتی ہے۔ پاویل کی محبوبہ بھی جیل جاتی ہےاوروارڈن کے خلاف بھوک ہڑتال بھی کرتی ہے جو8 دن تک چلتی ہے اور پھر وارڈن کے معافی مانگنے کے بعدوہ اپنی بھوک ہڑتال ختم کرتی ہے۔

انقلاب کے دنوں میں انقلابی مواد پر پابندی ہوتی ہے چناں چہ میکسم گورکی لکھتے ہیں:

> Without looking at her, Pavel spoke, not loudly, but for some reason very sternly:
> "I am reading forbidden books. They are forbidden to be read because they tell the truth about our—about the workingmen's life. They are printed in secret, and if I am found with them I will be put in prison—I will be put in prison because I want to know the truth." 1

جدوجہداورانقلاب کے لئے پاویل ممنوعہ لٹریچر کا مطالعہ کرتا ہے۔وہ اپنی ماں کواس تشریح اس طرح کرتا ہے:

> ’’میں قانوناً ممنوع کتابیں پڑھ رہا ہوں۔ان کے پڑھنے پراس لئے پابندی عائد ہے کہ وہ مزدوروں کے متعلق سچی باتیں بتاتیں ہیں۔ان کتابوں کوچھپ کرخفیہ طریقہ سے چھاپا جاتا ہےاور اگر مجھے یہ کتابیں پڑھتے دیکھ لیا گیاتو جیل میں ڈال دیا جاؤں گا۔جیل میں اس لئے کہ میں حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔سمجھیں؟‘‘ 1

مزدوروں کوخفیہ طریقے انقلابی مواد سربراہ کیا جاتا تھا۔ انقلابِ روس کی تیاریوں کے لئے جوطریقہ کاراستعمال کیا جاتا تھااس کی جھلک مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتی ہے۔یہ شہرت یافتہ ناول دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ماں، ناول کے ذریعے میکسم گورکی نے اپنے جذبات کی عکاسی کی ہے۔انھوں نے انقلابی مواد کے ذریعہ اشتراکیت کوفروغ دیا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ اشتراکیت کوفروغ ہواور ہرطرف مساوات کا درس دیا جائے۔انھوں نے اس کہانی کے ذریعہ

1 Mother, Maxim Gorky, Ebook(/www.gutenberg.org) Page-15

1 ماں، ناول میکسم گورکی، ناشر، بدیشی زبانوں کااشاعت گھر، ماسکو ص27،28

ساری دنیا کو ایک مسیج دیا ہے جس کی وجہ سے ان کی اس کتاب کا ترجمہ ساری دنیا کی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ''بدیشی زبانوں کے کتاب گھر''، روس، نے اسے ترجمہ کیا ہے لیکن اس پر مترجم کا نام نہیں ہے۔ یہ ترجمہ بہت عمدہ ہے۔

میکسم گورکی کا یہ ناول کردار نگاری کے لئے بھی جانا جاتا ہے۔ اس ناول کے کردار نہایت جاندار ہے۔اس ناول پر فلمیں بھی بن چکی ہیں اور کافی مشہور بھی ہو چکے ہیں۔

''دیوانہ ہے دیوانہ''

FOMA GORDEYEV

میکسم گورکی ۔ مترجم مخمور جالندھری

''دیوانہ ہے دیوانہ'' (ناول) میکسم گورکی ۔ مترجم مخمور جالندھری ۔ ناشر مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی ۔ پہلا ایڈیشن 5 اگست 1966ء ۔ اس ترجمہ میں کہیں اصل کتاب کا نام نہیں ہے ۔ نہ ہی روسی ایڈیشن کا اور نہ ہی انگریزی ایڈیشن کا ۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ کتاب کا نام FOMA GORDEYEV ہے ۔

میکسم گورکی کے بارے میں مترجم مخمور جالندھری نے لکھا ہے ۔

> ''روس کے عدیم المثال ناول نگار نے اسی زندگی کے ہر رنگ روپ کو اس ناول میں پیش کیا ہے ۔ گورکی ایک باریک بین اور بالغ نظر ادیب ہے ۔ وہ زندگی کی صحت مند قدروں کا علمبردار ہے ۔ ایک بہتر توانا اور پاکیزہ دنیا کا معمار ہے ۔''[1]

یہ ناول بھی انقلابی ہے ۔ اس کہانی کے تعلق سے مصنف کہتے ہیں

> ''اس ناول کا ہیرو فوما گوردیف ہے جو اپنے تاجر طبقہ کی ریشہ دوانیاں اور خون آشامیوں سے بیزار ہو کر مقصدِ حیات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے ۔ اسے اپنی اس تلاش میں جانکاہ صدمے اٹھانے پڑتے ہیں ۔ جب اسے زندگی کی بوسیدگی کا علم ہو جاتا ہے تو وہ علم بغاوت بلند کر دیتا ہے ۔ وہ اپنے ہی طبقے سے ٹکر لیتا ہے ۔ مگر صحت مند دراز قد اور خوبصورت نوجوان فوما کو پاگل قرار دے دیا جاتا ہے ۔

میکسم گورکی کا یہ ناول زندگی آمیز اور زندگی آموز ہے ۔ گورکی کا انداز بیان اتنا پر لطف

---

1 ''دیوانہ ہے دیوانہ'' (ناول) میکسم گورکی ۔ مترجم مخمور جالندھری ۔ ناشر مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی ۔ پہلا ایڈیشن 5 اگست 1966ء ۔ ص 7

اور لطیف ہے کہ اس کے ایک ایک جملے پر زبان چٹخارے لیتی ہے۔میکسم گورکی زندگی کا صحیح اور اُجلا رخ بھی پیش کرتا ہے اور یہی اس ناول کی عظمت ہے۔اس ناول کا شمار دنیا کے غیر فانی ناولوں میں ہوتا ہے۔''[1]

مذکورہ بالا اقتباس میں مخمور جالندھری نے ناول کے بارے میں جامع الفاظ میں جو تفصیل بیان کی ہے وہ اس ناول کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔میکسم گورکی کے اس ناول میں مرکزی کردار کے ذریعہ سے زندگی کی جدوجہد کو اجاگر کیا گیا ہے۔
اس ناول کے فنی محاسن کے بعد اس کے ترجمہ کے انگریزی ورژن کے نمونے اور اردو ترجمہ کو پیش کیا جارہا ہے۔تاکہ مترجم اور انگریزی ورژن کو مزید بہتر انداز میں سمجھا جا سکے۔ FOMA GORDEYEV. کے روسی ناول کا انگریزی میں ترجمہ HERMAN BERNSTEIN نے کیا ہے۔1901ء میں نیو یارک میں سے شائع ہوا۔ناول کا انگریزی متن ملاحظہ ہو:

CHAPTEE I.

About sixty years ago, when fortunes of millions had been made on the Volga with fairy-tale rapidity, Ignat Gordeyev, a young fellow, was working as water-pumper on one of the barges of the wealthy merchant Zayev. Built like a giant, handsome and not at all stupid, he was one of those people whom luck always follows everywhere — not because they are gifted and industrious, but rather because, having an enormous stock of energy at their command, they cannot stop to think over the choice of means when on their way toward their aims, and, excepting their own will^ they know no law. Sometimes they speak of their conscience with fear, sometimes they really torture themselves struggling with it, but conscience is an unconquerable power to the faint-hearted only; the strong master it quickly and make it a slave to their desires, for they unconsciously feel that, given room and freedom, conscience would fracture life. They sacrifice days to it ; and if it should happen that conscience conquered their

---

[1] ''دیوانہ ہے دیوانہ'' (ناول) میکسم گورکی۔مترجم مخمور جالندھری۔ناشر مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی۔پہلا ایڈیشن 5 اگست 1966ء۔ص 8

souls, they are never wrecked, even in defeat — they are just as healthy and strong under its sway as when they lived without conscience. 1

یہ انگریزی متن ناول کے ابتدائی صفحات سے لیا گیا ہے۔ ناول کا آغاز نہایت اہم ہوتا ہے۔ قاری جب ناول کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کی توجہ کو اپنی جانب مرکوز کرنے کے لئے اسے پہلے حصہ پر خاص توجہ کرنا ہوتا ہے۔ مخمور جالندھری نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''کوئی ساٹھ برس ہوئے جب والگا دریا پر رات بھر میں لاکھوں روپے پیدا کر لئے جاتے تھے۔ اگنات گوردیف ایک دولت مند تاجر زایف کی ناؤ پر کام کرتا تھا۔

گوردیف تندرست و توانا اور خوبصورت جوان تھا۔ وہ کوئی احمق بھی نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اس لئے نہیں وہ ذہین اور محنتی ہوتے ہیں بلکہ اس لئے کہ قدرت کی طرف سے انھیں توانائی کا بھاری خزانہ ودیعت ہوتا ہے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ کسی چیز کو نہیں ٹھکراتے۔ دراصل وہ کسی چیز کو ٹھکرانے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ایسے لوگ بڑے دکھ کے ساتھ اپنے ضمیر کی بات کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت ضمیر سے لڑتے ہوئے دکھ بھی اٹھاتے ہیں۔ ایک کمزور آدمی اپنے ضمیر پر فتح پانے کے ناقابل ہوتا ہے لیکن ایک مضموط آدمی اپنے ضمیر کو اپنا غلام بنالیتا ہے اور اسے مجبور کردیتا ہے کہ وہ اس کے مقصد کی خدمت کرے۔ ایسا شخص اپنی جدو جہد میں چند راتیں بیدار رہ کر بھی کاٹ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا ضمیر آخر میں اس پر فتح پالے۔ اس کا ضمیر اگر اس پر واقعی فتح پا بھی لیتا ہے تو اس شکست سے ہمت نہیں ہارتا اور ضمیر کی حکومت میں بدستور پہلے کی طرح توانائی کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہتا ہے۔''2

مخمور جالندھری نے ترجمہ کرتے وقت ناموں کو وہی رکھا۔ زماں و مکاں بھی وہی ہے۔ کہانی پَن کو بھی قائم رکھا ہے۔

1 (FOMA GORDEYEV. BY MAXIME GORKY Translated from the Russian By HERMAN BERNSTEIN. New York : J. S. OGILVIE PUBLISHING COMPANY, 1901.page-10)

2 ''دیوانہ ہے دیوانہ'' (ناول) میکسم گورکی۔ مترجم مخمور جالندھری۔ ناشر مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی۔ پہلا ایڈیشن 5 اگست 1966ء۔ ص 9

انھوں نے کوشش کی ہے کہ روسی فضاء اس ناول باقی رکھا ہے۔ پہلے پیراگرف کے لفظ made کا ترجمہ انھوں پیدا کرنا لکھا ہے جب کہ یہاں پر مچھلیوں کے ذریعہ سے پیسے حاصل کرنے کی بات ہورہی ہے تو یہاں پر made کا ترجمہ کمانا بھی لیا جا سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ ناول حقیقت نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری اور جذبات نگاری کے بہترین مرقع ہے۔ یہ اردو میں بہت ہی زیادہ معنی خیز ناول ہے۔ اس ناول کی جھلک بعد میں اردو کے ناولوں میں دیکھی گئی۔ ترجمہ بھی بہت عمدہ ہے اور جس کی مثال گذشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔

Kosala (novel)

کوسالا

مصنف: بھال چند نیماڈے

مترجم: مشرف عالم ذوقی

کوسالا مراٹھی کا مشہور ناول ہے۔ 1963ء میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے اب تک 9 زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

Kosla (Hindi) published by National Book Trust, New Delhi (1983)
Kosheto (Gujrati) published by National Book Trust, New Delhi (1995)
Kosla (Kannada) published by National Book Trust, New Delhi (1995)
Palur Vah (Assami)published by National Book Trust, New Delhi (1996)
Kosla (Punjabi) published by National Book Trust, New Delhi (1996)
Cocoon (English) published by Macmillan Publishers India, Chennai (1997)
Need (Bengali) published by Sahitya Academi, New Delhi (2001)
Kosla (Urdu) published by National Book Trust, New Delhi (2002)
Koshapok (Orria) published by National Book Trust, New Delhi (2005)

مراٹھی ادب سے اردو میں افسانوی تراجم ہوتے رہتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی ایک ناول کا جائزہ لینا طے کیا گیا تو بھال چند نیماڈے کا ناول 'کوسلا' پر نظر پڑی۔ یہ ناول کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اردو میں بھی ہو چکا ہے اسے نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا نے شائع کیا ہے۔ اسی لیے اس کا انتخاب کیا گیا۔

فنی اعتبار سے یہ نہایت اہم ناول ہے۔ قدیم طریقوں کو اس نے مسترد کر دیا۔ ''کوسلا'' کے فن کے بارے میں چندر کانت بانڈی وڈیکر نے اس ناول کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

(بحوالہ، وکی پیڈیا https://en.wikipedia.org/wiki/Kosala_(novel))

''مراٹھی ناول نگاری میں زبان و بیان اور اسلوب کی دقیانوسیت کو ''کوسلا'' نے جس سطح پر توڑا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مراٹھی کے مشہور مصنف اور ناقد شری دلیپ چترے کہتے ہیں ''کوسلا'' میں فنی شعر کے خارجی عناصر کو بالکل اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ اتنا ہی نہیں اسلوبی دقیانوسیت کا نفی ہی مصنف کے لیے ایک اخلاقی قدر کیوں ہے، یہ اپنے آپ ثابت ہوجاتا ہے''۔1

'کوسلا' سے پہلے ناولوں میں صرف الفاظ و زبان بیان پر توجہ دی جاتی تھی۔ ناولوں میں کہیں دیومالائی قصے نظر آتے تھے تو کہیں عشقیہ ناولیں لکھی یا ترجمہ کی جاتی تھی۔ 'کوسلا' بالکل ایسی ہی تکنیک ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ اس تکنیک میں جیسا ایک نوجوان سوچتا ہے اور جیسا وہ ہوتا ہے ویسا ہی بیان کردیا گیا ہے۔ جیسے بعض نوجوان کچھ ایک تکیہ کلام رکھتے ہیں اور بار بار وہ وہی جملہ یا لفظ دہراتے رہتے ہیں جو شاید انھیں اچھا لگتا ہے لیکن سننے والوں کو بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ اس ناول کا مرکزی کردار بار بار ایسا ہی ایک جملہ کہتا رہتا ہے۔ ''مثال کے طور'' ہر جملہ کے بعد وہ بار بار یہ فقرہ ضرور کہتا ہے۔ اس سے پہلے شاید ہی کسی مراٹھی ناول ایسا فقرہ استعمال کیا گیا ہو۔

اسلوب اور زبان و بیان ظاہری طور پر بالکل عام بول چال کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں گہرائی اور طنز بھی نظر آتا ہے۔ خودنوشت کے انداز میں اس کہانی کا ہیرو جو زبان استعمال کرتا ہے اس کے بارے میں پیش لفظ میں ہی لکھا گیا ہے:

''کوسلا'' کی زبان جو اپنے ہیرو کی طرح ظاہری طور سے عام فہم اور سپاٹ لگتی ہے اگر غور سے اس کے جلدیاتی تہہ بہ تہہ کی سطح پر غور کریں تو اندر سے گہرے طنز و مزاح، معنی خیزی اور انڈر اسٹیٹمنٹ وغیرہ کی وجہ سے سنجیدگی سے غور و خوض کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ حقیقت میں ''کوسلا'' کے ہیرو کی صفت ''کوسلا'' کے زبان و بیان کی ہی صفت ہے۔''2

عام بول چال کی زبان کو ناول میں استعمال کرنے کو اگرچہ دوسرے ادیبوں نے بھی اپنایا لیکن مراٹھی زبان و ادب میں جو کام بھال چندر نیماڈے نے کیا اس نے پورے مراٹھی ادب کو متاثر کیا۔ بعد کے ادیبوں نے بھی اس طرح کے تجربے کئے۔ مونولاگ یا خودکلامی کی تکنیک سے کئی افسانے لکھے گئے ہیں۔ اس ناول میں خودنوشت انداز اپنایا گیا ہے۔ ناول کے

1 کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ VI

2 کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ IX

شروع کے چند سطور ملاحظہ کیجیے:

मी पांडुरंग सांगवीकर. आज उदाहरणार्थ पंचवीस वर्षांचा आहे.

खरं तर तुम्हाला वगैरे सांगण्यासारखं एवढंच. आता ह्या जगात पंचवीस वर्षं ही जागा फारशी मोठ्ठी नाही. मात्र वडलांचे दहाबारा हजार रुपये खर्चून देखील मी परीक्षा वगैरे कधीच नीट दिल्या नाहीत. हा माझा गुन्हा आहे. हे आपल्याला कबूल. तसे आम्ही घरचे वगैरे बरे असलो, तरी आमच्या घरात पैशापैशासाठी सगळे धडपडत वगैरे असतातच. म्हणजे ह्यात गडीमाणसं वगैरे आलीच. शेतकर्याला एकेक शेंग, एकेक कणीस, एकेक बोंड वेचून पैसे मिळवायचे असतात. हे देखील आपल्याला कबूल. शिवाय इतकी वर्षं शहरात वगैरे राहून जरा बोलणंचालणं-कपडेदागिने नीट करावे, तर ते देखील मी करत नाही असं हे म्हणतात. [1]

ترجمہ:

''میں پانڈورنگ سانگویکر......مثال کے طور پر آج پچیس سال کا ہوں......سچ تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے لیے بس اتنا جاننا کافی ہے......ویسے دیکھا جائے تو اس دنیا میں پچیس برسوں کا عرصہ کچھ اتنا زیادہ معنی نہیں رکھتا......لیکن، سچ تو یہ ہے کہ پتاجی کے مجھ پر دس بارہ ہزار روپے خرچ ہو گئے۔ پھر بھی امتحان وغیرہ میں میری کبھی دل چسپی نہیں رہی......اس لیے کبھی ٹھیک ڈھنگ سے امتحان نہیں دیا ہاں، یہ میرا جرم تھا اور یہ مجھے منظور بھی ہے......
ویسے ہم لوگ اپنی مالی حالت کے لحاظ سے ٹھیک ٹھاک ہیں......پھر بھی ہمارے خاندان کے سبھی لوگ پیسے پیسے کے لیے پریشان وغیرہ رہتے ہیں۔یعنی اس میں نوکر چاکر وغیرہ سب شامل ہیں۔''[2]

بیانیہ انداز میں لکھنے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کردار کو آسانی سے مکمل طور پر ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ بھال چند نیماڈے نے اس تکنیک کا فائدہ اٹھایا۔ وہ اپنے کردار کو مکمل طور پر قاری کے سامنے لانا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اس کہانی کے ہیرو کی

1۔ کوسلا مراٹھی ایڈیشن، بھال چند نیماڈے،
2 (کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ 1)

زبانی بہت سے ناول کے کرداروں کو اُجاگر کیا ہے۔ ناول کا ہیرو پانڈورنگ اپنے باپ کے بارے میں کیا سوچتا ہے اس نفسیات کو بتانا اصل مقصد ہے۔ پانڈورنگ اپنے باپ کی بہت سی عادتوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنے باپ کے بارے میں بتاتا ہے:

''پتا جی دن میں کبھی بھی سوتے نہیں ہیں......گاؤں میں جب بھی کسی کو صلاح ومشورہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ دخل انداز ضرور ہوتے ہیں۔ بچپن سے ہی، پتا جی کے ساتھ میری کبھی نہیں پٹی......ایک تو ان کی کاٹھی اصلی باپ کی طرح بڑی بھاری بھرم کم ہے...... پولا کے تیہوار پر گاؤں کے بزرگ دل بہلانے کے لیے کبدی وغیرہ کھیل کھیلتے ہیں......تب، کھیل کے میدان میں پتا جی کا عریاں جسم مجھے بے حد گندہ لگتا ہے۔ میرا اگر کسی کے ساتھ جھگڑا وغیرہ ہو جائے، اس معاملہ میں میری غلطی نہ بھی ہو، تب بھی مثال کے طور پر وہ مجھ کو ہی بلواتے اور میری زبردست پٹائی کرتے......دادی نے پتا جی کے بارے میں ان کے بچپن کی ایک بات بتائی تھی۔ تب سے ان کے چانٹے وغیرہ مجھے بڑے ذلت آمیز محسوس ہونے لگے......ہوا یوں کہ پتا جی نے کسی بچے کو ایک بڑا پتھر پھینک مارا تھا......اور مثال کے طور پر اس کی آنکھ پوٹ گئی تھی......سو اپنی پھوٹی آنکھ کے لیے وہ لڑکا اپنے باپ وغیرہ کے ساتھ ہمارے گھر آیا......اس کے باپ نے کہا جس نے ہمارے لڑکے کی آنکھ پھوڑی ہے، میں اس کی آنکھ پھوڑ دوں گا۔ تب میری دادی نے ہمارے پتا جی کو اوپر چھت پر چھپا دیا تھا اور اس آدمی سے کہا......وہ گھر میں نہیں ہے......پھر تمام دن، تمام رات وہ آدمی دروازہ پر اور پتا جی اوپر......دس سیر گھی دینے پر وہ آدمی اپنے گھر چلا گیا تھا''۔1

پانڈورنگ کے خیالات اپنے باپ سے بالکل نہیں ملتے ہیں۔ وہ عملی زندگی میں اچھا انسان بننا چاہتا ہے جو جھوٹ نہ بولے لوگوں کو دھوکہ نہ دے، ہر کسی کی مدد کرے۔ اس کے والد پیسوں کو اہمیت دیتے ہیں وہ اپنے اصولوں کو۔ لہٰذا دونوں میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ پانڈورنگ کو اسکول کی فیس معاف کرانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی پسند نہیں ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ مجھ سے زبردستی درخواست لکھوا چکے ہیں اپنی آمدنی کم بتا کر۔ فیس معاف کرانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا اسے پسند نہیں ہے۔

1 (کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ 2)

گھریلو جدوجہد کو بھی اس میں بتایا گیا ہے۔ اس ناول میں پانڈورنگ کی دادی اور ماں کی بحثیں بھی ہیں جو کہ ہندوستانی معاشرے میں عام طور پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چنانچہ انھوں ساس بہو کا جھگڑے کو ناول میں جگہ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میری دادی اور ماں کے بیچ آئے دن جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ہماری کھیتی کافی بڑی ہے۔ اس لیے دادی کو مزدوروں پر نگرانی رکھنے کے لیے کھیت جانا پڑتا ہے......گھر میں مثال کے طور پر آوا جائی بہت ......اس لیے ماں پر گھر کے کام کا بہت بوجھ پڑتا ہے......دادی الٹے کہتی ہیں کہ میں کھیت میں جاتی ہوں اور تم تو گھر میں آرام سے بیٹھی رہتی ہو......ویسے دیکھا جائے تو دادی کھیت میں مزدوروں پر صرف نگرانی کا کام کرتی ہیں۔ جہاں سے راستہ دکھائی دے ایسے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتی ہیں اور وہیں سے پگڈنڈی کا خیال رکھتی ہیں۔ جب دور سے ماں یا کسی کو آتا دیکھتی ہیں تو جھٹ اٹھ جاتی ہیں اور لُکتی چھپتی ، جا کر وہاں سے چلاتیں......اور پھر کام کرنے کا دکھاوا کرنے لگ جاتی ہیں''۔1

گھر کے اور کئی جھگڑے وغیرہ بتا کر کہانی کا ہیرو کہتا ہے کہ اس سے زیادہ گھر کی پرائیویٹ باتیں ہم نہیں بتائیں گے۔ کیوں کہ بتانے والا بے وقوف اور سننے والا مثال کے طور پر لچا ہوتا ہے۔

زماں ومکاں آزادی کے بعد کا ہے۔ اس زمانے کے ماحول کو کہانی کا حصہ بنایا گیا ہے۔ تعلیم اور عملی زندگی اور گھریلو زندگی سبھی میں یہی زمانہ نظر آتا ہے۔ کئی گاؤں میں طبی سہولتیں کے فقدان کی جانب بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ گاؤں میں ہیضہ اور پلیگ جیسے وبائی امراض جب پھیلتے تو پھر گاؤں گاؤں خالی ہو جاتے تھے۔ کئی لوگ مرجاتے تھے اور کئی لوگ متاثر ہو جاتے تھے۔ اسی نشاندہی کرتے ہوئے۔ کہانی کے ہیرو کی زبانی پلیگ کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ وہ چوہوں سے نفرت کی وجہ بتاتا ہے کہ اس کے دادا، دو پھوپھیاں، ایک چچا اور چچا کا پورا خاندان پلیگ کی وجہ سے ختم ہو چکا ہے۔ اسی لیے وہ چوہوں سے سخت نفرت کرتا ہے۔

اس ناول میں بیانیہ ٹکنیک کے علاوہ مکالمہ نگاری سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یہ مکالمہ نگاری کافی دلچسپ ہے اور کہانی کو آگے بڑھانے اور قاری کو سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ مکالمہ دیکھئے:

---

1 کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ 4

’’ دیکھا، تو وہ آدمی جانا پہچانا لگا۔ شاید اسے اپنی کلاس میں دیکھا تھا۔

اسنے پوچھا، آپ؟

پانڈورنگ سانگویکر۔

میں سریش باپٹ، ہم ایک ہی کلاس کے ہیں۔

ہاں۔ بس یوں ہی چلا آیا۔ سوچا تعارف ہو جائے۔

ٹھیک ہی کیا۔ چائے پیو گے؟

پی لیں گے۔

آپ رہتے کہاں ہیں؟

بیل گاؤں۔ میرے پتا مجسٹریٹ ہیں،

تمہارے کتنے بھائی؟

ہم چھ بھائی۔

اور بہنیں؟

تین بہنیں۔ کون سی ذات ہے تمہاری؟

ذات پات میں نہیں پڑنا چاہئے۔

مجھے بھی ذات پات پر یقین نہیں۔ یوں ہی پوچھ لیا۔

جو کہا کرتے ہیں کہ میں ذات پات نہیں مانتا۔ دراصل وہ خود ایسا کریڈیٹ لینا چاہتے ہیں۔

یہ صحیح ہے۔

لیکن سریش بار بار میرے سر کی طرف دیکھ رہا تھا، آخر اس نے کہا، تمہاری شیشی ٹوٹ گئی

لگتی ہے؟ مجھے اپنی اس بات سے وہ عظیم محسوس ہوا۔

اور پھر ہماری دوستی ہو گئی۔ 1

1 کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ 26-25

کالج کے واقعات بھی درج ہیں۔ دوستیاں، لڑائیں اور پڑھائی سب کچھ بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس کی ڈائری لکھنے کی عادت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

''روز رات جمع خرچ لکھنے کی میری پرانی عادت تھی ہی۔ سوچا، اسے لکھتے رہنے کے بجائے ڈائری لکھنا کیا بُرا ہے۔ کم سے کم جمع خرچ لکھنے کی عادت تو چوٹ جائے گی۔ لیکن ڈائری بھی تو ہر روز لکھتے رہنا کیا ممکن ہوگا؟ پھر بھی اسے سال بھر میں نے سنبھال رکھا تھا''۔1

حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے۔ کہانی کے ہیرو کی نفسیات کو بیان کرنے کے لیے ڈائری کے متن کو جوں کا توں لکھا گیا ہے۔ کہیں اقوال زریں بھی ہیں اور عام باتیں بھی جیسے:

۵/جولائی

بہادروں کی قوت دور کی ہوتی ہے۔ (شتیشو جائتے شور۔)

اور ۱۵/جولائی کو ڈائری میں لکھا گیا ہے:

''ہر روز کون لکھتا رہے؟ ویسے دیکھا جائے تو سب واہیات۔'2

مجموعی طور پر 'کوسلا' ایک نوجوان کی خودنوشت ہے۔ اس کی نفسیات، اس کی تعلیم اور عملی زندگی کے درمیان کش مکش، گھریلو جدوجہد وغیرہ کے بارے میں اس ناول میں جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کہانی کا ہیروان سب سے جھوجھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جدیدت کی تحریک میں حقیقت نگاری پر زور دیا جاتا تھا۔ حقیقت نگاری جس میں کہانی پَن بھی ہو۔ مافوق الفطرت عناصر سے پاک کہانی ہو۔ جس میں ہیرو آسمانوں میں اُڑتا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ کبھی کبھی زمین پر ٹھوکریں بھی کھاتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک عام آدمی جو سڑکوں پر چلتا ہے جس دکھ اور سکھ سے زندگی میں گذرنا پڑتا ہے۔ اس پاس جادوئی چھڑی نہیں ہوتی ہے جسے گھما کر وہ ساری خواہشات کو پوری کر لیتا ہو بلکہ اپنے بازؤں کی طاقت سے ماحول اپنے لیے سازگار بنانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اس کی کوششیں اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے ہوتی ہیں۔ انتھک محنت اور جدوجہد اس ناول کی بھی خاصیت ہے۔

1۔ کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ 233

2 کوسلا، بھال چندر نیماڈے، مترجم: مشرف عالم ذوقی، صفحہ 234

مراٹھی ادب میں یہ ناول اہم مقام رکھتا ہے۔اس کا اردو میں ترجمہ یقیناً اردو ادب کے لیے باعثِ افتخار ہے۔اسی اس ناول کے ترجمہ کو ’’اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ‘‘ میں شامل کیا گیا ہے۔مراٹھی سے اردو میں تراجم کے تمام ناولوں کو شامل کرنے کے بجائے اس ناول کے ذریعے مراٹھی زبان کی نمائندگی کی گئی ہے۔

☆☆☆

Untouchable (novel)

Mulk Raj Anand

اچھوت۔ملک راج آنند

ترجمہ۔م م راجندر

آزادی سے قبل ذات پات اونچ نیچ بہت زیادہ پائی جاتی تھی۔اسی کی عکاسی ملک راج آنند نے اپنے ناول Untouchable میں کی ہے۔ یہ ناول آزادی سے قبل کے ذات بات کے نظام کی عکاسی کرتی ہے۔اس میں ایک بھنگی جسے مہتر بھی کہا جاتا ہے کی کہانی رقم کی گئی ہے۔ یہ اٹھارہ سالہ مزدور لڑکے باکھا کی کہانی ہے جو بھنگی کے زندگی سے بیزار ہے لیکن وہ محسوس کرلیتا ہے کہ وہ ہمیشہ بھنگی ہی رہے گا۔اس ناول کا پیش لفظ ملک راج آنند کے دوست اور مشہور ناول نگار ای ایم فوسٹر نے لکھا تھا۔انھوں نے اس ناول کی پیش لفظ میں کافی تعریف کی ہے۔

اس ناول میں انقلاب کی سمت اشارہ کیا گیا ہے۔

> ''وہ بے وقوف ہے، وہ دیوانہ ہے۔ایک ہی سانس میں وہ کہتا ہے کہ وہ چھوا چھوت کو ختم کرنا چاہتا ہے اور دوسرے میں وہ اپنے آپ کو قدامت پسند ہندو کہتا ہے۔ وہ ہمارے زمانے کی رفتار اور امنگوں کے خلاف ہے جن کا نام جمہوریت ہے۔ وہ تو عیسیٰ کی پیدائش سے بھی چار سو سال پہلے کی دنیا میں رہ رہا ہے جو سودیشی اور چرخے کی بات کرتا ہے۔ ہم بیسویں صدی میں رہتے ہیں نے رُوسو، ہابس، بینتھم اور جان اسٹورآرٹ مل کا مطالعہ کیا ہے اور میں......''[1]

1۔ اچھوت۔ملک راج آنند، ترجمہ م م راجندر، ناشر ساہتیہ اکیڈیمی، صفحہ نمبر 177)

آزادی کی تحریک میں جدوجہد کرنے والے مہاتما گاندھی کے بارے میں مذکورہ بالا اقتباس میں چھوا چھوت کو ختم کرنے کی سعی کو ناممکن قرار دیا جا رہا ہے۔

''باکھا نے مہاتما کی تقریر کے الفاظ یاد کیے۔ یہ سب باتیں اس کے ذہن میں صاف نمایاں تھیں۔ ایک ایک، چھوٹی سے چھوٹی، خاص طور پر اکا بھنگی کی کہانی اسے پھر آ گئی۔ مہاتما نے ایک برہمن کا ذکر کیا تھا جو ان کے آشرم میں بھنگی کا کام کرتا تھا''۔ کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ مجھے بھنگی کا کام کرتے رہنا چاہئے؟'' باکھا نے اپنے آپ سے پوچھا ''ہاں'' اسے یہ طاقتور جواب ملا ''ہاں'' باکھا نے کہا'' مجھے وہی کرتے رہنا چاہئے۔ جو گاندھی کہتے ہیں''۔ ''لیکن میں چھوڑ سکتا ہوں۔ کیا اس شاعر نے نہیں کہا تھا کہ ایک مشین تھی جو میرا کام کر سکتی ہے؟''۔ اس بات کا تصور ہی کہ وہ کبھی وہ کپڑے نہیں پن سکے گا جو صاحب لوگ پہنتے تھے اور وہ کبھی صاحب نہیں بن سکے گا، بڑا بھیانک تھا۔ ''مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اس نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔1

انگریزی متن کا انھوں نے سلیس ترجمہ کیا ہے۔ یہاں پر بھنگیوں کی بستی کی منظر نگاری کی گئی ہے:

The outcastes' colony was a group of mud-walled houses that clustered together in two rows, under the shadow both of the town and the cantonment, but outside their boundaries and separate form them. There lived the scavengers, the leather workers, the washer men, the barbers, the water-carriers, the glass-cutters and other outcastes from the Hindu society.2

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس میں شہر سے دور بستی میں رہنے والوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ مم راجندر نے اس طرح کیا ہے:

ذات سے خارج شودروں کی بستی مٹی کی دیواروں کے گھروں کا ایک مجموعہ تھی۔ یہ گھر

1 اچھوت۔ ملک راج آنند، ترجمہ مم راجندر، ناشر ساہتیہ اکیڈیمی، صفحہ نمبر 185

2 Untochable, Mulk Raj Anand ,Published:1947.Huchinson International Authors, Limited

ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دو قطاروں میں بنے ہوئے تھے۔ یہ کالونی شہر اور چھاؤنی کے زیر سایہ ہی تھی مگر ان کی حدود سے باہر اور ان سے الگ تھلگ۔ اس میں بھنگی، موچی، دھوبی، نائی، کہار، گھسیارے اور ہندو سماج کے دوسرے ذات سے باہر کیے ہوئے لوگ رہتے تھے۔'' 1

مذکورہ بالا اقتباس میں water-carriers کے لئے ''کہار'' استعمال کیا گیا ہے۔ ''کہار'' پہلے زمانے بہت سے کام کرتے تھے۔ پالکی اٹھانے، پانی لانے لیجانے وغیرہ کے کام اس میں شامل تھے۔

مختصر یہ کہ اس ناول میں بھنگیوں کے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک بھنگی کی داخلیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کے جذبات کو بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ناول کے تمام اجزاء میں نظر آتے ہیں۔ پلاٹ سادہ ہے۔ مکالمہ نگاری اور منظر نگاری کے علاوہ کردار نگاری میں بھی کمال پیدا کیا گیا ہے۔

1 اچھوت۔ ملک راج آنند، ترجمہ م م راجندر، ناشر ساہتیہ اکیڈیمی، صفحہ نمبر 11

Sense and Sensibility

Austen, Jane

شعور و احساس۔ جین آسٹن

مترجم: عبدالعلیم قدوائی

جین آسٹن کا ناول Sense and Sensibility کافی مشہور ہے۔ انگریزی ادب میں اپنی شناخت رکھتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ شعور و احساس کے نام سے عبدالعلیم قدوائی نے کیا گیا ہے جسے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے شائع کیا ہے۔

مصنفہ 1775 میں ہیمپشائر میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے ناول نگاری میں بہت نام کمایا۔ ناول ''شعور و احساس'' ڈیشوڈ گھرانہ کی ہے۔ یہ خاندان کے زندگی کے مختلف اتار چڑھاؤ کو اس کہانی میں دکھایا گیا ہے۔ اس کہانی میں جاگیر کے لئے خودغرضی بھی دکھائی گئی ہے اور مختلف پریشانیاں بھی اس کے بعد آخر میں کہانی ایک اچھے اختتام کو پہنچتی ہے اور ''انت بھلا تو سب بھلا'' کے مصداق یہ کہانی ختم ہوتی ہے۔ اس کے اہم کرداروں میں جان ڈیشوڈ، ایلیز، میرینا، مارگریٹ وغیرہ ہیں۔

جین آسٹن نے اپنے ناول میں ڈیشوڈ گھرانہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

> The family of Dashwood had long been settled in Sussex. Their estate was large, and their residence was at Norland Park, in the centre of their property, where, for many generations, they had lived in so respectable a manner as to engage the general good opinion of their surrounding acquaintance. The late owner of this estate was a single man, who lived to a very advanced age, and who for many years of his life, had a constant companion and housekeeper in his sister.

مذکورہ بالا اقتباس میں ڈیشوڈ خاندان کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت ناموں اور مقامات کو تبدیل نہیں کیا گیا ہے۔ عبدالعلیم قدوائی نے اس کا سلیس ترجمہ کیا ہے جو اس طرح ہے:

1 Sense and Sensibility , Austen, Jane Published: 1811, Ebook.Page3.

''ڈیشوڈ گھرانہ عرصہ دراز سے سسیکس میں بسا ہوا تھا۔ اس کے قبضہ میں وسیع جاگیر تھی جس کے وسط میں نارلینڈ پارک میں ان کا مکان واقع تھا۔ جہاں کئی پشتوں سے اس کے مکین ایسی عزت اور آرائش کی زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے جسے آس پاس کے شناسا لوگ بڑی عزت اور قدر کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس جاگیر کا آخری مالک ایک کنوارا تھا۔ جو لمبی عمر تک زندہ رہا۔ کئی سال اس کی رفاقت اور گھر بار کا انتظام اس کی بہن انجام دیتی رہی۔'' 1

مذکورہ بالا اقتباس میں single man، غیر شادی شدہ شخص کے بارے میں بتایا گیا ہے جو ایک جاگیر دار بھی ہے۔ اس کا ترجمہ عبدالعلیم قدوائی نے بڑا ہی سلیس کیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں جہاں بھی ضروری وہاں پر اس کہانی کو اردو والوں کے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر اصل کتاب کی خصوصیت کو اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

اس کہانی کا انجام خوشگوار ہوتا ہے۔ چناں چہ جین آسٹن لکھتی ہیں:

> Between Barton and Delaford, there was that constant communication which strong family affection would naturally dictate;— and among the merits and the happiness of Elinor and Marianne, let it not be ranked as the least considerable, that though sisters, and living almost within sight of each other, they could live without disagreement between themselves, or producing coolness between their husbands. 1

مذکورہ بالا انگریزی اقتباس میں اس کہانی کے خوبصورت اختتام کی عکاسی کی گئی ہے۔ جین آسٹن نے تمام کہانی کو آخری میں سمیٹ دیا ہے اور دونوں بہنوں کے درمیان محبت و اُخوت کو ظاہر کا کی ہے۔

عبدالعلیم قدوائی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

''بارٹن اور ڈیلافورڈ کے درمیان خاندانی محبت کے تعلقات مستقل ہو چکے تھے اور ایلیز اور میرنا کی محبت ان کو اور خوشگوار اور دیرپا بنا دیا تھا۔ یہ دونوں بہنیں ایک دوسرے پر فدا تھیں

1 جین آسٹن، شعور و احساس، ترجمہ: عبدالعلیم قدوائی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2006ء، ص 8.

2 Sense and Sensibility , Austen, Jane Published: 1811, Ebook.Page-333

اور ایک دوسرے کے اتنا قریب رہنے کے باوجود کبھی بھی ہلکی شکر رنجی نہ ہوئی اور نہ ان کے شوہروں کے تعلقات میں کسی قسم کی کمی آئی۔''1

جین آسٹن نے 50، ابواب پر مشتمل یہ ناول 335 صفحات پر مشتمل لکھا ہے۔ جس میں انھوں نے ایک خاندان کے اتار چڑھاؤ کو دکھایا ہے۔ عبدالعلیم قدوائی نے اس کتاب کا ترجمہ 309 صفحات میں کیا ہے۔ انھوں نے ابواب کو 13 میں تقسیم کر دیا ہے۔ ناول مکمل ہے لیکن انھوں نے بعض ابواب کو ملا کر ایک باب بنا دیا ہے۔

یہ ایک اہم ناول جو 1811ء میں شائع ہوا۔ دو صدیاں گذرنے کے باوجود اس ناول کو پسند کرنے والوں کی کمی نہیں ہوئی ہے۔ یہ ناول حقیقی زندگی سے کافی قریب ہے۔ اس میں مبالغہ آرائیاں اور مافوق الفطرت عناصر کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ زندگی سے جھوجھتی ہوئی زندگی کو بتایا گیا ہے۔ مختلف مصائب کے بعد آخر میں کامیابی ہی ہاتھ آتی ہے۔

☆☆☆

1 جین آسٹن، شعور و احساس، ترجمہ: عبدالعلیم قدوائی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2006ء، ص 309

دیگر زبانوں کے تراجم

اردو ادب میں ان زبانوں کے تراجم بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں جن سے ایک اکثریت واقف نہیں ہوتی اور جو انگریزی میں بھی دستیاب نہیں ہوتے۔ایسے افسانے اور ناول اردو میں بھی مقبول بھی ہوئے اور ان کی پذیرائی بھی ہوئی۔ایرانی کہانیاں، کشمیری کہانیاں، بنگالی کہانیاں، گجراتی کہانیاں، ڈوگری کہانیاں، آسامی کہانیاں ان میں اہم ہیں۔یہ کہانیاں اردو میں تخلیقیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ان میں مختلف زبانوں کی تہذیبیں ہوتی ہیں۔یہاں ان زبانوں کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا جارہا ہے لیکن ان کا صرف مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے۔

جدید ایرانی افسانے۔سعید نفیسی (ترجمہ حامد حسن قادری)

''جدید ایرانی افسانے'' ایرانی افسانوں کا مجموعہ ہے جسے حامد حسن قادری نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جس کی پہلی اشاعت 1944ء میں عمل میں آئی تھی۔2002ء میں اس کی دوسری اشاعت عمل میں آئی۔اس میں کل 19 افسانے شامل ہیں۔اردو میں ایرانی افسانوں کے تراجم کم ہی نظر آتے ہیں۔اس کتاب میں یہ بات نہیں درج کی گئی ہے کہ اردو میں فارسی سے جو افسانے ترجمہ کئے گئے ہیں وہ آیا راست فارسی سے لئے گئے ہیں یا پھر انگریزی کے معرفت ترجمہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے افسانے جدید موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں جیسے،1۔ اندھی محبت،2۔آدمی ہونا بہت دشوار ہے۔3۔فرنگی مآبی۔4۔کیمیائے ہستی۔5۔اذان مغرب۔6۔اپنا گھر۔7 کفش زریں۔8۔دم واپسی۔9۔عشق کی غلطی۔11۔اک چوٹ مول لائے۔ 12۔سیل انقلاب۔ 13۔عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ 14 فریبِ رنگ۔ 15۔ لقب۔16۔ الماری میں چوہا۔17۔پردۂ حقیقت نما۔18۔طوق لعنت۔19۔تفریح۔

''اندھی محبت'' عورت اور مرد میں کون بد بخت ہے اس کی خیال کی عکاسی کرتا ہے۔

''آدمی ہونا بہت دشوار ہے'' ایک ادیب کی کہانی ہے۔جس میں ادیب کے پاس کار نہ ہونے اور نئی کار خریدنے کی تگ ودو کو بیان کیا گیا ہے۔آدمی ہونے کو یہاں پر ایک کار خریدنے سے جوڑا گیا ہے۔مثال دیکھئے

''کیا ایسا شخص کبھی آدمی بن سکتا ہے؟ کبھی موٹر کار لے سکتا ہے؟

مرزا علی محمد! اگر ہم میں سے کوئی شخص آدمی بن سکتا ہے، اور موٹر کار خرید سکتا ہے تو وہ تم ہی

ہو'۔1

اس کہانی میں امیر آدمی کو آدمی سمجھنے پر طنز کیا گیا ہے جب کہ غریب بھی آدمی ہی ہے لیکن جس کے پاس کار ہے وہ کار میں بیٹھ کر آدمیوں کی طرح ہے اور جو پیدل چلتا ہے وہ آدمی نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔

'فرنگی مآبی' ایک وسیع موضوع پر لکھی گئی کہانی ہے۔ اس میں ایک طرف بندروں کے بارے میں بتایا گیا تو دوسری طرف تخلیق کائنات پر رقم طرازی کی گئی ہے۔ لیکن مقصد یہ ہے کہ جدید ماحول میں انسانیت کو زندہ رکھا جائے اور مادیت اور لالچ کی جگہ پر انسانیت اور آپسی بھائی چارے کو پروان چڑھایا جائے۔

''کیمیائے ہستی'' جدید افسانے کی عمدہ مثال ہے۔ ''خوش نصیبی کیا ہے؟'' اس موضوع پر افسانہ لکھنے کا مقابلہ ہوتا ہے۔ اس کہانی کا ہیرو محمد خدایار ہے۔ اس افسانے میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے خوش نصیبی کسی چیز کو حاصل کرنے میں نہیں بلکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کا مالک ہونا اور اس کو دولت ونعمت سمجھنے میں ہے۔

'اذان مغرب' میں ایک مغرب کی اذان کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس میں اذان سن کر علی قلی کی روح پرواز ہو جاتی ہے۔ زندگی کی حقیقت اس افسانہ میں بیان کی گئی ہے۔

'اپنا گھر' ایک بوڑھے نصر اللہ کی کہانی ہے جو 74 برس کا ہے۔ اسے ایک باغ کی رکھوالی کا کام ملتا ہے لیکن ملک پر دوسروں کی حکومت ہوتی ہے۔ باغ پر دوسروں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ نصر اللہ کافی پریشان ہو جاتا ہے اور پاگلوں کی طرح پھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک ضعیف العمر شخص کی نفسیات کو اس افسانے میں چابکدستی سے پیش کیا ہے۔

'کفش زریں' آقا محمد دادخواہ کی کہانی ہے جس میں ایک جوتے کے خریدنے کے واقعہ کے ذریعہ سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے انسان بعض دفعہ جو حرکت کرتا ہے اس پر اسے پشتاوا ہوتا ہے اور اسے وہ بھولنا چاہتا ہے۔ جسے وہ دوسروں کی کہانی بتا کر شائع کر دیتا ہے۔

'دم واپسی' یہ کہانی انسانوں کے دلوں سے ایک دوسرے کے لئے رحم کے ختم ہونے کو بیان کرتی ہے۔ آج ہر انسان کو

1 جدید ایرانی افسانے، سعید نفیسی، مترجم، حامد حسن قادری، نگارشات، میاں، چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور، ص 12

صرف اپنی پڑی ہے۔خودغرضی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔مریم نہایت غریب ہے اور اسے گرمی حاصل کرنے کے لئے لکڑی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیتا۔اس کا انجام ملاحظہ فرمائیں:

''چھ گھنٹے سے مریم ہر دروازے کو کھٹکھٹارہ تھی' آخر ایک دروازہ کھل گیا۔وہ شاید بہشت کا دروازہ تھا۔معلوم نہیں،اتنا معلوم ہے کہ آزادی ورہائی کا دروازہ تھا''۔1

چالیس دن سے سردی کو برداشت کرنے کے بعد آخر کار وہ مرجاتی ہے لیکن اس کے اطراف بسنے والے انسانوں کی انسانیت کو ذرا بھی ترس نہیں آتا۔

''سلائی پیچکیں،کنگے ربڑکے'' ایک پھیری والے کی کہانی ہے جو سلائی وغیرہ کی خدمات فراہم کرتا ہے۔ایک محنت کش طبقہ کی کہانی ہے۔جس میں محنت مزدوری کو اہمیت دی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ اس کتاب کی تمام کہانیاں جدید ایرانی تہذیب کی عکاسی کرتی ہیں۔ان کہانیوں میں محنت کش طبقہ اور غریبوں کو دکھا گیا ہے تو دوسری جانب لوگوں کی ذہنیت کی عکاسی کی گئی ہے۔نفسیاتی مریضوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اندازہ بھی اس کتاب کی کہانیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

کشمیری افسانے۔مرتبہ : محمد زمان آزردہ

''کشمیری افسانے'' کے اردو میں تراجم نیشنل بک ٹرسٹ کا ہندوستانی کتابوں کے سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔کتاب ''کشمیری افسانے'' میں 24 افسانے شامل ہیں۔ان افسانوں کو محمد زمان آزردہ نے ترتیب دیا ہے۔اس ترجمہ بشیر اختر نے کیا ہے۔''کشمیری افسانے'' کا پہلا اردو ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا۔

کتاب کا مقدمہ محمد زمان آزردہ نے ہی لکھا ہے۔مقدمہ کا عنوان ''کشمیری افسانے کا مختصر جائزہ ہے'' ہے۔جس میں انھوں نے کشمیری افسانوں کے آغاز وارتقاء کا جائزہ لیا ہے۔ چنانچہ محمد زمان آزردہ نے کشمیری افسانے کے آغاز کے بارے میں لکھا ہے:

''عالمی ادب میں افسانہ انیسویں صدی کے وسط میں ظہور پذیر ہوا اور بیسویں صدی

---

1 جدید ایرانی افسانے،سعید نفیسی،مترجم،حامد حسن قادری،نگارشات،میاں،چیمبرز،3ٹمپل روڈ،لاہور،ص53

کے اوائل میں پوری طرح منظر عام پر آ گیا ہے۔ دنیا کی دیگر اہم زبانوں کی طرح کشمیری زبان میں بھی داستان اور لوک کہانیوں کی روایت ازمنۂ قدیم ہی سے چلی آ رہی ہیں۔لیکن افسانہ لکھنے کا رواج بیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوا۔کشمیری میں افسانہ لکھنے کا آغاز 1950ء میں اشتراکی انقلاب کے زیر اثر، جب کشمیری میں کلچرل کانگریس نامی ادبی تنظیم وجود میں آئی۔اصل میں یہ صنف اردو زبان کے ادیبوں کی کوششوں کی مرہون منت ہے۔ یہ ادیب اس زمانے میں پورے برصغیر میں اشتراکی انقلاب کے حامی تھے۔ چنانچہ کلچرل کانگریس کی طرف سے بلائی گئی ایک ادبی نشست میں سوم ناتھ زتشی نے اپنا پہلا کشمیری افسانہ ''جب پَو پھٹی'' 25 ر فروری 1950ء کو پڑھا اور اسی کے آس پاس دینا ناتھ نادم کا افسانہ 'جوابی کارڈ'' لونگ پوش نامی رسالے میں شائع ہوا۔''1

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر میں بہت پہلے سے ادبی سرگرمیاں جاری تھیں۔ پہلے لوک گیت وغیرہ اور افسانوی ادب کی پُو پھٹ چکی تھی۔اب اس میں اضافہ ہو چکا ہے۔کسی ترقی یافتہ زبان کی طرح کشمیری زبان میں بھی بہت عمدہ فکشن تیار ہوا ہے۔

کتاب کے آخر میں کتاب میں شامل افسانوں کے قلم کاروں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں اختر محی الدین کا افسانہ ''ہُو کا عالم'' سب سے پہلے شامل کیا گیا ہے۔ وہ 1928ء میں سری نگر کے محلّہ بٹہ مالنا میں پیدا ہوئے۔انھوں نے افسانوں کے علاوہ ناول بھی لکھے ہیں۔ان کا انتقال 2001ء میں ہوا۔'ہُو کا عالم' افسانہ میں تمثیلی انداز میں ایک چوزہ کی موت کو دیکھا گیا ہے۔افسانہ کا آغاز ایک مکالمہ سے ہوتا ہے:

''ہے۔چوزہ مر گیا ہے!! یہ وہ بولا۔

''مرتو گیا ہے۔ پر بات کیا بنی؟'' یہ میں نے خیال کیا،لیکن کیا کچھ بھی نہیں۔

''سُن لیا تم نے'' وہ پھر ایک بار چلا اٹھا۔''چوزہ مر گیا ہے''۔

اب تو میں ایک نظر اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا تھا۔خاصا بھلا آدمی تھا، اچھے کپڑے

1 کشمیری افسانے، مرتبہ محمد زمان آزردہ، اردو ترجمہ بشیر اختر، ناشر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا ص1

زیب تن کئے۔اس کے سراپا کو دیکھ کر مجھے اس کے اندر دیوانگی کے کوئی بھی آثار نظر نہ آئے۔ البتہ اس کے بکھرے بال، حلقوں سے باہر آتی اس کی سرخ آنکھیں، دائیں ہاتھ میں کالے رنگ کا مرا ہوا چوزہ اٹھائے وہ کبھی مجھے گھورنے لگتا تھا اور کبھی چوزے کو دیکھتا تھا۔ میں تو کچھ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔ چوزے مرتے ہیں۔ کہیں انھیں چیل اٹھا کر لے جاتی ہے اور کہیں کتے کھا جاتے ہیں۔ کبھی یہ ناحق کی موت مرتے ہیں اور کہیں انھیں گھر کے مالک اپنے ہی پاؤں تلے روند کر مار دیتے ہیں۔ مرتے تو ہیں۔ پھر کون سی بڑی بات ہے۔ اور جو چیز یہ صاحب اپنے ہاتھ میں لئے اس قدر پریشان لگ رہے تھے۔ ہرگز ایسی نہ تھی کہ جس کی موت کو لے کر اچھا خاصہ آدمی اول فول بکنا شروع کر دیتا۔ کروئیں جیسے ملائم کالے کالے بال دونوں بازوؤں کے اردگرد قدرے موٹے لیکن بہت چھوٹے اور لمبی پتلی ٹانگیں۔ اس کی کمر پر ایک طرح کی سفید کھرنڈ سی جم گئی تھی جو مجھے غلیظ سی شئے لگی۔ پھر بھی کچھ اپنا اشتیاق تھا اور کچھ اس کی دل جوئی مقصود تھی کہ مین بول اٹھا۔

''اچھی نسل کا چوزہ ہوگا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟''1

اس کہانی میں چوہے کے مرنے کے مختلف مراحل کا ذکر تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ مکالمہ کے انداز میں بتایا گیا ہے کہ اس چوزے کو دیگر بڑی مرغیوں نے کس بے دردی سے مارا ہے۔ یہ چوزہ تڑپ تڑپ کا اپنی جان دے دیتا ہے۔ مرنے سے پہلے وہ مختلف آوازیں نکالتا ہے۔ کوئی اسے بچالے لیکن اسے کوئی بھی بچا نہیں سکتے۔ افسانہ کے آخر میں چوزہ مر جاتا ہے۔

دوسرا افسانہ ''پت جھڑ کی آندھیاں' ہے۔ یہ افسانہ امین کامل کا ہے۔ امین کامل 1924ء کو ضلع شوپیاں کے ایک گاؤں کاپرن میں پیدا ہوئے۔ وہ افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ شاعر اور محقق اور ناول نگار بھی ہیں۔ شعری مجموعہ 'پدس پوز ہاے' پر انھیں ساہتیہ اکادمی کا انعام بھی حاصل ہوا۔ 'پت جھڑ کی آندھیاں' ظاہری طور پر ایک ضعیف العمر شخص کی کہانی ہے نہایت باتونی ہے لیکن اس میں کئی جدید مسائل کا احاطہ بھی کی گیا ہے۔ اپنی زندگی بھر کے قصے سناتے پھرتے ہیں۔ کہانی کے مرکزی کردار عظیم بب ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنی باتوں سے بے زار کرتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ لوگ عظیم بب کے بارے میں باتیں کرتے ہیں کہ وہ اسے سن لیتے ہیں۔ اس کی بہترین منظر نگاری پیش کی گئی ہے۔

1 کشمیری افسانے، مرتبہ محمد زمان آزردہ، اردو ترجمہ بشیر اختر، ناشر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، ص3

اس میں کہانی کا اصل واقعہ رونما ہوتا ہے۔ ایک ضعیف العمر شخص جو خود کو ذہین ترین شخص تصور کرتا ہے اور وہ یہ سوچتا ہے کہ اس کی باتیں سب غور سے سنتے ہیں اس کی باتیں دلچسپی سے خالی نہیں ہوتی۔ اس نے لمبی عمر کے ساتھ ساتھ بہت سے تجربات حاصل کئے ہیں۔ اس نے ایک تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ حقائق اور تاریخ لوگوں کو دیکھا تا ہے۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ لوگ اس کی بات کو غور سے سن بھی رہے ہیں یا نہیں۔ اس کی باتوں میں لوگوں کو دلچسپی ہے بھی یا نہیں۔ آج معاشرے میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس طرح کے زعم میں گرفتار ہیں کہ ان کی باتیں لوگوں کو بور نہیں کرتی۔ مصنف نے ایسی ہے لوگوں پر چوٹ کی ہے۔ آخر میں جب حادثاتی طور پر وہ ان کی باتیں سنتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی باتیں لوگوں کی نظر میں صرف بکواس ہی تو اسے کافی تکلیف ہوتی ہے اور وہ خاموش چلا جاتا ہے۔

'جب پردہ اٹھ گیا' تیسرا افسانہ ہے۔ اوتار کرشن رہبر نے اسے لکھا ہے۔ 1932 میں زر پرستان سری نگر میں پیدا ہوئے۔ کشمیری افسانہ نگار، ڈرامانہ نگار ہیں۔ انھیں ''ٹرادیچ تواریخ'' ادبی تخلیق پر کلچرل اکادمی کے انعام سے نوازا گیا۔ ان کے کئی ڈرامے اسٹیج ہو چکے ہیں۔ ''افسانہ جب پردہ اُٹھ گیا'' ایک اسٹیج کے واقعہ کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ سادہ اسلوب اور برجستہ چھوٹے چھوٹے مکالموں سے یہ دلکش افسانہ تحریر کیا گیا ہے۔ اس افسانہ میں منظر نگاری اور مکالمہ نگاری کے علاوہ کردار نگاری کے بھی نمونے نظر آتے ہیں۔

'دھوپ چھاؤں' بشیر اختر کا افسانہ ہے۔ وہ 1944ء میں گاؤ کدل سری نگر میں پیدا ہوئے۔ ان کا افسانہ کشمیری روایات، کردار اور واقعات کے ارد گرد سفر کرتا نظر آتا ہے۔ اس کتاب کے افسانوں کے تراجم بھی انھوں نے کئے ہیں۔ ''دھوپ چھاؤں'' علامتی افسانہ ہے۔ اس میں مرغ کی بانگ اور گاؤں پر بلاؤں کے نزول کی شکل میں کشمیر کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ مرغ کی بانگ سب کو پسند ہے اور پہلے امن وامان میں اس کی بانگ سب سنتے تھے لیکن اب یہ مرغ بانگ دینے کے قابل ہی نہیں رہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''پھر یوں ہوا کہ جنگل سے اتر کر بستی کی طرف آئی۔ اس کے بستی میں گھستے ہی گلیوں سے دھول اڑنے لگی۔ دھول کی بناء پر لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں جالے بننے لگے۔ آندھی پہاڑوں کی چوٹیوں سے ٹکرائی اور وہاں سے بڑے بڑے پتھر لڑھکا دئے۔ لڑھک کر پتھروں کا سرمہ بن گیا۔ سرمہ دھول کے ساتھ اڑا اور پنجرے کے

اندر پڑی ناند میں گرا۔ ناند میں گر کر وہ بھوسے کے ساتھ مل گیا۔ یہ سرما اناج کے دانوں کے ساتھ مرغ نے چگ لیا۔ سرمہ چگنے سے اس کا گلا بیٹھ گیا۔

وہ دن ہے اور آج کا دن، مرغ اب بانگ نہیں دیتا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں کہ کبھی وہ بانگ بھی دے سکتا تھا۔

سب سے عجیب بات ہے کہ بانگ سننا بھی کسی کو بھی پسند نہیں۔''1

مذکورہ بالا اقتباس سے بشیر اختر کے علامتی اسلوب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے علامتی انداز میں اپنی بات کہی ہے۔ جدید افسانوں میں ان کی افسانے اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔

''گرداب'' بنسی مزدوش کا افسانہ ہے۔ وہ 1931ء میں محلّہ گنپت پار سری نگر میں پیدا ہوئے اور 2001ء میں انتقال ہوا۔ بال مرایو، ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جس پر انہیں ریاستی کلچرل اکادمی کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ جملہ 4 افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک ناول بھی شائع ہو چکا ہے۔ بنسی مزدوش کا افسانہ ایک طوفانی بارش کی منظر نگاری سے شروع ہوتا ہے اور جدید مسائل کی عکاسی کرتا ہوا اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ بنسی نے اپنے انفرادی اسلوب کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہانی ترتیب دی ہے۔

''بوباصاحبہ کی صوبہ داری'' تاج بیگم رینزو کا افسانہ ہے۔ وہ 1931ء میں سری نگر میں پیدا ہوئیں۔ وہ کشمیر کی پہلی خاتون افسانہ نگار ہے۔ ان کے افسانوی مجموعہ کا نام ''الاؤ'' ہے۔ خاتون ہونے کے ناطے خواتین کی نفسیات خوب سمجھتی ہیں۔ اس افسانہ کا مرکزی کردار بھی خاتون ہی ہے۔ یہ ایک مختصر افسانہ ہے جس میں بوباصاحبہ کے کردار کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

''رادھے کاک کی بلی'' دیپک کول کا افسانہ ہے۔ دیپک کول 1932ء میں مہاراج گنج سری نگر میں پیدا ہوئے۔ اصل نام موتی لال کول ہے۔ جیسا کہ اس افسانہ کا عنوان ہے ایک بلی کو اس کہانی موضوع بنایا گیا ہے۔ علامتی انداز میں مختلف واقعات گنواتے ہوئے کہانی کا اختتام ہوتا ہے۔ آخر میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چور گھس آیا ہوگا لیکن پتہ چلتا ہے کہ یہ تو ایک بلی ہے۔ سارے لوگ قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔

''جوابی کارڈ'' دینا ناتھ نادم کا افسانہ ہے۔ وہ شمبس یار سری نگر میں 1916ء میں پیدا ہوئے اور 1988ء میں انتقال

1 کشمیری افسانے، مرتبہ محمد زمان آزردہ، اردو ترجمہ بشیر اختر، ناشر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا ص 32

کر گئے۔ وہ شاعر اور افسانہ نگار ہیں۔ وہ اشتراکی ذہن کے مالک تھے۔ 1970ء میں انھیں سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ دیا گیا۔ ان کی کتاب 'شہلی کل' پر انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس افسانہ کا مرکزی کردار زونی دادی ہے۔

''کرفیو' رتن لال شانت کا افسانہ ہے۔ وہ 1938ء میں بڑی یار بالا سری نگری میں پیدا ہوئے۔ افسانوں اور ڈراموں کے علاوہ تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں۔ 'کرفیو' ایک طویل افسانہ ہے۔ کرفیو کے دوران ہونے والی صعوبتیں اس افسانہ کا موضوع ہے۔ عوام کو کھانے پینے کی تک تکلیف ہوتی ہے۔ لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے۔ کھانے کی پینے کی اشیاء نہیں ملتی یہاں تک کے دوائیں بھی مشکل سے ملتی ہیں۔

کرفیو کے دوران گھر میں پولیس والے مہمان بن کر آتے ہیں۔ جہاں کھانے پینے کے لالے پڑتے ہیں وہاں چائے سے مہمان نوازی کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ جب کیپٹن شیاما چرن کی آواز سنتا ہے تو سوم ناتھ پریشان ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں ''پنڈت جی کہاں ہیں ماتا جی؟ خوب گرم گرم کلچہ لایا ہوں ابھی۔ ذرا ہم بھی لیتے سواد کشمیری کلچے کا۔ چائے کالی پلائیے گا؟'' چوں کہ سوم ناتھ کے پاس پیسے نہیں تھے اور گھر میں کچھ نہیں تھا اس لیے وہ کچھ بہانہ کر کے چلا جاتا ہے۔

''مغالطہ'' رسول پونپر کا افسانہ ہے۔ 1939ء میں جن پوری بجبہاڑہ میں پیدا ہوئے۔ شاعر کے علاوہ مترجم بھی ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی کے مشہور ناول ایک چادر میلی سی کا کشمیری میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ ساہتیہ اکادمی کا شاعری میں ایوارڈ حاصل ہو چکا ہے۔ مغالطہ ایک چھوٹا سا افسانہ ہے۔ زوردار بارش میں بس میں بیٹھے ایک شخص کے ذریعہ بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ تھوڑی دیر کا ساتھ کبھی کبھی صدیوں کا ساتھ لگتا ہے یہی اس افسانہ میں دکھایا گیا ہے۔

''جب پَو پھٹی'' سوم ناتھ زتشی کا لکھا ہوا افسانہ ہے۔ وہ محلّہ رگوناتھ مندر سری نگر میں 1923 میں پیدا ہوئے۔ کشمیری زبان کے پہلے افسانے پپلہ پھول گاش کے مصنف ہیں۔ افسانے کے علاوہ ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ ستمبر 1996ء میں انتقال کر گئے۔ کشمیر کے مختلف مسائل کو اس افسانہ میں اجاگر کیا گیا ہے۔ مسلسل برف باری کی وجہ سے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ بیماروں کے مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ تجارت اور دیگر مسائل بھی اس افسانے میں نظر آتے ہیں۔ سادہ اسلوب کے ذریعہ منظر نگاری پیش کی گئی ہے۔

''کتے کی دُم' شمس الدین شمیم کا افسانہ ہے۔ 1949ء میں کرالہ کھوڈ سری نگر میں پیدا ہوئے۔ اردو میں ایک افسانوی مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔ ''کتے کی دم' افسانہ میں علامتی انداز میں ندی کی تجسیم کی گئی ہے۔ بیانیہ انداز میں لکھے گئے اس افسانہ میں

مرکزی کردار ندی سے بات کرتا ہے۔آخر میں ندی خشک ہو جاتی ہے اور اس کے دوست بھی غائب ہو جاتے ہیں۔

''ڈھیٹ'' شیام لال سادھو کا افسانہ ہے۔وہ محلّہ پورہ سری نگر میں 1917 کو پیدا ہوئے۔انگریزی کے استاد تھے۔ انگریزی میں لکھی گئی کئی کتابوں کے کشمیری میں ترجمے کر چکے ہیں۔''ڈھیٹ'' افسانہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کرداروں پر مشتمل افسانہ ہے۔اس افسانہ میں سب کو ساتھ مل کر رہتا ہوا دیکھا گیا ہے۔اس افسانہ کا زماں و مکاں آزادی سے پہلے کا ہے۔

''کوئلہ چور'' صوفی غلام محمد کا افسانہ ہے۔وہ 1930ء میں بچھوارہ سری نگر میں پیدا ہوئے۔کشمیری زمانے میں دو افسانوں مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔اس افسانہ کے مرکزی کردار غنی، عبدل اور محمد ہیں۔یہ افسانہ ایک دکان پر کام کرنے والوں کا ہے جہاں پر مختلف کام کرنے کے بعد کسی وجہ سے چوری کا الزام لگا محمد کو کام سے نکال دیا جاتا ہے۔غنی اور عبدل بے چین ہو جاتے ہیں اور انھیں محسوس ہو جاتا ہے کہ اسے چرب بیانی کی وجہ سے جھوٹا الزام لگا کر کام سے نکال دیا گیا ہے۔

''فریب'' عزیز ہارون کا افسانہ ہے۔1922ء میں بربر شاہ سری نگر میں پیدا ہوئے۔کشمیری زبان کے اولین نثر نگاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔کئی روسی افسانوں کا کشمیری میں ترجمہ کر چکے ہیں۔اس افسانہ میں بھی معاشی دشواریوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔متوسط طبقہ کے افراد اکثر بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا کرتے ہیں۔اس افسانہ میں ایک ایسے ہی خاندان کا ذکر کیا گیا ہے۔

''خلا'' علی محمد لون کا افسانہ ہے۔وہ 1927ء میں درگجن سری نگر میں پیدا ہوئے اور دسمبر 1987ء میں سڑک کے ایک حادثہ میں ان کا انتقال ہوا۔افسانے، ناول ڈرامے بھی لکھے۔گورکی کے مشہور ناول ''The Mother'' کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا جو کافی سراہا گیا۔جدید دور میں انسان ایک مشین بن رہا ہے۔جس کے جذبات اور احساسات مر رہے ہیں۔بعض لوگ بالکل جذبات سے خالی ہیں۔بھائی بھائی کا دشمن بن گیا ہے۔لوگ مادہ پرست ہو گئے ہیں۔اپنے عزیزوں کی لاشوں پر چڑھ کر زندگی میں آگے بڑھنے کا خواب دیکھتے ہیں۔کوئی بھائی اگر مر رہا ہے تو اس کی مدد کو کوئی آگے آنا پسند نہیں کرتا۔بادلِ ناخواستہ کبھی کسی کی مدد کر بھی لیں تو ناگواری سے کرتے ہیں۔اس افسانے میں زندگی کے خالی پن اور خلاء کو دکھایا گیا ہے۔

خالی پن اور خلاء کو پورا کرنے کے اس کہانی کا مرکزی کردار بے چین ہو جاتا ہے۔اسی بے چینی میں افسانہ کا اختتام ہو جاتا ہے۔آخری جملہ بھی یہی ہوتا ہے کہ ''ہائے میرا یہ وے کیوم، یہ خالی پن، کاش کسی طور پُر کیا جائے۔

''سنگِ مزار'' غلام رسول سنتوش کا افسانہ ہے۔وہ چنکرال محلّہ سری نگر میں 1929ء میں پیدا ہوئے۔نثر و نظم دونوں

میں طبع آزمائی کی ہے۔ 10 / مارچ 1997ء کو ان کا انتقال ہوا۔ بظاہر اس افسانہ موضوع قبر لگایا جانے والا ایک پتھر ہے لیکن اس میں نفسیاتی اور شعور کی رَو کے ذریعے سے مختلف واقعات بتائے گئے ہیں۔ جیسے اس افسانہ کے مرکزی کردار کا اپنی مری ہوئی بیوی سے ملنا وغیرہ۔ دیوار سے کبھی اس کی بیوی نکل کر آتی ہے۔ وہ اپنی بیوی کی قبر کے لیے کتبہ لکھانے آتا ہے بوڑھا سنگ تراش اس کی بیوی کا نام اور تاریخ وفات لکھنے کے بجائے آخر میں اپنا ہی نام اور تاریخ وفات لکھ دیتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اس کی جوان بیٹی گھر میں اکیلی رہ جاتا ہے۔

''زہر'' غلام نبی بابا کا افسانہ ہے۔ وہ 1927ء میں نوہٹہ سری نگر میں پیدا ہوئے۔ زہر افسانہ ایک لڑکی کی خودکشی کی کہانی ہے۔ اس میں موجودہ دور کے مختلف مسائل کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ پاکستان، ویت نام ہیروشیما ناگاساکی وغیرہ کی ہلاکتوں کا ذکر بھی اس افسانہ میں کیا گیا ہے۔ اس کہانی کے کردار نسرین کی لاش پر اس کی سہیلی فہمیدہ بین کرتی ہے اور کہتی ہے نسرین۔ میں تیری مہندی لگے ہاتھوں کی واری۔ اس سارے رشتہ دار آہ وزاری کرتے ہیں۔ تب ہی کوئی سرگوشی میں کہہ دیتا ہے کہ 'زہر' اور جسے سن کر کہہ کہانی کا مرکزی کردار ششدر رہ جاتا ہے۔

''پھسڈی'' غلام نبی شاکر کا افسانہ ہے۔ وہ 1923ء میں ہارون سری نگر میں پیدا ہوئے۔ ''پھسڈی'' سری نگر کے ایک ٹانگہ والے کی کہانی ہے۔ اس کہانی کے ذریعہ سے مختلف مسائل کی جانب نشاندہی کی گئی ہے۔ ٹانگہ والوں کے مسائل اور عام لوگوں کے مسائل بھی اس افسانہ میں نظر آتے ہیں۔

''کوہ قاف کی پری، جن اور ہیرو'' فاروق مسعودی کا افسانہ ہے۔ وہ 1950ء میں فتح کدل سری نگر میں پیدا ہوئے۔ افسانہ نگاری میں ان اپنا اسلوب ہے۔ کوہ قاف کی پری، جن اور ہیرو، کی کہانی بظاہر داستانوی اور مافوق الفطرت نظر آتی ہے لیکن اس کے علامتی اظہار کے ساتھ ساتھ مصنف جدید رجحان پر طنز کرتے ہیں۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ لوگ پہلے کس طرح کی کہانیاں سننا پسند کرتے تھے اور اب ان کی پسند کیا ہے۔ یوسف زلیخا، لیلیٰ مجنوں وغیرہ کی داستانوں کے بعد جج اور مجرم کی کہانی بتائی جاتی ہے اور آخر میں قتل وغارت گری سے ہوتے ہوئے کہانی صرف بے معنی قصہ پر ختم ہو جاتا ہے۔

''راز'' محمد زمان آزردہ کا افسانہ ہے۔ وہ 1945ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد بغرض تجارت عارضی طور پر مقیم تھے۔ اردو انگریزی کی کئی کتابوں کے کشمیری زبان میں تراجم بھی شائع کئے۔ یہ کہانی مختلف رنگ دکھاتی ہے۔ سئلہ جو اور جانو اس لیے پریشان ہیں کہ گل کی طبیعت خراب ہے۔ اس کے گرد یہ کہانی دوڑتی رہتی ہے۔

''پو پھٹتے ہی'' نور محمد روشن کا افسانہ ہے۔وہ خانپار سری نگر میں 1919ء میں پیدا ہوئے۔ شاعر اور نثر نگار ہیں۔'پو پھٹتے ہی' کشمیری کاریگروں کے مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ اس افسانہ میں کشمیر چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ اس افسانہ کا مرکزی کردار محنت کی اہمیت کو سمجھ جاتا ہے اور زندگی کی نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے۔

غاصب لوگوں کے خلاف کھڑے ہونے اور ایک نئی صبح کا استقبال کرنے کی سیکھ اس کہانی کے ذریعے دی گئی ہے۔

''دو آئینوں کے درمیان'' ہردے کول بھارتی کا افسانہ ہے۔وہ 1937 میں سوپور کشمیر میں پیدا ہوئے۔کشمیری زبان کے مشہور افسانہ نگار ہیں۔دو آئینوں کے درمیان ایک تمثیلی افسانہ ہے۔اس افسانہ مرکزی کردار بیانیہ انداز میں کہانی بیان کرتا ہے۔ وہ دو آئینوں کے درمیان رہتا ہے۔ یہ آئینے قد آدم ہوتے ہیں۔اسی درمیان اس کی نظر ایک مکڑی پر پڑتی ہے جو قلم کی نوک سے اپنے اطراف جال بنتی ہے۔ بار بار گرتی ہے اور پھر اُٹھ کر جال کا گھیرا پورا کرتی ہے۔جس طرح مکڑی اپنے اطراف گھیرا تنگ کرتی ہے اسی طرح مرکزی کردار کو لگتا ہے کہ اس کا وجود بھی دو آئینوں کے درمیان گھٹ کر رہ جاتا ہے۔اس کی مثال دیکھئے:

> ''......میرے جسم کی حرارت کی بناء پر پیچھے والے آئینے نے میرے لئے تھوڑی جگہ بنالی تھی اور میں اس میں بنالی تھی اور میں اس میں پیوست ہو گیا تھا۔ بالکل ہموار۔ پھر آئینے واپس اپنی اپنی جگہ پر آ گئے تھے اور جب سے اب تک یہ دونوں وہیں کھڑے ہیں۔ بالکل نہیں ملے ہیں......اور میری ذات اب ان ہی میں پیوست ہے اور مقید ہے۔
>
> مکڑی پھر ایک بار لٹکتی ہوئی قلم کی نوک تک آ گئی اور وہاں سے پھسل کر نیچے آ گئی اور یوں جال کا آخری تار مکمل ہوا۔''1

مذکورہ بالا اقتباس علامتی انداز میں مصنف اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے مکڑی کے واقعہ کا سہارا لیتے ہیں۔اس طرح بیانیہ انداز میں یہ افسانہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

''دھوپ'' ہری کرشن کول کا افسانہ ہے۔وہ 1924ء میں سری نگر میں پیدا ہوئے۔ان کے افسانے محاورے اور زبان کے لحاظ سے عام قاری کے لے بہت ہی مسحور کن ہیں حالانکہ موضوع کے اعتبار سے وہ ان کی ذہنی سطح سے قدرے اوپر ہیں۔ افسانوں کے مجموعے چھپ چکے ہیں۔انھیں ان کی کتاب، پتھ راز دانے، پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

---

1 کشمیری افسانے، مرتبہ محمد زمان آزردہ، اردو ترجمہ بشیر اختر، ناشر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا ص164

کشمیر سے نقل مکانی کرنے والوں کے مسائل اکثر ادب میں نظر آتے ہیں۔ یہ افسانہ بھی اسی مسئلہ کی عکاسی کرتا ہے۔ افسانہ کے آغاز میں ایک ہندو کردار پوشہ کُج کشمیر سے دلی آتی ہے۔ یہاں کی دھوپ اسے بھاتی ہے۔ اس دھوپ کے سارے بیانیہ انداز میں افسانہ آگے بڑھتا ہے۔ مختلف مسائل نظر آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ''کشمیری افسانے'' 24 نمائندہ کشمیری کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اردو ترجمہ بشیر اختر نے کیا ہے۔ اسے مرتب محمد زمان آزردہ نے کیا ہے۔ اردو میں افسانوی تراجم میں کشمیری افسانے بھی اہم ہیں۔ کشمیری زبان سے اردو میں کئے گئے تراجم کا مجموعہ کشمیری ادب اور تہذیب وتمدن کو سمجھنے میں یقیناً معاون ہوگا۔ ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں اس کشمیری ادب کی نمائندہ افسانوں کو شامل کیا گیا ہے۔ ان افسانوں میں کشمیری تہذیب وتمدن کی جھلک نظر آتی ہے۔

گجراتی کہانیوں کا ترجمہ مظہرالحق علوی

کتاب ''گجراتی کہانیوں کا ترجمہ'' ترجمہ مظہرالحق علوی نے کیا ہے اور اس کے ناشر آر کے پنچال کارگزار رجسٹرار اردو ساہتیہ اکاڈمی، گاندھی نگر گجرات ہے۔ طبع اول 1996ء میں شائع ہوئی۔

گجراتی مصنف لیانل کی کہانی ''گوالن'' پہلی کہانی ہے۔ یہ کہانی گاؤں کی گولن کی ہے۔ یہ گولن ہر روز صبح دودھ بیچنے آتی ہے۔ سندن نامی شخص اسے پسند کرتا ہے اور اس سے باتیں کرتا ہے۔ اسے پتہ چلتا ہے کہ گوالن شادی شدہ ہے۔ پھر ایک دن اس گوالن سے بات کرتے ہوئے سندن کی بیوی غصہ سے دیکھتی ہے اور گوالن ہنستی کہانی ختم ہوجاتی ہے۔ گجرات کے گاؤں کی خوبصورت منظرنگاری اس افسانہ میں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے:

> ''اس کے آنے کا وقت دیکھ کر ہی میں اپنے گھر کے دروازے کے باہر، چبوترے پر داتون کرنے بیٹھتا۔ وہ آتی، شرماتی، لجاتی، نظریں جھکا دیتی لیکن شہر کی جوان لڑکیوں کی طرح اس کی چال نہ بدلتی، کمر نہ لچکتی، بدن میں تھرتھری نہ پڑتی اور نہ ہی اس کے ہاتھ اپنے ہلنے کا انداز بدلتے اور ذرا بھی گھبرائے بغیر ذرا بھی اترائے بغیر حسب معمول اپنی مخصوص ہانک لگاتی، 'دودھ لے لو۔ اے۔ دو۔ اُو۔ اُو۔ دھ'' ۔''

گاؤں کی گوالن کی اس کہانی میں علاقائی جھلک کو شامل رکھا گیا ہے۔

1 گجراتی کہانیاں، ترجمہ مظہرالحق علوی، صفحہ 2

دوسری کہانی دھوم کیتو کی ہے جس کا عنوان ''دردرسیدہ'' ہے۔ دولت نامی شخص اوراس کی ماں کی ہے۔ پہاڑی علاقہ کے گاؤں کا ماحول اس کہانی میں پیش کیا گیا ہے۔ کہانی کے آخر میں دولت کی موت ہوجاتی ہے۔ اس کہانی میں روایتی انداز میں بیانیہ کی تکنیک سے کہانی لکھی گئی ہے۔ منظرنگاری اور مکالمہ نگاری کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔

تیسری کہانی ''بایاں ہاتھ'' جھویر چند میگھانی کی ہے۔ یہ کہانی ایک ریلوے گارڈ کی ہے۔ اس کی بیوی سے اس کا دوست دوستی ہوجاتی ہے۔ جب ریلوے گارڈ کو یہ پتہ چلتا ہے تو وہ اپنے دوست کے لکھے ہوئے سارے خطوط کو جلا دیتا ہے اور اسے ایک شیشی میں بند کرکے اس پر لکھ دیتا ہے ''بایاں ہاتھ''۔ اس کہانی میں ریلوے اسٹیشن کی عکاسی کے ساتھ زندگی سے جڑی بعض سچائیوں کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ دوستی اور دھوکہ بھی اس کہانی میں نظر آتا ہے۔

''کماؤپوت'' چونی لال کاپڑیا کی کہانی ہے۔ یہ کہانی ایک بیل کی ہے جو لکھوڑے نامی شخص کے لئے کماؤپوت تھا۔ رانا کا نطفہ بیچ کر وہ پیسے کماتا تھا۔ آخر میں ایک دن رانا پاگل ہوجاتا ہے اور اپنے مالک کو ہی مار دیتا ہے۔ گاؤں کے افراد اور جانوروں سے ان کے لگاؤ کو بھی اس کہانی میں دکھایا گیا ہے۔

''خون کا رشتہ'' ایشور پوٹیکر کی کہانی ہے۔ یہ کہانی ایک پاگل، گونگی لڑکی منگو اور اس کی ماں امرت کاکی کی ہے۔ امرت کاکی جب لوگ کہتے کہ منگو کو پاگل خانے میں چھوڑ آئے تو وہ جواب دیتی:

> ''اگر میں ماں ہوکر اس کی دیکھ بھال نہ کرسکوں تو دواخانے والوں کو کیا پڑی ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔ کون ہوتی ہے وہ ان کی؟ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے آدمی اپنی گائے 'پانجراپول' میں چھوڑ آئے''[1]

مذکورہ بالا اقتباس میں ایک ماں کی محبت کو پیش کیا گیا ہے۔ اپنی اولاد کے پاگل ہونے کے باوجود وہ اس سے بہت پیار کرتی ہے اور اسے چھوڑنا نہیں چاہتی۔ کہانی کا اختتام چونکانے والا ہے۔ وہ اپنی بچی سے جدا ہوکر نہایت پریشان ہوجاتی ہے اور اس پریشانی کے عالم میں پاگل ہوجاتی ہے۔

''چکی کا بھوت'' اوماشنکر جوشی کی کہانی ہے۔ امتھا نامی بڑھئی کی کہانی ہے۔ یہ بڑھئی اپنے اوزار کے ساتھ گاؤں میں سامان بنانے کے لئے نکلتا ہے۔ ایک گاؤں کے لوگ کافی دنوں سے ایک چکی کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ اسے بنا نہیں

---

1. گجراتی کہانیاں، ترجمہ مظہرالحق علوی، صفحہ 54

پاتے لیکن امتھا جو کام کا دھنی تھا نے اپنے ہنر سے اسے فوری چالو کر دیا۔ پھر کیا تھا لوگ امتھا سے کہنے لگے ''تم بہت بڑے بابا لگتے ہو،تم نے چکی کے بھوت کو بھگا دیا''۔سب لوگ اس کے معتقد ہوگئے۔دودن کے لئے آئے متھا نے دومہینے اس گاؤں میں بتا دیئے ۔مختلف پریشانیوں کو حل کرنے لگا۔لوگ اس سے دعائیں پڑھاواتے تھے۔عقیدت اور گاؤں والوں کے بھولے پن کو اس کہانی میں کئی مثالوں کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے۔کہانی کے آخر میں اس کہانی کے مرکزی کردار امتھا کو پہلے کی سی حالت میں پیش کیا گیا ہے۔

''ماجاویلا کی موت'' سندرم کی کہانی ہے۔ یہ ایک گاؤں کے آدمی کی کہانی ہے۔روایتی بوڑھے شخص کی کہانی ہے جو مرجاتا ہے اور لوگ اس کی موت پر ماتم کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو ڈانتے ہیں کہ ماتم نہ کرے بلکہ وہ تو ایک اچھی موت مرا ہے۔

''غلام دین گاڑی والا،گلا داس بروکر کی تحریر ہے۔ یہ گجراتی تانگے والے غلام دین کی کہانی ہے۔ غلام دین اپنی بیوی عائشہ کو طلاق دے چکا ہے اور یہ اپنی ساری کہانی تانگہ کے مسافروں کو سناتا ہوا سفر کرتا ہے اور آخر سفر ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ دلچسپ کہانی بھی ختم ہوجاتی ہے۔

''باپو کا کتا، پنالال پٹیل کی تحریر ہے۔ یہ باپو نامی شخص کی کہانی ہے جس کا کتا گم ہوجاتا ہے اور وہ اس کا بدلہ دوسرے کتوں کو مار کر لیتا ہے۔

''خلاص'' ڈاکٹر جینت کھتری کی تحریر ہے۔ پاگل ہوتے ہوئے ایک شخص کے جملے ''خلاص'' کو اس کہانی کا عنوان بنایا گیا ہے۔''برف اور آگ'' دوی رین کی تحریر ہے۔یہ ملکا بین نامی ایک عورت کی داستان ہے۔

'' کہتے ہیں جس کو عشق، سارتک بارڈٹ کی تحریر ہے۔شادی کے لئے باپ بیٹے کی لڑائی اس میں دکھائی گئی ہے۔

''گڈ نائٹ ڈیڈی'' چندرکانت بخشی کی تحریر ہے۔ یہ جدید کہانی ہے جس میں بے بی کو اپنے باپ کے ساتھ رہنے کے کورٹ تھوڑی سی مدت دیتا ہے جس دوران باپ اور بیٹے کی ملاقات ہوتی ہے اور کہانی کے اختتام پر بے بی واپس چلی جاتی ہے۔''سلاخوں کے پیچھے'' رادھے شیام شرما کی تحریر ہے۔ زچہ خانہ کی کہانی اس میں شامل ہے۔''دھونکی'' اشونی دیسائی کی تحریر ہے۔ دمہ کے مریض کی تکلیف اور اس کی موت کی عکاسی کی گئی ہے۔

دیگر کہانیوں میں ''شنامہاراج کی دوپہر، اوجشی پرمار ۔ ''سرتال اور موت'' گھنشیام جوشی ۔ وجاباپا کی

اولا دد ینکر جوشی ۔'روح کا سفر'ڈاکٹر پنا کن دوے ۔'جگر لخت لخت ، سریش جوشی ۔ سچ کہتا ہوں، محمد مانکڈ ۔ چھڑی، ڈاکٹر ہسو یا گنک ۔کی کہانیاں شامل ہیں۔

مجموعی طور پر سبھی کہانیاں اپنے اندر علاقائی ماحول اور انسانیت اور زندگی سے جڑی سچائیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

قیدی۔(ناول) دیش بندھوڈوگرانوتن
ڈوگری سے اردو ترجمہ: بلراج بخشی

ناول کے مصنف دیش بندھوڈوگرانوتن ڈوگری زبان کے ادیب ہیں۔ساہتیہ اکادمی ایوارڈ(1982) کے علاوہ انھیں کئی ایوارڈس مل چکے ہیں۔ان کے 14 ناولوں میں 9 ڈوگری زبان کے ناول شامل ہیں۔ان کے ناولوں کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔جیسے انگریزی، اردو اور ہندی وغیرہ۔

''قیدی'' آزادی سے قبل جموں وکشمیر میں خواتین پر ہونے والے مظالم کی ایک داستان ہے۔اس کے پیش لفظ میں جسے''دو لفظ'' کے عنوان سے مصنف نے لکھا ہے میں انھوں نے لکھا کہ یہ ان کی قید کے دوران لکھا گیا ناول ہے۔ جسے انھوں نے دو مہینوں میں لکھا ہے۔اس کے کردار روسی انقلابی ناولوں کے کرداروں سے کسی قدر ملتے ہیں۔چنانچہ مصنف نے لکھا ہے:

> ''دراصل قیدی کا معاشرتی ڈھانچہ 1830ء کے فرانس اور(بورژوا انقلاب سے پہلے) 1904ء کے روس جیسا ہی تھا کیوں کہ 49-1830 کا جموں وکشمیر 1830ء کے فرانس سے بھی پسماندہ اور سادہ لوح تھا،اس لیے بھاگاں اور ستی کے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے گو کہ گورکی کی''ماں'' اور وکٹر ہیوگی کی''فینتائین'' میں بغاوت ظاہر نہیں ہوتی اور اگر کہیں ہوئی بھی ہے تو کچھ قدرے ڈوگری زبان کے ماہرین کو''بھاگاں'' یا''ستی' کے کرداروں میں شاید کچھ مبالغہ آرائی لگے،لیکن بہت سی باتیں ایسی ہیں جنھیں حافظے سے محو کر پانا میرے بس میں نہیں۔''[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ قیدی کا معاشرتی ڈھانچہ نہایت بگڑا ہوا ہے اور ایک عورت پر بہت زیادہ مظالم ڈھائے جاتے ہیں جس کے سبب وہ باغی بن جاتی ہے اور ظلم کے خلاف نہ صرف آواز اٹھاتی ہے بلکہ ہاتھ بھی اٹھاتی ہے۔

---

1 قیدی۔دیش بندھوڈوگرانوتن۔ساہتیہ اکادمی،ص۔6-5

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کھوسلہ جو قیدیوں کے زندگیوں سے کھیلا کرتا تھا اس نے بھاگاں کی بھی عزت لوٹ لی تھی۔ لیکن انقلابی کردار بھاگاں اس ڈپٹی کا ہی جیل میں قتل کر دیتی ہے جس کی عکاسی اس طرح کی گئی ہے:

'اب آ بھی جاؤ......' وہ منمنایا۔

'بس......آئی......'

بھاگاں نے چارپائی کے پائے کے نیچے سے اینٹ نکال کر ہاتھ اوپر اٹھایا اور سانس روک کر پوری طاقت سے اس کے سر پر دے ماری۔ ڈپٹی کے منھ سے آواز تک نہ نکلی۔ اس نے جھٹ سے چاقو نکال کر اس کے پیٹ میں بار بار گھونپا لیکن وہ نہ تو ہلا اور نہ ہی تڑپا۔ تھوڑی دیر بعد بھاگاں رک کر ہانپنے لگی۔ دل اتنی تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا جیسے اچھل کر باہر آ جائے گا۔ وہ پسینے سے تر بہ تر ہو گئی تھی۔

مجھے کتنا تڑپایا تھا اس نے اور خود آرام سے جہنم رسید ہو گیا، بھاگاں نے سوچا اور ایک جانب رکھا ہوا دودھ کا مگ اٹھا کر پینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ معمول پر آ گئی۔ اس نے چابیوں کا گچھا اٹھایا، اپنی بیرک کا تالا کھولا اور اندر سے ہاتھ باہر نکال کر تالا کنڈے میں پھنسا کر اس میں چابی لگا دی۔ اندر سبھی خراٹے لے رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ کھرے کے پاس گئی۔ چاقو کو مٹی سے صاف کیا اور عورتوں کے سرہانے کے نیچے سرکا دیا۔'' 1

غرض یہ ناول جیل کے حالات بھی بیان کرتا ہے اور خواتین پر مظالم کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

ادیب جو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا یہ تجربات ان تجربات سے زیادہ اہم ہوتے ہیں جو وہ پڑھتا ہے۔ دیش بندھو ڈوگرا نوتن نے اپنی قید کے دوران بعض حادثوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انھوں نے ان حادثوں کو اپنے ناول میں استعمال کیا ہے۔

یہ ناول 12 حصوں پر مشتمل ہے۔ پہاڑ کا منظر ہے اور شام ہو رہی ہے۔ آسمان کی سرخی بھی بیان کی گئی ہے۔ ایک خوبصورت منظر آنکھوں کی جانب آ جاتا ہے۔ سورج کے غروب کے ساتھ ساتھ یہاں پھر بلا امتیاز مذہب دو قبیلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹ رہے ہیں۔ یہ منظر ہے بکروال یا گدی کا۔ بکروال بھیڑ بکریوں کی افزائش کرنے

1 قیدی۔ دیش بندھو ڈوگرا نوتن۔ ساہتیہ اکادمی، ص۔ 275-274

والا مسلم خانہ بدوش قبیلہ ہے جب کہ گدی بھیڑ بکریوں کی افزائش کرنے والا ہندو قبیلہ ہے۔اس طرح کے مناظر ناول میں جا بجا نظر آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دیگر زبانوں کے تراجم نے بھی اردو پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔جن کا یہاں صرف تذکرہ کیا گیا ہے۔ان کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے بلکہ ''اردو زبان'' میں ان کہانیوں کے اثرات کے پیش نظر انھیں اس مقالہ میں قائم کیا گیا ہے۔کیوں کہ اس مقالہ کا عنوان ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' ہے۔اس لئے صرف اردو میں لکھے گئے افسانوں کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ہندوستان اور دنیا بھر کی کئی زبانوں کے تراجم اردو میں ہو چکے ہیں۔ان سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں ہے۔چنانچہ یہاں صرف چند منتخب تخلیقات کا تذکرہ کیا گیا ہے اوران کے مباحث کو تنقیدی زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب پنجم

حاصل مطالعہ

حاصل مطالعہ

کسی بھی سندی تحقیق میں مقالہ کی تیاری اہم مرحلہ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے موضوع کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں شفیق اساتذہ نے مجھے افسانوں میں دلچسپی کی مناسبت سے ''افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' عنوان دیا۔ ظاہری طور پر یہ نہایت وسیع نظر آرہا ہے۔ افسانوی ادب میں داستان، ناول، ڈرامے، افسانے شامل ہیں۔ آزادی کے بعد سے حال تک سینکڑوں مترجم نے کئی زبانوں میں ہزارہا کتابوں کے تراجم کئے ہیں۔ ان سب کا جائزہ لینا یقیناً سمندر کو کوزے میں سمیٹنا کے مترادف ہے۔ نگران کار نے تمام کتابوں کی بجائے اہم، نوبل انعام یافتہ، ساہتیہ اکاڈیمی ایوارڈ یافتہ اور منتخب افسانوی ادب کا جائزہ لینے کی صلاح دی۔ صرف انگریزی (English) افسانوں اور ناولوں کے اردو میں تراجم کو ہی شامل کیا گیا ہے۔ دوسری زبانوں کے بھی صرف ان ہی تراجم کو شامل کیا گیا ہے جو English کی معرفت اردو میں شامل ہوئے ہیں۔ ''دیگر زبانوں کے تراجم'' کے عنوان سے مختصراً دیگر زبانوں کے افسانوی ادب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ان کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے بلکہ ''اردو میں افسانوی تراجم'' میں ان کی اہمیت کے پیش نظر صرف تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت

ادب کی دو مشہور شاخیں ہیں۔ افسانوی ادب اور دوسرا غیر افسانوی ادب۔ افسانوی ادب سے انسان کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ ابتداء میں مذہبی نوعیت کے قصے کہانیوں کے ذریعے سے اخلاقیات کا درس دیا جاتا تھا۔ آسمانی صحیفوں میں بھی عبرت و نصیحت کے لئے قصہ، کہانیوں کو شامل کیا گیا چنانچہ قرآن مجید جو سرچشمہ ہدایت ہے اس میں بھی قصص الانبیاء اور قصوں کے ذریعہ عبرت ونصیحت کا درس دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے بہت کچھ ہے اور عبرت کا سامان بھی ہے۔ تفریح افسانوی ادب کی دوسری خصوصیت ہے۔ انسان اپنی فکروں سے آزاد ہونے کے لئے اچھی اور عمدہ کہانیاں سن کو محظوظ ہونا چاہتا ہے۔ افسانہ بیانیہ کی ایک مقبول عام صنف ہے جب

کہ افسانوی تراجم بازبیانیہ کی بہترین مثال ہے۔ نئے نئے قصے سننے کی چاہت میں افسانوی تراجم کوفروغ ہوااوراس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔

افسانہ لکھنا جتنا آسان ہے اچھا افسانہ لکھنا اتنا ہی مشکل ہے۔اسی طرح ترجمہ کرنا اگر کسی مترجم کے لئے آسان ہو بھی تو اچھا ترجمہ کرنا مشکل ہے۔افسانہ سوسال سے قبل وجود میں آیا تھا۔ پریم چند اردو افسانے کے اولین مصنفین میں شامل ہیں۔ جنھوں نے حقیقت پسندی کو اپنے افسانوں میں سمویا اور دیگر زبانوں سے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے۔اس کے علاوہ بھی بہت سے افسانہ نگاروں نے مختلف زبانوں سے اردو میں افسانوی تراجم کئے۔

آزادی کے بعد بیرونی ممالک کی زبانوں سے اردو میں افسانوی تراجم بڑے پیمانے پر کئے گئے۔جن میں روسی، فرانسیسی، جرمن، چینی اورانگریزی اہم ہیں۔اس کے علاوہ مقامی زبانوں سے بھی بڑے پیمانے پر اردو میں افسانوی تراجم کئے گئے۔

ابواب کی تقسیم

پی ایچ ڈی کے لیے یہ موضوع کافی اہمیت کا حامل ہے۔جس طرح منزل پر پہنچنے کے لئے راستہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سندی تحقیق میں مقالہ تیار کرنے کے لئے خاکہ اورابواب کی مناسب تقسیم ضروری ہوتی ہے۔مقالہ کو 5 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اول (1): افسانوی ادب کی تعریف، تراجم کا آغاز وارتقاء

یہ پہلا باب ہے اس لیے اس مقالہ سے متعلق بنیادیں باتیں اس میں شامل کی گئی۔مقالہ کا پہلا باب مقالہ سے متعلق بنیادی باتوں کی عکاسی کرتا ہے۔موضوع کی مناسبت سے اس باب میں تراجم کے آغاز وارتقاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں ہر صنف ادب کو حسب ذیل تین ذیلی عنوانات کے تحت رقم کیا گیا ہے۔

(الف) افسانوی ادب کی تعریف

(ب) افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء

(ج) افسانوی تراجم کی تفصیل

باب اول عنوان کے تحت افسانوی ادب کی مختلف اصناف جیسے داستان، ناول، ڈراما اورافسانوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔افسانوں ادب کی تعریف کے بعد افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء رکھا گیا ہے۔اردو میں اس افسانوی ادب کا آغاز

کیسے ہوا اس پر بحث کی گئی۔ ہر صنف سخن کے آخر میں تراجم کی مختصر تفصیل بیان کی گئی ہے۔

باب دوم (2): افسانوی تراجم کی اہمیت

افسانوی ادب کی تعریف، اس کے آغاز وارتقاء کے بعد اس کی اہمیت پر دوسرا باب باندھا گیا ہے۔ اس باب میں افسانوی تراجم کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مختلف میدانوں میں جیسے ادبی۔ سماجی وثقافتی۔ تاریخی۔ سوانحی وغیرہ کو اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔

کسی بھی زبان کے ادب کو ہمیشہ دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کا عمل جاری رہنا چاہئے۔ دوسری زبانوں کی کہانیاں ادب میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ وہیں دوسری تہذیب، تمدن اور ثقافت سے واقفیت کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ تخلیق کی طرح ترجمہ کے ذریعہ سے ایک اچھا ادب سامنے آتا ہے۔ ترجمہ کی ادبی اہمیت ایسی ہے جیسے کسی انسان کو زندہ رہنے کے لئے پانی ضروری ہے۔ انسان کو نیا سیکھنے اور جاننے کی ہمیشہ سے ہی جستجو رہی ہے اسی جستجو نے اسے مختلف ممالک کا دورہ کرنے کے لئے اکسایا ہے۔ نئی نئی کہانیاں سیکھنے کے لئے اسے ترجمہ کا سہارا لینا پڑا۔

غرض اس باب میں ترجمہ کی ادبی، سماجی اور تاریخی وغیرہ میں اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب سوم (3): اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کی روایت

تیسرا باب افسانوی ادب کی روایت سے متعلق ہے۔ اس باب میں ترجمہ کی ہندوستان میں روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسے مزید دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف) اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم ہوئے

اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم کے شواہد ملتے ہیں ان پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی۔ بیرونی زبانوں میں فرانسیسی، انگریزی، روسی، جاپانی اور جرمن وغیرہ شامل ہیں۔

(ب) اہم ہندوستانی زبانیں جن سے اردو میں تراجم ہوئے

اس کے تحت علاقائی زبانیں آتی ہیں جیسے ہندی، مراٹھی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، کشمیری، تامل، ملیالم اور تلگو وغیرہ۔ ان زبانوں سے بھی اردو میں ترجمے ہوئے ہیں۔ ان تمام زبانوں کا مختصر لیکن اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔

باب چہارم (4): اُردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ

اس باب میں افسانوی ادب کے مشہور، نوبل انعام یافتہ، ساہتیہ اکاڈیمی انعام یافتہ، اور منتخب تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ اس کو مختلف اصناف کی زمانی ترتیب کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔ سب سے قدیم صنفِ سخن کو پہلے رکھا گیا ہے اس کے بعد دوسری اور ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے

(الف) داستان۔ داستانیں دیگر اصناف کے مقابلہ بہت کم ترجمہ ہوئی ہیں اس لئے اسے کم ہی شامل کیا گیا ہے۔

(ب) ڈرامے۔ مشہور ڈراما نویس شیکسپیئر کے ڈراموں کے اردو تراجم کا انتخاب اس میں شامل کیا گیا ہے جب کہ دیگر چند ڈراموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

(ج) افسانے۔ افسانے مقبول عام صنف ہے۔ یہ سب سے زیادہ ترجمہ ہوئے ہیں۔ صرف منتخب افسانوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(د) ناول۔ ادبی دنیا میں ناول نے تہلکہ مچا دیا۔ مشہور انعام یافتہ اور مقبول ترین ناولوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ اصل باب ہے۔ اس میں صفحات کی تعداد اور مواد دیگر ابواب کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ تکنیکی، متنی اور عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ کن افسانوں یا ناولوں نے سماج پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ ادبی اہمیت کا بھی جائزہ لیا گیا۔

باب پنجم (5): مجموعی جائزہ ہے۔

آخر میں کتابیات کو رکھا گیا ہے۔ جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست حروف تہجی کی ترتیب سے رکھی گئی ہے۔

تحقیق کا پہلا مرحلہ مواد کی فراہمی ہوتا ہے۔ مواد کی فراہمی میں شہر اور بیرون شہر کی لائبریریوں پر جا کر کتابوں کا مطالعہ کیا گیا۔ شہر حیدرآباد کی لائبریریوں ''سنٹرل لائبریری''، ''عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری''، ''سنٹرل یونیورسٹی لائبریری''، ''ادارہ ادبیات اردو''، ''سالار جنگ میوزیم لائبریری'' کا دورہ کیا گیا۔

لائبریریوں میں آزادی کے ترجمہ شدہ کتابیں نایاب تھیں۔ ترجمہ کی کتابیں کم ہی تھیں اور جو تھیں وہ قدیم تھیں۔ بعض لائبریریوں میں فہرستیں بھی موجود تھیں۔ قدیم کتابوں کی فہرست میں داستانیں، مثنویاں، وغیرہ شامل ہیں۔

سالار جنگ میوزیم کی مطبوعہ کتابوں کے شعبہ میں ترجمہ شدہ کتابوں کا مطالعہ کیا گیا۔ جہاں پر قدیم کتابیں ہی موجود تھیں۔ جن میں اہم حسب ذیل ہیں

1۔ باغ و بہار، قصہ چہار درویش، میر امن دہلوی، 1294ء

2۔ بوستان خیال۔ 9 جلدیں، مرزا محمد عسکر عرف چھوٹے آغا،

3۔طوطا کہانی۔سید حیدر بخش حیدری

4۔طلسم ہوش ربا۔منشی احمد حسین قمر

5۔کوہ قاف کی پری۔ جمال دوشیزہ۔محمد بدیع الدین

ایک نسخہ ''باغ و بہار'' مترجم میر امن دہلوی کا موجود ہے جسے ڈاکٹر محی الدین قادر زور، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) نے مرتب کیا جسے گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدر آباد نے شائع کیا ہے۔1

مذکورہ بالا کتابوں میں فارسی سے اردو میں ترجمہ کئے گئے کتابوں کے تراجم زیادہ ہے۔ مطبوعہ کتابوں کے سیکشن میں میر عباس علی نے کتابوں کی فہرستیں بھی فراہم کیں جن میں زیادہ تر تراجم قدیم ہی تھے۔انگریزی زبان سے کئے گئے تراجم یہاں زیادہ نظر نہیں آئے۔

مختلف ادیبوں اور افسانہ نگاروں سے راست اور فون پر ملاقات کرتے ہونے سے موضوع سے متعلق کتابیں اور مواد حاصل کیا گیا۔ جن میں خورشید اقبال (کولکتہ) سے رابطہ قائم کر کے ان کی آفریقی تراجم کے بارے میں بات کی گئی۔انھوں نے افریقی افسانوں کو جو انگریزی میں لکھے گئے کا ترجمہ کیا ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ مختلف ویب سائٹ پر موجود کتابوں کا مطالعہ کیا گیا۔ آزادی کے بعد افسانوی تراجم کا کام زیادہ تر پاکستان میں ہوا۔ ادارہ ''قومی مقتدرہ پاکستان'' نے اس جانب خاص توجہ کی۔ اردو چوں کہ پاکستان کی قومی زبان تھی اس لئے دیگر زبانوں کے تراجم اردو میں کئے گئے۔ ساتھ اردو پڑھنے والوں کی تعداد بھی کافی تھی اس لئے وہاں پر اردو تخلیقی ادب اور تراجم کا کام زیادہ ہوا۔ آزادی کے بعد خاص طور پر 1960 سے 2000ء تک اردو کے ماہنامہ رسائل کافی مقبول تھے۔ خلیجی ممالک میں جب برصغیر ہندو پاک سے لوگوں کام کی تلاش میں جانے لگے۔ وہاں پر کام کرنے کے بعد فرصت کے اوقات میں تفریح کا واحد ذریعہ یہ ضخیم اردو ڈائجسٹ ہوا کرتے تھے۔اسی حقیقت کی جانب مشہور ادیب وڈاکٹر عابد معز نے جو خلیج ممالک میں کافی رہ چکے

1 سالار جنگ میوزیم کی مطبوعہ کتابوں کی لائبریری، 31/اکتوبر 2016ء

ہیں اور وہاں رہ کر انھوں نے اردو کی خدمت کی ہے نے اپنے تجربات کی روشنی میں اس جانب نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ:

''خلیجی ممالک میں 80 کے دہے میں کافی تعداد میں ہندوستان اور پاکستان سے نوجوان گئے تھے۔ یہ نوجوان اردو سے واقف تھے۔ اس وقت فون اور انٹرنیٹ عام نہیں تھا۔ دل بہلانے کے لئے مختلف ضخیم ڈائجسٹ کا مطالعہ ہی واحد ذریعہ تھا۔ یہ میگزین ہندوستان پاکستان میں بڑی تعداد میں شائع ہوتے تھے۔ جن کی مانگ بہت زیادہ تھی۔ ہر ماہ لوگ ان کا بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔ ماہنامہ رسائل میں مختلف مواد کے ساتھ ترجمہ شدہ کہانیاں اور اور قسط وار ناول بھی شائع ہوا کرتے تھے۔''[1]

زیادہ تر ناول، افسانے وغیرہ 1970 کے بعد ہی ترجمہ ہوئے۔ زیادہ ڈائجسٹ انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ پاکستان کی ویب سائٹ پر بڑی تعداد میں ترجمہ شدہ ناول اور افسانے موجود ہیں۔ ان میں کئی مشہور اور نوبل انعام یافتہ ناول بھی ہیں۔ ان میں چند کا انتخاب کیا گیا ہے۔

مشہور ویب سائٹس سے استفادہ کیا گیا جن میں www.rekhta.org کافی مشہور ہے۔ یہاں پر ترجمہ شدہ کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ اس کے علاوہ متعدد ویب سائٹس موجود ہیں جہاں پر ای بکس موجود ہیں۔ ان ویب سائٹ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

داستانیں اردو کی قدیم صنف ہیں۔ ان کے تراجم آزادی سے پہلے پہل ہوئے ہیں۔ آزادی کے بعد ناول کا آغاز ہو گیا تھا۔ انگریزی ادب کے تراجم شروع ہو گئے تھے اس لئے لوگ حقیقت پسند ادب اور جدیدیت کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ داستانوں میں مافوق الفطرت عناصر ہوتے تھے۔ جدیدیت کے علمبرداروں نے ایسے ادب کی مخالفت کی اور اس کے بجائے حقیقت پسند ادب وجود میں آئے۔ حقیقت پسندانہ ناول اور افسانے لکھے گئے۔ زیادہ انگریزی ادیبوں نے روسی انقلاب سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ مزدوروں اور کمزوروں پر ناول اور افسانے لکھے گئے۔

روسی انقلاب کی جھلک روسی افسانوں اور ناولوں میں بڑے پیمانے پر نظر آتی ہے۔ سعادت حسن منٹو نے ''ویرا'' ڈرامے کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ڈراما روسی انقلاب اور مزدوروں کے حقوق کی عکاسی کرتا ہے۔

(شخصی انٹرویو، ڈاکٹر عابد معز، بمقام ارونا کالونی ٹولی چوکی حیدرآباد، اگست 2016)

ٹالسٹائی (پیدائش9 September1828، وفات20 November 1910) کی کہانیاں اپنے اندرکافی انقلابی کافی تاثر رکھتی ہے۔انھوں نے ناول ،ڈرامے اور افسانے لکھے ہیں۔ان کے ناولوں میں وارانیڈ پیس War and peace(1869)اورانا کیرانیناAnna Karenina(1877) کافی مشہور ہیں۔انھوں نے6ڈرامے لکھے ہیں۔

ناول جنگ اورامن لیوٹالسٹائی کامشہورناول ہے۔اس کا ترجمہ فیصل اعوان نے کیا ہے۔اس کے پبلشرفکشن ہاؤس لاہور ہے۔اس کی اشاعت2013 میں عمل میں آئی۔یہ طویل ناول کا ترجمہ ہے۔1171 صفحات پرمشتمل ہے۔انا کیرانینا، لیوٹالسٹائی کا شاہکار ناول ہے۔اس کا ایک ترجمہ تقی حیدر نے کیا2013ء میں اشاعت اس کے ناشر فکشن ہاؤس لاہور ہے۔

انٹون چیخوف Anton Pavlovich Chekhov کی پیدائش 29 جنوری1860 اورموت 15جولائی 1904 کو ہوئی۔چیخوف نے ڈرامے، ناول اور افسانے لکھے ہیں۔چیخوف کے کئی شاہکار افسانے ہیں۔ان میں ''خادمہ'' بھی شامل ہے۔چیخوف نے روسی خادمہ ''وارکا'' کی داستانِ غم بیان کی جوایک تیرہ سالہ لڑکی ہے۔

میکسم گورکی مارچ1868ء نے ناول ڈرامے اورافسانے لکھے ہیں۔

ڈراما میں شیکسپیئر کا نام نہایت اہم ہے۔انھوں نے شاہکار ڈرامے لکھے ہیں۔ان کے ڈراموں میں اخلاق کا درس بھی نظر آتا ہے۔اس ضمن میں ''ہیملٹ'' کی مثال دی جاسکتی ہے۔''ہیملٹ'' مشہور ڈراما ہے۔یہ ایک شہزادہ کی کہانی ہےجس کے باپ کوقتل کردیا جاتا ہے۔اس کی ماں اپنے شوہر کے بھائی سے شادی کر لیتی ہے۔ شہزادہ ہیملٹ کافی پریشان ہوجاتا ہے۔ اسے کئی غم زندگی میں ملتے ہیں۔باپ کی اچانک موت، ماں کا چچا سے جلد شادی کرلینا۔خود بادشاہ نہ بننا۔دنیا میں اسے ہرطرف بہت سے غم نظر آتے ہیں۔وہ چاہتا ہے کہ خودکشی کرلے۔لیکن وہ سوچتا ہے کہ انسان کوزندہ رہنا چاہئے یا مرجانا چاہئے۔ آخرکار وہ اپنے باپ کے قاتلوں کوسبق سکھانے کا طے کرلیتا ہے۔جب تک اسے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں یقین نہیں ہوجاتا کہ انھوں نے ہی قتل کیا ہے وہ اسے قتل نہیں کرتا۔اس طویل ڈرامے کے آخر میں وہ اپنے باپ کا انتقام لے لیتا ہے اور چچا کوقتل کردیتا ہے۔ادھراس کی ماں بھی خودکشی کرلیتی ہے۔لڑائی میں شہزادہ ہیملٹ بھی زہرآلود تلوار سے زخمی ہوجاتا ہے۔اپنے دوست کو بادشاہ بنا کرخوداس دنیا سے ہمیشہ کی دنیا میں منتقل ہوجاتا۔

ایک ڈراما''ویرا'' Vera کے نام سے آسکروائیلڈ Oscar Wilde نے لکھا ہے۔اس کا ترجمہ سعادت حسن منٹو نے کیا ہے۔انقلابِ روس کی جھلک اس ڈرامے میں نظر آتی ہے۔باقی بادشاہ کوقتل کرنے کے لئے آتے ہیں۔

ناولوں میں انیمل فارم(Animal Farm) سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے مصنف جارج آرویل (George Orwell) ہیں۔ 1917 کے روسی انقلاب کو تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جانور انسانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں۔ انیمل فارم کا مالک سے ایک دن وہ سب آزاد ہوجاتے اور سوروں کی حکومت ہوجاتی ہے۔لیکن آزادی کی جدوجہد کے دوران جو باتیں طے ہوتی ہیں اسے وہ فراموش کردیتے ہیں اور جس طرح انسان جانوروں کا استحصال کررہے تھے اسی طرح اب سور جانوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ان کا دودھ پیتے اور بستروں پر سوتے ہیں۔

افسانوں کے تراجم کا آغاز آزادی سے قبل ہو چکا تھا۔انگریزی سے اردو میں منشی پریم چند نے بھی تراجم کئے۔ابتداء میں سعادت حسن منٹو کا رجحان روسی ادب کی طرف انھوں نے روسی افسانوں کے تراجم کئے۔بعض ادیبوں نے چینی ادب سے بھی اردو ادب کو روشناس کرایا۔ابتداء میں تراجم کم ہی ہوئے لیکن اردو ڈائجسٹ کے دور میں بڑے پیانے پر اردو افسانوں کے تراجم ہوئے۔

انٹرنیٹ کی آمد کے بعد یہ تراجم آن لائن بھی دستیاب ہوئے۔فیس بک اور بعض ویب سائٹس پر بھی تراجم دستیاب ہوئے۔ یہ تراجم نوبل انعام یافتہ انگریزی و دیگر ادب کے مصنفین کی کہانیوں کے ہیں۔ایک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' کے نام سے فعال ہے جس نے انگریزی و دیگر زبانوں کے مشہور و معروف ناول اور افسانوں کے تراجم کئے ہیں۔ برقی کتابوں Ebooks کے علاوہ ان افسانوں کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا۔ دو جلدوں پر مشتمل افسانوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ افسانے مابعد جدیدیت کی عمدہ مثالیں ہیں۔انسان انسانیت سے عاری بنتا جارہا ہے اور جس طرح مشین کا مقصد صرف کام کرنا ہوتا ہے اس طرح انسان صرف نوٹ کمانے کی مشین بنتا جارہا ہے۔اس کے سینے میں جو کبھی دل ہوا کرتا تھا وہ اب نہیں رہا۔ بلکہ صرف خون سپلائی کرنے والی ایک مشین بن کر رہ گیا ہے۔لوگ زندہ انسانوں کو مرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ مرجاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ارے بے چارہ مر گیا بھوک سے۔کاش کوئی اسے کھانے کو دے دیتا۔اچھے کام کی شروعات ''کسی اور'' کے سپرد کردیتے ہیں اور خود کچھ کرنے کے لئے آگے نہیں آتے۔ روسی شاہکار افسانوں سے لے کر امریکی اور جرمن افسانوں میں غریب اور متوسط طبقے پر مظالم کی داستانیں نظر آتی ہیں۔

جرمن ادیب مصنف فرانز کافکا کا افسانہ 'بالٹی سوار'(The Bucket Rider) یہ ایک جدید افسانہ ہے۔ بے رحم سماج پر شدید تنقید کی گئی ہے۔شدید سردی ہے اور اس سردی میں آتش داں ہی واحد ذریعہ ہے گرمی حاصل کرنے کا ایسے میں کہانی کا ہیرو خود کلامی میں کہتا ہے کہ اب اس سردی سے بچنے کے لیے اس کے آتش داں میں کوئی گرمی نہیں ہے اور اس میں ڈالنے کے لیے

اس کے پاس کوئلہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی اسے خریدنے کے لیے پیسے ہیں۔ وہ دکاندار کے پاس جاتا ہے تاکہ کچھ کوئلہ ادھار مانگ لائے۔ اپنی مجبور کو دیکھتا ہے اور خالی بالٹی اٹھا کر وہ اس طرح چلتا ہے کہ وہ خالی اور ہلکی بالٹی میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ جب وہ مجبوری کے عالم میں کوئلہ والے سے کوئلہ ادھار مانگتا ہے تو کوئلہ والے کی بیوی کہتی ہے کہ سردی کی وجہ سے کوئی سڑک پر نہیں ہے اور ہمیں اب دکان بند کر دینا چاہیے۔ خراب کوئلہ اور تھوڑا کوئلہ بھی وہ ادھار دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے اور اس کڑاکے کی سردی میں وہ بالٹی لے کر واپس آتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سرد ہو جاتا ہے۔

اسی کی بازگشت ایرانی افسانہ ''دم واپسی'' میں نظر آتی ہے۔ اس افسانہ کو سعید نفیسی نے لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ حامد حسن قادری نے کیا ہے۔ 'دم واپسی' یہ کہانی انسانوں کے دلوں سے ایک دوسرے کے لئے رحم کے ختم ہونے کو بیان کرتی ہے۔ آج ہر انسان کو صرف اپنی پڑی ہے۔ خود غرضی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ مریم نہایت غریب ہے اور اسے گرمی حاصل کرنے کے لئے لکڑی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیتا۔ اس کا انجام ملاحظہ فرمائیں:

> ''چھ گھنٹے سے مریم ہر دروازے کو کھٹکھٹا رہی تھی' آخر ایک دروازہ کھل گیا۔ وہ شاید بہشت کا دروازہ تھا۔ معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ آزادی و رہائی کا دروازہ تھا''۔[1]

چالیس دن سے سردی کو برداشت کرنے کے بعد آخر کار وہ مر جاتی ہے لیکن اس کے اطراف بسنے والے انسانوں کی انسانیت کو ذرا بھی ترس نہیں آتا۔ کسی انسان کی جان کی قیمت بہت ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایک آدمی بھوک سے یا پھر سردی میں گرمی نہ ملنے سے مر جاتا ہے تو یہ ساری انسانیت کے لئے مایوس کن ہے۔

چینی تہذیب کی عکاسی کرتے ہوئے چینی کہانیوں کے مجموعہ ''چین کی بہترین کہانیاں'' کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ ظ انصاری نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ چینی قدیم افسانے راجہ مہاراجوں کے قصوں پر مشتمل تھے۔ اس کے بعد افسانوں میں وہاں کی تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔ زیادہ تر افسانوں میں کے متوسط اور غریب طبقہ کی مشکلات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ محنت اور ایمانداری کا درس بھی چینی کہانیوں میں نظر آتا ہے۔

روسی کہانیوں میں حقیقت نگاری اور انقلابیت نظر آتی ہے۔ میکسم گورکی کا نام اہم ہے۔ میکسم نے اپنی کہانیوں کے ذریعہ حقیقت نگاری کی مثالیں پیش کی ہیں۔ وہ نہ صرف مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ اس کا مناسب حل بھی بتاتے ہیں۔

1 جدید ایرانی افسانے، سعید نفیسی، مترجم، حامد حسن قادری، نگارشات، میاں، چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور، ص 53

''اسٹرائیک''، ''ماں'' اور ''انتقام'' ان کے شاندار افسانے ہیں۔

انگریزی ادب سے ایک کتاب ''عکس فرنگ'' ڈاکٹر فخر عالم اعظمی نے بھی ترجمہ کی ہے۔ اس میں عالمی ادب کے انگریزی سے اردو میں کہانیوں کے تراجم شامل ہیں۔ او ہنری (o henry) کا ''برگِ آخر'' (the last leaf) بھی شامل ہے جس میں زندگی کا مقابلہ کرنے کی تلقین نظر آتی ہے۔ زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی سے پیار کرنا سکھایا گیا ہے۔ یہ اس کہانی پر یوٹیوب پر تراجم اور اس کی کارٹون کے ذریعہ فلمبندی بھی کی گئی ہے۔ اس دلچسپ کہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک لڑکی کو سردی ہو جاتی ہے لیکن دوا اس پر زیادہ اثر نہیں کرتے کیونکہ وہ اندر سے کافی اداس ہوتی ہے اور وہ ہمت ہار جاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ سردی سے سامنے درخت کے سارے پتے جھڑ جائیں گے اس کے ساتھ ہی وہ بھی مر جائے گی۔ اپنی زندگی کو پتوں کی طرف منسوب کرنے کی احمقانہ حرکت ایک مصور کو بھی پریشان کرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ لڑکی زندہ رہے اور اس درخت کے ایک آخری پتہ کو وہ گرنے نہیں دینا چاہتا۔ وہ مصوری کا آخری شاہکار بناتا ہے۔ آخری پتے کی طرح ہوتا ہے۔ وہ جیسے گرتا ہے اس کی جگہ پر مصوری کے شاہکار پتے کو اس کی جگہ پر رکھا جاتا ہے۔ لڑکی جب دیکھتی ہے کہ آخری پتہ ابھی نہیں گرا تو وہ سمجھتی ہے کہ ابھی وہ نہیں مرنے والی ہے۔ پھر دھیرے دھیرے وہ روبہ صحت ہو جاتی ہے لیکن مصور سردی کے سبب مر جاتا ہے۔ ایثار و ہمدردی کا جذبہ اس میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

فرانسیسی افسانوں میں ''موپاساں کے افسانے'' کو اس مقالہ میں شامل کیا گیا ہے۔ موپاساں Guy de Maupassant کے افسانے حقیقت نگاری سے پُر ہوتے ہیں۔ آخر میں چونکانے والا تاثر بھی ہوتا ہے۔ افسانہ ''جہیز'' (The Dowry.) اس کی مثال ہے۔ ایک نوجوان خود کو اچھا ظاہر کرتا ہے۔ ساری اچھائی کو ظاہر کرنے کے بعد اپنے نو بیاہتا بیوی کو لے کر ہنی مون پر جاتا ہے جہاں پر وہ اپنی بیوی کو تن تنہا چھوڑ دیتا ہے ساری جائیداد اور سب کچھ لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

اردو ادب پر مغربی ادب کے اثرات ترجمہ کے ذریعہ سے مرتب ہوئے۔ اسی جانب توجہ دیتے ہوئے ڈاکٹر شہناز شاہین لکھتی ہیں:

> ''گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ اردو افسانہ نگاروں نے براہ راست یا مغرب کے شاہکاروں کے تراجم کے ذریعے مغربی افسانہ نگاروں کے فن و تکنیک کو اپنے فن میں اسیر کر کے اردو افسانے کو وسیع و عمیق اور لطیف پس منظر دیا۔ انھوں نے روسی، فرانسیسی

افسانہ نگاروں کی حقیقت پسندی وانسانی محبت کے جذبہ، جیمس جوائس و پراؤسٹ کی نفسیاتی کردارنگاری اور شعور کی رو کا نظریہ، ڈی ایچ لارنس کے جنسی جذبوں کی تسکین اور مادی نتیجوں کی مصوری، فرائڈ کی نفسیات، مارکس کا معاشی نظریہ کافکا کا علامتی وتجریدی انداز، سارتر وہمنگوئے کے فلسفہ وجودیت کو اردوافسانہ نگاری میں متعارف کرایا۔'' 1

مذکورہ بالا اقتباس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اردوادب پر انگریزی ادب کے اثرات رونما ہوئے ہیں۔ انھوں نے انگریزی ادیبوں کے نظریہ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ ان نظریات کا اردوادب میں استعمال ہونے لگا جو کہ پہلے نہیں کیا جاتا تھا اور صرف ترجمہ کے ذریعہ سے یہ متعارف ہوا اور اردوادب میں مستعمل ہونے لگا۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو ادب پر انگریزی ادب کے جو اثرات رونما ہوئے ہیں وہ ترجمہ کے ذریعہ ہوئے ہیں۔ انگریزی ادب میں نظریات، جدیدیت، حقیقت نگاری وغیرہ کو یہاں کے اردوادب میں خوب پذیرائی ملی۔ منشی پریم چند اور سعادت حسن منٹو کی یہاں پر مثال دی جاسکتی ہے جنھوں نے انگریزی ادب کا راست مطالعہ کیا۔ انگریزی ادب کے شاہکاروں کے ترجمے بھی کئے۔ جس کے اثرات شعوری و لاشعوری طور پر ان کے طبع زاد افسانوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ انگریزی کی معرفت انھوں نے روسی اور فرانسیسی ادب کے افکار و تکنیک کو بھی اپنایا۔

افریقہ سیاہ، محنت کش اور غریبوں افراد کے ممالک کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کے مختلف افسانہ نگاروں کے منتخب افسانوں کا انتخاب خورشید اقبال نے کیا ہے۔ روسی، چینی اور برطانوی وغیرہ کے افسانوں کے تراجم تو اکثر ہوتے ہی رہے ہیں اس لئے انھوں نے آفریقی ممالک کی کہانیوں کا انگریزی کے معرفت اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس مجموعہ کا نام ''اک شبِ آوارگی'' ہے ۔اس کے ناشر عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ہیں۔ یہ کتاب 304 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں کتاب کے تعلق سے عرض حال مصنف نے لکھا ہے۔ اسی حصہ میں حیدر قریشی، معید رشیدی اور فیاض احمد وجیہہ کے کتاب سے متعلق مضامین شامل ہیں۔ دوسرے حصہ میں 13 افسانوں کے تراجم شامل ہیں۔ یہ افسانے افریقہ کے ملک سے وابستہ ہیں اس کی تفصیل بھی فہرست میں درج ہے۔ آخری حصہ خصوصی مطالعہ کے زیر عنوان شامل کیا گیا ہے۔ اس میں افریقی ادب پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ عصری افریقی افسانوں کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اسی حصہ کے آخر میں اس کتاب میں شامل افسانہ نگاروں کا تعارف

1 ڈاکٹر شہناز شاہین، اردو افسانے پر مغربی ادب کے اثرات، ناشر تخلیق کار پبلشرز، سن اشاعت 1999ء، صفحہ 9

بھی پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب میں تصاویر بھی شامل کیے گئے ہیں۔

''سنہری کہانیاں''(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم) کا مجموعہ ہے جسے ترجمہ ابوالفرح ہمایوں نے کیا ہے۔ اس مجموعہ میں انگریزی، بنگلہ، پنجابی، ہندی، فارسی، ہندی، جرمن، چینی، ہسپانوی، ترکی، اطالوی اور فرنچ زبانوں کی کہانیوں کے اردو میں تراجم شامل کیے گئے ہیں۔

''ابوالفرح ہمایوں نے ایسے افسانوں کا انتخاب کیا ہے جو عام قارئین کے ذوق اور معیار پر پورے اتر سکیں۔مثال کے طور پر پہلی کہانی 'یادگار' ہے۔''A conversation with my brother'' کا ترجمہ جسے Flora James نے لکھا ہے۔ یہ کہانی ایک لڑکی ہے جو چاہتی ہے کہ شاعر بنوں لیکن اسے کیمسٹری پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔اس کی دلی خواہشات کو کچلا جاتا ہے۔کیمسٹری لیاب میں اس کی آنکھیں اس کے چھوٹے بھائی گلبرٹ کی وجہ سے چلی جاتی ہے جو کہ غلط طریقہ سے ٹیوب کو گرم کرر ہاتھا۔گلبرٹ کی وجہ سے اس کہانی کے مرکزی کردار کی ماں کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ کیمسٹری میں ایک ایسے درخت کے بارے میں جانتی ہے جس کا زہر بہت خطرناک ہے۔ وہ ہمیشہ اس درخت کے ساتھ رہتی ہے لیکن گلبرٹ جب اسے کٹوا دیتا ہے۔اپنے چھوٹے بھائی کی حرکتوں سے وہ بہت پریشان ہو جاتی ہے جو گھر کو فروخت کر دیتا ہے۔اس درخت کی تین شاخوں کو کباب بنانے کے لئے دیتی ہے۔دراصل یہ درخت کی شاخیں جن پر کباب بھنا جاتا ہے ایک قسم کا زہریلا اثر رکھتی ہے جو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بھی پتہ نہیں چلتا۔یعنی گلبرٹ کی بہن اپنے ظالم و جابر بھائی کا قتل کر دیتی ہے اور کسی کو اس کی بھنک بھی نہیں لگنے دیتی۔

سنہری کہانیاں واقعی سنہری ہیں۔ان میں پلاٹ، کردار نگاری، حقیقت نگاری، مکالمہ نگاری سب کچھ ہے۔ان کہانیوں میں قاری کی دلچسپی کے سامان بھی ہیں۔ساتھ کئی کہانیوں میں انھیں چونکا دینے والے نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔کہانی کے ختم ہونے کے بعد انسانی دماغ میں چلتی رہتی ہے۔

اردو میں افسانوی تراجم زیادہ تر ویب سائٹ پر پڑھے جاتے ہیں۔فیس بک پر بہت سے ادیبوں نے انگریزی و دیگر زبانوں سے افسانوں کے تراجم کر کے پوسٹ کیے ہیں۔کئی معیاری اور نوبل انعام یافتہ ادیبوں کی کہانیوں کو اردو کے ادیبوں نے ترجمہ کر کے اسے پیش کیا ہے۔اس طرح کا ایک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' کے عنوان سے دو جلدوں پر مشتمل کتابیں بھی شائع کر چکا ہے۔جس میں بہت ہی عمدہ کہانیاں ہیں۔

پہلی جلد میں حصہ اول اور دوم ہے جس میں کل 50 افسانے شامل ہیں۔ یہ افسانے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے۔ فرانس، روس، اٹلی، نائجیریا، امریکہ، چلی، آئرلینڈ، کینیڈا، ٹرینی ڈاڈ، ترکی، ہندوستان، ارجنٹائن، ایران، چیک ریپبلک، سویڈن، فرانس، کولمبیا، میکسیکو، مصر، افغانستان، سوڈان شامل ہے۔اس جلد کی تمام کہانیاں عصری تقاضوں کی عکاسی کرتی ہے۔ادیب اپنے اطراف ہونے والے واقعات سے متاثر ہوکر لکھتا ہے۔یہ بات یہاں صادق آتی ہے ۔روزمرہ کے موضوعات کو یہاں پیش کیا گیا ہے۔ بے گناہ، لاٹری، شاعر کی موت، تھکے ہوئے آدمی کی منزل، شکستہ شاخیں، قیدی کی وردی، خفیہ معاہدہ اور ریل گاڑی وغیرہ اسی جلد کی کہانیاں ہیں۔اس کتاب میں سعادت حسن منٹو کی ترجمہ شدہ ایک کہانی بھی شامل کی گئی ہے۔''چھبیس مزدور اور ایک دوشیزہ'' یہ روسی کہانی ہے جسے میکسم گورکی نے لکھا ہے۔ ہندوستانی ایک کہانی شامل ہے جسے خوشونت سنگھ نے لکھا ہے۔اس کا ترجمہ کرنے والے کا نام نہیں ہے۔ان کہانیوں کے English ناموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

''دیگر زبانوں کے تراجم'' کے تحت ہندوستانی زبانوں کے افسانوں کی اردو زبان میں تراجم بھی کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کثیر لسانی ملک ہے جہاں پر مختلف زبان و ادب کے لوگ آباد ہیں۔مختلف زبانوں کی تہذیبوں اور روایتوں کی کہانیاں ان کی زبان میں محفوظ ہے اسے دوسری زبان والوں تک پہنچانے کے لئے ترجمہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک مختلف زبانوں میں تراجم کئے گئے ہیں۔ان میں سے منتخب کہانیوں کو''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں شامل کیا گیا ہے۔''کشمیری افسانے'' کشمیری افسانوں کا مجموعہ ہے ۔ جسے محمد زمان آزردہ نے مرتب کیا ہے۔''کشمیری افسانے'' کے اردو میں تراجم نیشنل بک ٹرسٹ کا ہندوستانی کتابوں کے سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔کتاب''کشمیری افسانے'' میں 24 افسانے شامل ہیں۔اس ترجمہ بشیر اختر نے کیا ہے۔''کشمیری افسانے'' کا پہلا اردو ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا۔کشمیر میں پائی جانے والی بے چینی بھی ان افسانوں میں نظر آتی ہے۔ جنت نشان علاقہ اپنی خوبصورتی کے لئے دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے لیکن امن دشمن عناصر کے چلتے یہاں سیاحت وقتاً فوقتاً ختم ہوجاتی ہے اور عام زندگی مفلوج ہوجاتا ہے۔ اختر محی الدین کا افسانہ''ہو کا عالم'' بھی اسی طرح کا افسانہ ہے۔جس میں''چوزہ کی موت'' کے ذریعہ انسانوں پر مظالم کا تمثیلی خاکہ پیش کیا ہے۔ایک اور افسانہ''پت جھڑ کی آندھیاں'' جو امین کامل کا ہے اس میں بھی زندگی کی جدوجہد کو بیان کیا گیا ہے۔''کرفیو'' رتن لال شانت کا افسانہ ہے۔ کرفیو کے دوران ہونے والی صعوبتیں اس افسانہ کا موضوع ہے۔عوام کو کھانے پینے کی تک تکلیف ہوتی ہے۔لوگوں کے پاس پیسے

نہیں ہوتے۔ کھانے کی پینے کی اشیاء نہیں ملتی یہاں تک کے دوائیں بھی مشکل سے ملتی ہیں۔ نمائندہ کشمیری مصنفین کے منتخب افسانوں کے انتخاب کو'' اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں شامل کیا گیا ہے۔ ان افسانوں میں کشمیری کی خوبصورتی کے ساتھ اس کے پیچھے چھپا ہوا غم والم بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ مترجم چاہتے تھے کہ انسانی رابطوں اور یکجہتی اقوام کے کی حوصلہ افزائی ہو اس لئے انھوں نے ان ممالک کی کہانیوں کو جمع کیا اور ان کا ترجمہ کروا کر شائع بھی کروایا۔ یہ کہانیاں نمائندہ ادیبوں کی ہیں جن کو مختلف مترجمین نے ترجمہ کیا ہے۔ کہانیوں میں زماں ومکاں کی جھلک کے علاوہ عالمی مسائل بھی نظر آتے ہیں۔ ایرانی افسانوں میں 'جدید ایرانی افسانے'' سعید نفیسی کے شامل ہیں۔ اس کا ترجمہ حامد حسن خان نے کیا ہے۔ ان افسانوں میں مابعد جدیدیت نظر آتی ہے۔ کہانیوں کے ذریعہ اخلاقی تربیت کا کام بھی لیا گیا ہے۔ ماحول کو سدھارنے اور آس پاس کے لوگوں مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں اینمل فارم(Animal farm) مصنف George Orwell کا ترجمہ سید عرفان علی، ناول ڈرائیکولا(DRACULA) مصنف برام اسٹوکر (Bram Stoker)، ترجمہ : مظہرالحق ، فوما گردیو(Foma Gordeyev) مصنف میکسم گورکی (Maxime Gorky) ترجمہ: مخمور جالندھری، فرانز کافکا(Franz Kafka) کے افسانے ترجمہ نیرّ مسعود، آخری سلام (Goodby To Berlin) مصنف کرسٹوفر ایشورڈ(Christopher Isherwood) ترجمہ محمد حسن عسکری، ہینس اینڈرس (Hans Christian Andersen) کی کہانیاں مختلف مترجمین نے کی ہیں جو فیس بک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' پر شامل ہیں۔ جن میں'' جادوئی ڈبہ''(The Tinder Box ,) شامل ہے۔ ماں (The Mother)، مصنف میکسم گورکی (Maxim Gorky) مترجم کا نام نہیں ہے اسے ماسکو سے شائع کیا گیا ہے۔ ویرا(Vera) مصنف آسکر وائیلڈ (Oscar Wilde)، آفریقی مصنفین میں بی ایل ہانوانا(B.L. Honwana) کی کہانی، پاپا میں اور سانپ(Papa, Snake & I)، کے علاوہ دیگر آفریقی کہانیوں کو شامل کیا گیا ہے جو آفریقی ممالک میں انگریزی English میں لکھی گئی ہیں۔ شعور واحساس (Sense and Sensibility) مصنفہ جین آسٹن (Austen, Jane) ترجمہ عبدالعلیم قدوائی، ہیملٹ (Hamlet) مصنف ولیم شیکسپیئر(William Shakespeare) روسی مصنف انٹون چیخوف، فرانسیسی مصنف موپاساں(Guy de Maupassant)، کی کہانیاں بھی شامل ہیں جنھیں مختلف مترجمین نے ترجمہ کیا ہے۔ اچھوت (Untochable) مصنف ملک راج آنند(Mulk Raj Anand) اور دیگر کو شامل کیا گیا ہے

بعض افسانہ نگاروں نے کبھی ایسا کیا کہ روسی مقامات کے ناموں کو ہندوستان کے مقامات سے تبدیل کیا۔ ایسا آسکر وائیلڈ کے افسانوں کے اردو تراجم میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ کلرک کی موت، انٹون چیخوف کے افسانے میں Yalta مقام ترجمہ محمد مہدی نے ''Yalta'' ''یالٹا'' ہی کیا ہے۔ لیکن Pomeranian کا ترجمہ ''ایرانی'' کیا ہے۔ جب کہ Pomerania یوروپ کے علاقہ کا قدیم نام ہے جو جرمنی سے شروع ہو کر پولینڈ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقہ کی نسل کے کتا کا ذکر ہے لیکن مترجم نے اسے ایرانی کتا لکھ دیا ہے۔ اردو میں اس طرح کی تبدیلیاں بہت جگہ نظر آتی ہیں۔

انٹرنیٹ اور تیز رفتار حمل ونقل کی وجہ سے دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے اور اب ایک دوسرے کو جاننے کے لئے ان کے ادب کا مطالعہ کیا جارہا ہے اور یہ سب ترجمہ کے سبب ہورہا ہے۔ ترجمہ آنے والے وقت میں اور بھی بہت ترقی کرے گا اور نہ صرف نئے نئے مترجمین وجود میں آئیں گے بلکہ مشینوں کے ذریعہ سے عمدہ ترجمے ہونے کی توقع کی جارہی ہے۔

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' پر تحقیقی کام کرنے سے پہلے اس مفروضہ کو مدنظر رکھا گیا کہ ''اردو ادب کی تخلیقی اصناف یعنی ناول، ڈراما، افسانہ وغیرہ پر مغربی اور ہندوستانی زبانوں کے تراجم کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔''

تحقیق کے دوران یہ احساس ہوا کہ ''اردو افسانوی ادب پر مغربی اور ہندوستانی زبانوں کا نمایاں اثر ہوا ہے اور ساتھ ہی مترجمین نے بھی شعوری یا لاشعوری طور پر ان اثرات کو قبول کیا۔'' یہ اثرات روایتی کہانیوں کے بجائے حقیقت نگاری اور برجستہ اظہار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ نئے موضوعات کا اضافہ ہوا۔

☆☆☆

چند تجاویز:

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' پر تحقیقی کام کرتے ہوئے اس مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ نہایت وسیع موضوع ہے۔ افسانوی ادب کے میں کسی ایک صنف پر جیسے داستان، ناول یا افسانوں پر سیر حاصل جائزہ لیا جائے تو متعدد پہلو نمایاں ہوسکتے ہیں۔

دوسرے بعض مترجمین نے سینکڑوں افسانوں اور ناولوں کے تراجم کئے ہیں۔ جیسے مظہر الحق علوی وغیرہ تو کسی ایک مصنف کے تراجم پر بھی تحقیق ہو تو بہت سے تخلیقی گوشے وا کرنے میں مدد ملے گی۔

تیسرے کسی ایک تحریک کے افسانوی ادب کے تراجم پر اثرات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ جیسے رومانوی، جدیدیت پسند وغیرہ۔

چوتھے مختلف کتب خانوں میں تراجم کی اشاریہ سازی کی جاسکتی ہے۔ جیسے عثمانیہ یونیورسٹی کے تراجم کا اشاریہ۔

آخری تجویز یہ ہے کہ نوبل انعام یافتہ ادیبوں کے اردو میں تراجم پر بھی تحقیق کام کیا جائے تو ان ادبا کی خوبیوں کو اور بہتر انداز میں سمجھا جاسکے گا۔

☆☆☆

کتابیات

ابوالفرح ہمایوں مترجم،سنہری کہانیاں،(عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم)،ناشر بزم مزاح

احمد صدیق مجنوں،سنگھاسن بتیسی،ناشر منشی نول کشور،

اظہر افسر،اینڈرسن کی کہانیاں،ترقی اردو بیورونئی دہلی،1984ء

امتیاز علی مولوی، ہیملٹ،اشاعت 1925ء،

انجمن آرا انجم،آغا حشر کاشمیری کے نمائندہ ڈرامے،ناشر،ڈاکٹر انجمن آراءانجم،جولائی 2004

برام اسٹوکر،ڈیکولا،جاوید بخاری،ویب سائٹ ایڈیشن،

بشیر اختر مترجم،کشمیری افسانے،مرتبہ محمد زمان آزردہ،ناشر نیشنل بک ٹرسٹ،انڈیا

بھال چندر نیماڈے،کوسلا،مترجم:مشرف عالم ذوقی،

جمیل جالبی،اینمل فارم،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،

جین آسٹن،شعورواحساس،قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان،نئی دہلی

چندربھوشن سنگھ ترجمہ،موپاساں کے منتخب افسانے،اندین پریس لمٹیڈ،الہ آباد،۱۹۴۳ء

حامد حسن قادری مترجم،سعید نفیسی،جدید ایرانی افسانے،نگارشات،میاں،چیمبرز،3ٹمپل روڈ،لاہور

خورشید اقبال،اک شبِ آوارگی (آفریقی افسانے)،عرشیہ پبلی کیشنز،دہلی

دلیش بندھوڈوگرانوتن۔قیدی۔ساہتیہ اکادمی

سعادت حسن منٹووحسن عباس،''ویرا''،مطبوعہ دارالاحمر امرتسر،1934،

سنگھاسن بتیسی،ترجمہ پروفیسر احمد صدیق مجنوں،بہ اہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ،مطبع منشی نول کشور لکھنو

سنگھاسن بتیسی،مطبع تیج کمار وارث نول کشور لکھنو،1969ء

شفیع عقیل،چینی لوک کہانیاں،انجمن ترقی اردو پاکستان

ظ۔انصاری مترجم،چین کی بہترین کہانیاں،مکتبہ شاہرہ دہلی،ستمبر 1954ء

فخر عالم اعظمی،عکس فرنگ،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2010ء

قمر رئیس ڈاکٹر،ترجمہ کا فن اور روایت،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2004ء

کافکا کے افسانے،نیئر مسعود،ناشر آج کی کتابیں،کراچی

کرسٹوفر آشروڈ،آخری سلام،مترجمہ،محمد حسن عسکری،مکتبہ جدید،لاہور،اپریل 1948ء

محمد حامد علی خان،مولوی،ہزار داستان،ترجمہ الف لیلہ نثر،مطبع تیج کمار پریس لکھنو،اشاعت سن 1960ء

محمد مہدی مترجم،ایڈیٹر:ظ انصاری،انٹون چیخوف کی بڑی اور چھوٹی کہانیاں،بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر،ماسکو

ملک راج آنند،اچھوت۔ترجمہ م م راجندر،ناشر ساہتیہ اکیڈیمی

منظر سلیم مترجم،نئے روسی افسانے،1960ء کے بعد کی تحریروں کا انتخاب، ناشر:دارالاشاعت۔تاشقند شاخ

میکسم گورکی،اطالوی کہانیاں،بدیشی زبانوں کا اشاعت گھر ماسکو،اردو ترجمہ صابرہ،زیدی

میکسم گورکی،ماں،ناشر،بدیشی زبانوں کا اشاعت گھر،ماسکو،

میکسم گورکی ''دیوانہ ہے دیوانہ'' (ناول)۔مترجم مخمور جالندھری۔ناشر مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی۔پہلا ایڈیشن 5 اگست 1966ء

نصر ملک مرتب،طلسم شب،ناشر Aim پبلیکیشنس،گجرانوالہ،پاکستان،ویب ایڈیشن

یاسر حبیب (انتخاب افسانہ و ترتیب) عالمی ادب کے اردو تراجم،ای بک،دو جلدوں۔

''ہیملیٹ'' مترجم فراق گورکھپوری،ناشر ساہتیہ اکیڈیمی دہلی،1972ء،ص:8

☆☆☆

انٹرویو

خورشید اقبال، انٹرویو بذریعہ ٹیلی فون، 6/جولائی 2017ء

عابد معز ڈاکٹر، 15 مئی 2017ء، ٹولی چوکی حیدرآباد

فخر عالم اعظمی ڈاکٹر، بذریعہ فون، دسمبر 2017ء،

قمر جمالی، انٹرویو بذریعہ فون، اگست 2017ء

عذرا نقوی، انٹرویو بذریعہ فون، جولائی 2017ء

English Books and websits

Animal farm , George Orwell, e book , 1945.

DRACULA,by Bram Stoker, edion 1897

FOMA GORDEYEV. BY MAXIME GORKY Translated from the Russian By HERMAN BERNSTEIN. New York : J. S. OGILVIE PUBLISHING COMPANY, 1901

Franz Kafka,The Complete Stories,Translated by Willa and Edwin Muir, Ebook

GOODBYE TO BERLIN , CHRISTOPHER ISHERWOOD,Ebook

Hans Christian Andersen, The Tinder Box, http://www.andersen.sdu.dk

Mother, Maxim Gorky, Ebook(/www.gutenberg.org

Oscar Wilde.,Vera; or, The Nihilists,Published 1902

Papa, Snake & I, B.L. Honwana, web edition.

Selected Stories of Lu Hsun,By Lu Hsun,[The True Story of Ah Q,and Other Stories (written 1918-1926)] translated by. Yang Hsien-yi and Gladys Yanz.

Sense and Sensibility , Austen, Jane Published: 1811, Ebook

Shakespeare William, Hamlet, Ebook from Feedbooks

THE LADY WITH THE DOG AND OTHER STORIES ,By Anton Chekhov Translated by Constance Garnett

The Emperor’s New Suit,by Hans Christian Andersen,http://hca.gilead.org.il/

The Necles THE ENTIRE ORIGINAL MAUPASSANT SHORT STORIES ,by Guy de Maupassant ,Translated by ALBERT M. C. McMASTER, A. E. HENDERSON, MME. QUESADA and Others,eBook or online at www.gutenberg.net.Release date October 2004

The arabian Nights, There Best Known Tales, Edited By Kate Douglas wiggin and Nora A Smith, Published October 1909., www.read.gov

Untochable, Mulk Raj Anand ,Published:1947.Huchinson International Authors, Limited

http://www.classicshorts.com/stories/TheDowry.html

"No Witchcraft for Sale" by Doris Lessing

"Seeking Her Husband at the Great Wall – A Han Folktale." Ed. D.L. Ashliman. Folktales from China. University of Pittsburgh. Web. 21 Apr. 2011. <http://www.pitt.edu/~dash/china.html#seeking>.

Hindi Books

flgklu cRrhlh‹ http://books.jkhira.com

Marathi Book

Kosla Marathi Novel , Bhalchand nimade

☆☆☆

Urdu Mein Afsanavi Tarajim
ka Tanqeedi Jaaeza

(A Critical Analysis of Fictional Translations in Urdu)

Thesis submitted for the award of the Degree of

Doctor of Philosophy
in
Translation Studies

Year-2018

By

MOHAMMED KALIM MOHIUDDIN

Under the Supervision of

Dr.Kahkashan Latif

Department of Translation
School of Languages, Linguistics and Indology
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY
Hyderabad-500 032-INDIA

تلخیص(Abstract)

اُردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ

Urdu Mein Afsanavi Tarajim ka Tanqeedi Jaaeza

مقالہ برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی

(مطالعات ترجمہ)

2018ء

مقالہ نگار

محمد کلیم محی الدین

En.No.A160983

نگراں

ڈاکٹر کہکشاں لطیف

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ترجمہ

شعبہ ترجمہ

اسکول برائے السنہ' لسانیات و ہندوستانیات

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد 500 032، تلنگانہ، انڈیا

تلخیص

کسی بھی سندی تحقیق میں مقالہ کی تیاری اہم مرحلہ ہوتا ہے۔سب سے پہلے موضوع کا انتخاب ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں شفیق اساتذہ نے مجھے افسانوں میں دلچسپی کی مناسبت سے ’’افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ‘‘عنوان دیا۔ ظاہری طور پر یہ نہایت وسیع نظر آرہا ہے۔افسانوی ادب میں داستان، ناول، ڈرامے، افسانے شامل ہیں۔آزادی کے بعد سے حال تک سینکڑوں مترجم نے کئی زبانوں میں ہزارہا کتابوں کے تراجم کئے ہیں۔ان سب کا جائزہ لینا یقیناً سمندر کو کوزے میں سمیٹنا کے مترادف ہے۔نگران کار نے تمام کتابوں کی بجائے اہم، نوبل انعام یافتہ، ساہتیہ اکاڈمیمی ایوارڈ یافتہ اور منتخب افسانوی ادب کا جائزہ لینے کی صلاح دی۔ صرف انگریزی (English) افسانوں اور ناولوں کے اردو میں تراجم کو ہی شامل کیا گیا ہے۔دوسری زبانوں کے بھی صرف ان ہی تراجم کو شامل کیا گیا ہے جو English کی معرفت اردو میں شامل ہوئے ہیں۔’’دیگر زبانوں کے تراجم‘‘ کے عنوان سے مختصراً دیگر زبانوں کے افسانوی ادب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ان کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے بلکہ ’’اردو میں افسانوی تراجم‘‘ میں ان کی اہمیت کے پیش نظر صرف تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

موضوع کی اہمیت

ادب کی دو مشہور شاخیں ہیں۔افسانوی ادب اور دوسرا غیر افسانوی ادب۔افسانوی ادب سے انسان کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ابتداء میں مذہبی نوعیت کے قصے کہانیوں کے ذریعے سے اخلاقیات کا درس دیا جاتا تھا۔آسمانی صحیفوں میں بھی عبرت و نصیحت کے لئے قصہ، کہانیوں کو شامل کیا گیا چنانچہ قرآن مجید جو سرچشمہ ہدایت ہے اس میں بھی قصص الانبیاء اور قصوں کے ذریعہ عبرت و نصیحت کا درس دیا گیا ہے۔مثال کے طور پر سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام

کے قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔جس میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے بہت کچھ ہے اور عبرت کا سامان بھی ہے۔تفریح افسانوی ادب کی دوسری خصوصیت ہے۔انسان اپنی فکروں سے آزاد ہونے کے لئے اچھی اور عمدہ کہانیاں سن کو محظوظ ہونا چاہتا ہے۔افسانہ بیانیہ کی ایک مقبول عام صنف ہے جب کہ افسانوی تراجم باز بیانیہ کی بہترین مثال ہے۔نئے نئے قصے سننے کی چاہت میں افسانوی تراجم کو فروغ ہوا اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔

افسانہ لکھنا جتنا آسان ہے اچھا افسانہ لکھنا اتنا ہی مشکل ہے۔اسی طرح ترجمہ کرنا اگر کسی مترجم کے لئے آسان ہو بھی تو اچھا ترجمہ کرنا مشکل ہے۔افسانہ سو سال سے قبل وجود میں آیا تھا۔پریم چند اردو افسانے کے اولین مصنفین میں شامل ہیں۔جنھوں نے حقیقت پسندی کو اپنے افسانوں میں سمویا اور دیگر زبانوں سے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے افسانہ نگاروں نے مختلف زبانوں سے اردو میں افسانوی تراجم کئے۔

آزادی کے بعد بیرونی ممالک کی زبانوں سے اردو میں افسانوی تراجم بڑے پیمانے پر کئے گئے۔جن میں روسی، فرانسیسی، جرمن، چینی اور انگریزی اہم ہیں۔اس کے علاوہ مقامی زبانوں سے بھی بڑے پیمانے پر اردو میں افسانوی تراجم کئے گئے۔

ابواب کی تقسیم

پی ایچ ڈی کے لیے یہ موضوع کافی اہمیت کا حامل ہے۔جس طرح منزل پر پہنچنے کے لئے راستہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سندی تحقیق میں مقالہ تیار کرنے کے لئے خاکہ اور ابواب کی مناسب تقسیم ضروری ہوتی ہے۔مقالہ کو 5 ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اول (1): افسانوی ادب کی تعریف، تراجم کا آغاز وارتقاء

یہ پہلا باب ہے اس لیے اس مقالہ سے متعلق بنیادی باتیں اس میں شامل کی گئی۔مقالہ کا پہلا باب مقالہ سے متعلق بنیادی باتوں کی عکاسی کرتا ہے۔موضوع کی مناسبت سے اس باب میں تراجم کے آغاز وارتقاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں ہر صنف ادب کو حسب ذیل تین ذیلی عنوانات کے تحت رقم کیا گیا ہے۔

(الف) افسانوی ادب کی تعریف

(ب) افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء

(ج) افسانوی تراجم کی تفصیل

باب اول عنوان کے تحت افسانوی ادب کی مختلف اصناف جیسے داستان، ناول، ڈراما اور افسانوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔افسانوں ادب کی تعریف کے بعد افسانوی ادب کے تراجم کا آغاز وارتقاء رکھا گیا ہے۔اردو میں اس افسانوی ادب کا آغاز کیسے ہوا اس پر بحث کی گئی۔ ہر صنف سخن کے آخر میں تراجم کی مختصر تفصیل بیان کی گئی ہے۔

باب دوم (2): افسانوی تراجم کی اہمیت

افسانوی ادب کی تعریف، اس کے آغاز وارتقاء کے بعد اس کی اہمیت پر دوسرا باب باندھا گیا ہے۔اس باب میں افسانوی تراجم کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔مختلف میدانوں میں جیسے ادبی۔سماجی وثقافتی۔تاریخی۔سوانحی وغیرہ کو اس باب میں شامل کیا گیا ہے۔

کسی بھی زبان کے ادب کو ہمیشہ دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کا عمل جاری رہنا چاہئے۔ دوسری زبانوں کی کہانیاں ادب میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں ۔ وہیں دوسری تہذیب ،تمدن اور ثقافت سے واقفیت کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ تخلیق کی طرح ترجمہ کے ذریعہ سے ایک اچھا ادب سامنے آتا ہے۔ترجمہ کی ادبی اہمیت ایسی ہے جیسے کسی انسان کو زندہ رہنے کے لئے پانی ضروری ہے۔انسان کو نیا سیکھنے اور جاننے کی ہمیشہ سے ہی جستجو رہی ہے اسی جستجو نے اسے مختلف مما لک کا دورہ کرنے کے لئے اکسایا ہے۔نئی نئی کہانیاں سیکھنے کے لئے اسے ترجمہ کا سہارا لینا پڑا۔غرض اس باب میں ترجمہ کی ادبی، سماجی اور تاریخی وغیرہ میں اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب سوم (3): اردو میں افسانوی ادب کے تراجم کی روایت

تیسرا باب افسانوی ادب کی روایت سے متعلق ہے۔اس باب میں ترجمہ کی ہندوستان میں روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔اسے مزید دوشاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف)   اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم ہوئے

اہم بیرونی زبانیں جن سے اردو میں تراجم کے شواہد ملتے ہیں ان پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی۔ بیرونی زبانوں میں فرانسیسی، انگریزی، روسی، جاپانی اور جرمن وغیرہ شامل ہیں۔

(ب)   اہم ہندوستانی زبانیں جن سے اردو میں تراجم ہوئے

اس کے تحت علاقائی زبانیں آتی ہیں جیسے ہندی، مراٹھی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، کشمیری، تامل، ملیالم اور تلگو وغیرہ۔ ان زبانوں سے بھی اردو میں ترجمے ہوئے ہیں۔ ان تمام زبانوں کا مختصر لیکن اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔

باب چہارم (4): اُردو میں افسانوی ادب کے تراجم کا تنقیدی جائزہ

اس باب میں افسانوی ادب کے مشہور، نوبل انعام یافتہ، ساہتیہ اکاڈمی انعام یافتہ، اور منتخب تراجم کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ اس کو مختلف اصناف کی زمانی ترتیب کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔ سب سے قدیم صنفِ سخن کو پہلے رکھا گیا ہے اس کے بعد دوسری اور ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے

(الف) داستان۔ داستانیں دیگر اصناف کے مقابلہ بہت کم ترجمہ ہوئی ہیں اس لئے اسے کم ہی شامل کیا گیا ہے۔

(ب) ڈرامے۔ مشہور ڈراما نویس شیکسپیئر کے ڈراموں کے اردو تراجم کا انتخاب اس میں شامل کیا گیا ہے جب کہ دیگر چند ڈراموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

(ج) افسانے۔ افسانے مقبول عام صنف ہے۔ یہ سب سے زیادہ ترجمہ ہوئے ہیں۔ صرف منتخب افسانوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(د) ناول۔ ادبی دنیا میں ناول نے تہلکہ مچا دیا۔ مشہور انعام یافتہ اور مقبول ترین ناولوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ اصل باب ہے۔ اس میں صفحات کی تعداد اور مواد دیگر ابواب کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ تکنیکی، متنی اور عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ کن افسانوں یا ناولوں نے سماج پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ ادبی اہمیت کا بھی جائزہ لیا گیا۔

باب پنجم (5): حاصل مطالعہ ہے۔

آخر میں کتابیات کو رکھا گیا ہے۔جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست حروف تہجی کی ترتیب سے رکھی گئی ہے۔

تحقیق کا پہلا مرحلہ مواد کی فراہمی ہوتا ہے۔مواد کی فراہمی میں شہر اور بیرون شہر کی لائبریریوں پر جا کر کتابوں کا مطالعہ کیا گیا۔ شہر حیدرآباد کی لائبریریوں ''سنٹرل لائبریری''، ''عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری''، ''سنٹرل یونیورسٹی لائبریری''، ''ادارہ ادبیات اردو''، ''سالار جنگ میوزیم لائبریری'' کا دورہ کیا گیا۔

لائبریریوں میں آزادی کے ترجمہ شدہ کتابیں نایاب تھیں۔ترجمہ کی کتابیں کم ہی تھیں اور جو تھیں وہ قدیم تھیں۔

بعض لائبریریوں میں فہرستیں بھی موجود تھیں۔قدیم کتابوں کی فہرست میں داستانیں، مثنویاں، وغیرہ شامل ہیں۔

سالار جنگ میوزیم کی مطبوعہ کتابوں کے شعبہ میں ترجمہ شدہ کتابوں کا مطالعہ کیا گیا۔جہاں پر قدیم کتابیں ہی موجود تھیں۔جن میں اہم حسب ذیل ہیں

1۔باغ و بہار، قصہ چہار درویش، میر امن دہلوی، 1294ء

2۔بوستان خیال۔9 جلدیں، مرزا محمد عسکر عرف چھوٹے آغا،

3۔طوطا کہانی۔سید حیدر بخش حیدری

4۔طلسم ہوش ربا۔منشی احمد حسین قمر

5۔کوہ قاف کی پری۔جمال دوشیزہ۔محمد بدیع الدین

ایک نسخہ ''باغ و بہار'' مترجم میر امن دہلوی کا موجود ہے جسے ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) نے مرتب کیا جسے گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔[1]

مذکورہ بالا کتابوں میں فارسی سے اردو میں ترجمہ کئے گئے کتابوں کے تراجم زیادہ ہے۔مطبوعہ کتابوں کے سیکشن میں میر عباس علی نے کتابوں کی فہرستیں بھی فراہم کیں جن میں زیادہ تر تراجم قدیم ہی تھے۔انگریزی زبان سے کئے گئے تراجم یہاں زیادہ نظر نہیں آئے۔

---

[1] سالار جنگ میوزیم کی مطبوعہ کتابوں کی لائبریری، 31/اکتوبر 2016ء

مختلف ادیبوں اور افسانہ نگاروں سے راست اورفون پر ملاقات کرتے ہونے سے موضوع سے متعلق کتابیں اور مواد حاصل کیا گیا۔جن میں خورشید اقبال (کولکتہ) سے رابطہ قائم کر کے ان کی آفریقی تراجم کے بارے میں بات کی گئی ۔انھوں نے افریقی افسانوں کو جو انگریزی میں لکھے گئے کا ترجمہ کیا ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ مختلف ویب سائٹ پر موجود کتابوں کا مطالعہ کیا گیا۔آزادی کے بعد افسانوی تراجم کا کام زیادہ تر پاکستان میں ہوا۔ ادارہ ''قومی مقتدرہ پاکستان'' نے اس جانب خاص توجہ کی۔اردو چوں کہ پاکستان کی قومی زبان تھی اس لئے دیگر زبانوں کے تراجم اردو میں کئے گئے۔ساتھ اردو پڑھنے والوں کی تعداد بھی کافی تھی اس لئے وہاں پر اردو تخلیقی ادب اور تراجم کا کام زیادہ ہوا۔آزادی کے بعد خاص طور پر 1960 سے 2000ءتک اردو کے ماہنامہ رسائل کافی مقبول تھے۔خلیجی ممالک میں جب برصغیر ہندوپاک سے لوگوں کام کی تلاش میں جانے لگے۔وہاں پر کام کرنے کے بعد فرصت کے اوقات میں تفریح کا واحد ذریعہ یہ ضخیم اردو ڈائجسٹ ہوا کرتے تھے۔زیادہ تر ناول،افسانے وغیرہ 1970 کے بعد ہی ترجمہ ہوئے۔زیادہ ڈائجسٹ انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ پاکستان کی ویب سائٹ پر بڑی تعداد میں ترجمہ شدہ ناول اور افسانے موجود ہیں۔ان میں کئی مشہور اور نوبل انعام یافتہ ناول بھی ہیں۔ان میں چند کا انتخاب کیا گیا ہے۔

مشہور ویب سائٹس سے استفادہ کیا گیا جن میں www.rekhta.org کافی مشہور ہے۔یہاں پر ترجمہ شدہ کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔اس کے علاوہ متعدد ویب سائٹس موجود ہیں جہاں پر ای بکس موجود ہیں۔ان ویب سائٹ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

داستانیں اردو کی قدیم صنف ہیں۔ان کے تراجم آزادی سے پہلے پہل ہوئے ہیں۔آزادی کے بعد ناول کا آغاز ہو گیا تھا۔انگریزی ادب کے تراجم شروع ہو گئے تھے اس لئے لوگ حقیقت پسند ادب اور جدیدیت کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔داستانوں میں مافوق الفطرت عناصر ہوتے تھے۔جدیدیت کے علمبرداروں نے ایسے ادب کی مخالفت کی اور اس کے بجائے حقیقت پسند ادب وجود میں آئے۔حقیقت پسندانہ ناول اور افسانے لکھے گئے۔زیادہ انگریزی ادیبوں نے روسی انقلاب سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔مزدوروں اور کمزوروں پر ناول اور افسانے لکھے گئے۔

روسی انقلاب کی جھلک روسی افسانوں اور ناولوں میں بڑے پیمانے پر نظر آتی ہے۔سعادت حسن منٹو نے ''ویرا''

ڈرامے کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ڈراما روسی انقلاب اور مزدوروں کے حقوق کی عکاسی کرتا ہے۔

ٹالسٹائی (پیدائش 9 September1828، وفات 20 November 1910) کی کہانیاں اپنے اندر کافی انقلابی کافی تاثر رکھتی ہے۔ انھوں نے ناول، ڈرامے اور افسانے لکھے ہیں۔ ان کے ناولوں میں وار اینڈ پیس War and peace(1869) اور انا کیرانینا Anna Karenina(1877) کافی مشہور ہیں۔ انھوں نے 6 ڈرامے لکھے ہیں۔

ناول جنگ اور امن لیو ٹالسٹائی کا مشہور ناول ہے۔ اس کا ترجمہ فیصل اعوان نے کیا ہے۔ اس کے پبلشر فکشن ہاؤس لاہور ہے۔ اس کی اشاعت 2013 میں عمل میں آئی۔ یہ طویل ناول کا ترجمہ ہے۔ 1171 صفحات پر مشتمل ہے۔ انا کیرانینا، لیو ٹالسٹائی کا شاہکار ناول ہے۔ اس کا ایک ترجمہ تقی حیدر نے کیا 2013ء میں اشاعت اس کے ناشر فکشن ہاؤس لاہور ہے۔

انٹون چیخوف Anton Pavlovich Chekhov کی پیدائش 29 جنوری 1860 اور موت 15 جولائی 1904 کو ہوئی۔ چیخوف نے ڈرامے، ناول اور افسانے لکھے ہیں۔ چیخوف کے کئی شاہکار افسانے ہیں۔ ان میں ''خادمہ'' بھی شامل ہے۔ چیخوف نے روسی خادمہ ''وارکا'' کی داستانِ غم بیان کی جو ایک تیرہ سالہ لڑکی ہے۔

میکسم گورکی مارچ 1868ء نے ناول ڈرامے اور افسانے لکھے ہیں۔

ڈراما میں شیکسپیئر کا نام نہایت اہم ہے۔ انھوں نے شاہکار ڈرامے لکھے ہیں۔ ان کے ڈراموں میں اخلاق کا درس بھی نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ''ہیملٹ'' کی مثال دی جا سکتی ہے۔ ''ہیملٹ'' مشہور ڈراما ہے۔ یہ ایک شہزادہ کی کہانی ہے جس کے باپ کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس کی ماں اپنے شوہر کے بھائی سے شادی کر لیتی ہے۔ شہزادہ ہیملٹ کافی پریشان ہو جاتا ہے۔ اسے کئی غم زندگی میں ملتے ہیں۔ باپ کی اچانک موت، ماں کا چچا سے جلد شادی کر لینا۔ خود بادشاہ نہ بننا۔ دنیا میں اسے ہر طرف بہت سے غم نظر آتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ خودکشی کر لے۔ لیکن وہ سوچتا ہے کہ انسان کو زندہ رہنا چاہئے یا مر جانا چاہئے۔ آخرکار وہ اپنے باپ کے قاتلوں کو سبق سکھانے کا طے کر لیتا ہے۔ جب تک اسے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں یقین نہیں ہو جاتا کہ انھوں نے ہی قتل کیا ہے وہ اسے قتل نہیں کرتا۔ اس طویل ڈرامے کے آخر میں وہ اپنے باپ کا انتقام لے لیتا ہے اور چچا کو قتل کر دیتا ہے۔ ادھر اس کی ماں بھی خودکشی کر لیتی ہے۔

لڑائی میں شہزادہ ہیملٹ بھی زہر آلود تلوار سے زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنے دوست کو بادشاہ بنا کر خود اس دنیا سے ہمیشہ کی دنیا میں منتقل ہو جاتا۔

ایک ڈراما ''ویرا'' Vera کے نام سے آسکر وائیلڈ Oscar Wilde نے لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ سعادت حسن منٹو نے کیا ہے۔ انقلابِ روس کی جھلک اس ڈرامے میں نظر آتی ہے۔ باقی بادشاہ کو قتل کرنے کے لئے آتے ہیں۔

ناولوں میں اینمل فارم (Animal Farm) سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مصنف جارج آرویل (George Orwell) ہیں۔ 1917 کے روسی انقلاب کو تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جانور انسانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں۔ اینمل فارم کا مالک سے ایک دن وہ سب آزاد ہو جاتے اور سوروں کی حکومت ہو جاتی ہے۔ لیکن آزادی کی جدوجہد کے دوران جو باتیں طے ہوتی ہیں اسے وہ فراموش کر دیتے ہیں اور جس طرح انسان جانوروں کا استحصال کر رہے تھے اسی طرح اب سور جانوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کا دودھ پیتے اور بستروں پر سوتے ہیں۔

افسانوں کے تراجم کا آغاز آزادی سے قبل ہو چکا تھا۔ انگریزی سے اردو میں منشی پریم چند نے بھی تراجم کئے۔ ابتداء میں سعادت حسن منٹو کا رجحان روسی ادب کی طرف انھوں نے روسی افسانوں کے تراجم کئے۔ بعض ادیبوں نے چینی ادب سے بھی اردو ادب کو روشناس کرایا۔ ابتداء میں تراجم کم ہی ہوئے لیکن اردو ڈائجسٹ کے دور میں بڑے پیمانے پر اردو افسانوں کے تراجم ہوئے۔

انٹرنیٹ کی آمد کے بعد یہ تراجم آن لائن بھی دستیاب ہوئے۔ فیس بک اور بعض ویب سائٹس پر بھی تراجم دستیاب ہوئے۔ یہ تراجم نوبل انعام یافتہ انگریزی و دیگر ادب کے مصنفین کی کہانیوں کے ہیں۔ ایک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' کے نام سے فعال ہے جس نے انگریزی و دیگر زبانوں کے مشہور و معروف ناول اور افسانوں کے تراجم کئے ہیں۔ برقی کتابوں Ebooks کے علاوہ ان افسانوں کے مجموعہ کو کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا۔ دو جلدوں پر مشتمل افسانوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ افسانے مابعد جدیدیت کی عمدہ مثالیں ہیں۔ انسان انسانیت سے عاری بنتا جا رہا ہے اور جس طرح مشین کا مقصد صرف کام کرنا ہوتا ہے اس طرح انسان صرف نوٹ کمانے کی مشین بنتا جا رہا ہے۔ اس کے سینے میں جو کبھی دل ہوا کرتا تھا وہ اب نہیں رہا۔ بلکہ صرف خون سپلائی کرنے والی ایک مشین بن کر رہ گیا ہے۔ لوگ زندہ انسانوں کو مرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ مر جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ارے بے چارہ

مر گیا بھوک سے۔ کاش کوئی اسے کھانے کو دے دیتا۔ اچھے کام کی شروعات ''کسی اور'' کے سپرد کر دیتے ہیں اور خود کچھ کرنے کے لئے آگے نہیں آتے۔ روسی شاہکار افسانوں سے لے کر امریکی اور جرمن افسانوں میں غریب اور متوسط طبقے پر مظالم کی داستانیں نظر آتی ہیں۔

جرمن ادیب مصنف فرانز کافکا کا افسانہ 'بالٹی سوار' (The Bucket Rider) یہ ایک جدید افسانہ ہے۔ بے رحم سماج پر شدید تنقید کی گئی ہے۔ شدید سردی ہے اور اس سردی میں آتش داں ہی واحد ذریعہ ہے گرمی حاصل کرنے کا ایسے میں کہانی کا ہیرو خود کلامی میں کہتا ہے کہ اب اس سردی سے بچنے کے لیے اس کے آتش داں میں کوئی گرمی نہیں ہے اور اس میں ڈالنے کے لیے اس کے پاس کوئلہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی اسے خریدنے کے لیے پیسے ہیں۔ وہ دکاندار کے پاس جاتا ہے تاکہ کچھ کوئلہ ادھار مانگ لائے۔ اپنی مجبور کو دیکھتا ہے اور خالی بالٹی اٹھا کر وہ اس طرح چلتا ہے کہ وہ خالی اور ہلکی بالٹی میں خود کو محسوس کرتا ہے۔ جب وہ مجبوری کے عالم میں کوئلہ والے سے کوئلہ ادھار مانگتا ہے تو کوئلہ والے کی بیوی کہتی ہے کہ سردی کی وجہ سے کوئی سڑک پر نہیں ہے اور ہمیں اب دکان بند کر دینا چاہیے۔ خراب کوئلہ اور تھوڑا کوئلہ بھی وہ ادھار دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے اور اس کڑاکے کی سردی میں وہ بالٹی لے کر واپس آتا ہے اور ہمیشہ کے لیے سرد ہو جاتا ہے۔

اسی کی بازگشت ایرانی افسانہ ''دم واپسی'' میں نظر آتی ہے۔ اس افسانہ کو سعید نفیسی نے لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ حامد حسن قادری نے کیا ہے۔ 'دم واپسی' یہ کہانی انسانوں کے دلوں سے ایک دوسرے کے لئے رحم کے ختم ہونے کو بیان کرتی ہے۔ آج ہر انسان کو صرف اپنی پڑی ہے۔ خودغرضی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ مریم نہایت غریب ہے اور اسے گرمی حاصل کرنے کے لئے لکڑی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیتا۔ اس کا انجام ملاحظہ فرمائیں:

> ''چھ گھنٹے سے مریم ہر دروازے کو کھٹکھٹا رہی تھی 'آخر ایک دروازہ کھل گیا۔ وہ شاید بہشت کا دروازہ تھا۔ معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ آزادی و رہائی کا دروازہ تھا''۔[1]

چالیس دن سے سردی کو برداشت کرنے کے بعد آخر کار وہ مر جاتی ہے لیکن اس کے اطراف بسنے والے انسانوں

---

1 جدید ایرانی افسانے، سعید نفیسی، مترجم، حامد حسن قادری، نگارشات، میاں، چیمبرز، 3 ٹمپل روڈ، لاہور، ص53

کی انسانیت کو ذرا بھی ترس نہیں آتا۔کسی انسان کی جان کی قیمت بہت ہوتی ہے۔اگر کوئی ایک آدمی بھوک سے یا پھر سردی میں گرمی نہ ملنے سے مرجاتا ہے تو یہ ساری انسانیت کے لئے مایوس کن ہے۔

چینی تہذیب کی عکاسی کرتے ہوئے چینی کہانیوں کے مجموعہ ''چین کی بہترین کہانیاں'' کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ظ انصاری نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔چینی قدیم افسانے راجہ مہاراجوں کے قصوں پر مشتمل تھے۔اس کے بعد افسانوں میں وہاں کی تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔زیادہ تر افسانوں میں کے متوسط اور غریب طبقہ کی مشکلات کو اجاگر کیا گیا ہے۔محنت اور ایمانداری کا درس بھی چینی کہانیوں میں نظر آتا ہے۔

روسی کہانیوں میں حقیقت نگاری اور انقلابیت نظر آتی ہے۔میکسم گورکی کا نام اہم ہے۔میکسم نے اپنی کہانیوں کے ذریعہ حقیقت نگاری کی مثالیں پیش کی ہیں۔وہ نہ صرف مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ اس کا مناسب حل بھی بتاتے ہیں۔''اسٹرائیک''، ''ماں''اور''انتقام''ان کے شاندار افسانے ہیں۔

انگریزی ادب سے ایک کتاب''عکس فرنگ''ڈاکٹر فخر عالم اعظمی نے بھی ترجمہ کی ہے۔ اس میں عالمی ادب کے انگریزی سے اردو میں کہانیوں کے تراجم شامل ہیں۔او ہنری (o henry) کا''برگِ آخر''(the last leaf) بھی شامل ہے جس میں زندگی کا مقابلہ کرنے کی تلقین نظر آتی ہے۔ زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی سے پیار کرنا سکھایا گیا ہے۔یہ اس کہانی پر یوٹیوب پر تراجم اور اس کی کارٹون کے ذریعہ فلمبندی بھی کی گئی ہے۔اس دلچسپ کہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک لڑکی کو سردی ہو جاتی ہے لیکن دوا اس پر زیادہ اثر نہیں کرتے کیونکہ وہ اندر سے کافی اداس ہوتی ہے اور وہ ہمت ہار جاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ سردی سے سامنے درخت کے سارے پتے جھڑ جائیں گے اس کے ساتھ ہی وہ بھی مرجائے گی۔اپنی زندگی کو پتوں کی طرف منسوب کرنے کی احمقانہ حرکت ایک مصور کو بھی پریشان کرتی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ یہ لڑکی زندہ رہے اور اس درخت کے ایک آخری پتہ کو وہ گرنے نہیں دینا چاہتا۔وہ مصوری کا آخری شاہکار بناتا ہے۔آخری پتے کی طرح ہوتا ہے۔وہ جیسے گرتا ہے اس کی جگہ پر مصوری کے شاہکار پتے کو اس کی جگہ پر رکھا جاتا ہے۔لڑکی جب دیکھتی ہے کہ آخری پتہ ابھی نہیں گرا تو وہ سمجھتی ہے کہ ابھی وہ نہیں مرنے والی ہے۔پھر دھیرے دھیرے وہ روبہ صحت ہو جاتی ہے لیکن مصور سردی کے سبب مرجاتا ہے۔ایثار و ہمدردی کا جذبہ اس میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

فرانسیسی افسانوں میں ''موپاساں کے افسانے'' کو اس مقالہ میں شامل کیا گیا ہے۔ موپاساں Guy de Maupassant کے افسانے حقیقت نگاری سے پُر ہوتے ہیں۔ آخر میں چونکانے والا تاثر بھی ہوتا ہے۔ افسانہ ''جہیز'' (.The Dowry) اس کی مثال ہے۔ ایک نوجوان خود کو اچھا ظاہر کرتا ہے۔ ساری اچھائی کو ظاہر کرنے کے بعد اپنے نو بیاہتا بیوی کو لے کر ہنی مون پر جاتا ہے جہاں پر وہ اپنی بیوی کو تن تنہا چھوڑ دیتا ہے ساری جائیداد اور سب کچھ لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

اردو ادب پر مغربی ادب کے اثرات ترجمہ کے ذریعہ سے مرتب ہوئے۔ اسی جانب توجہ دیتے ہوئے ڈاکٹر شہناز شاہین لکھتی ہیں:

> ''گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ اردو افسانہ نگاروں نے براہ راست یا مغرب کے شاہکاروں کے تراجم کے ذریعے مغربی افسانہ نگاروں کے فن و تکنیک کو اپنے فن میں اسیر کر کے اردو افسانے کو وسیع و عمیق اور لطیف پس منظر دیا۔ انھوں نے روسی، فرانسیسی افسانہ نگاروں کی حقیقت پسندی و انسانی محبت کے جذبہ، جیمس جوائس و پراؤست کی نفسیاتی کردار نگاری اور شعور کی رو کا نظریہ، ڈی ایچ لارنس کے جنسی جذبوں کی تسکین اور مادی نتیجوں کی مصوری، فرائڈ کی نفسیات، مارکس کا معاشی نظریہ کافکا کا علامتی و تجریدی انداز، سارتر و ہمنگوے کے فلسفہ وجودیت کو اردو افسانہ نگاری میں متعارف کرایا۔'' [1]

مذکورہ بالا اقتباس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اردو ادب پر انگریزی ادب کے اثرات رونما ہوئے ہیں۔ انھوں نے انگریزی ادیبوں کے نظریہ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ ان نظریات کا اردو ادب میں استعمال ہونے لگا جو کہ پہلے نہیں کیا جاتا تھا اور صرف ترجمہ کے ذریعہ سے یہ متعارف ہوا اور اردو ادب میں مستعمل ہونے لگا۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو ادب پر انگریزی ادب کے جو اثرات رونما ہوئے ہیں وہ ترجمہ کے ذریعہ ہوئے ہیں۔ انگریزی ادب میں نظریات، جدیدیت، حقیقت نگاری وغیرہ کو یہاں کے اردو ادب میں خوب پذیرائی ملی۔ منشی پریم چند اور سعادت

1۔ ڈاکٹر شہناز شاہین، اردو افسانے پر مغربی ادب کے اثرات، ناشر تخلیق کار پبلشرز، سن اشاعت 1999ء، صفحہ 9

حسن منٹو کی یہاں پر مثال دی جاسکتی ہے جنھوں نے انگریزی ادب کا راست مطالعہ کیا۔انگریزی ادب کے شاہکاروں کے ترجمے بھی کئے۔جس کے اثرات شعوری و لاشعوری طور پر ان کے طبع زاد افسانوں میں بھی نظر آتے ہیں۔انگریزی کی معرفت انھوں نے روسی اور فرانسیسی ادب کے افکار و تکنیک کو بھی اپنایا۔

افریقہ سیاہ، محنت کش اور غریبوں افراد کے ممالک کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کے مختلف افسانہ نگاروں کے منتخب افسانوں کا انتخاب خورشید اقبال نے کیا ہے۔ روسی، چینی اور برطانوی وغیرہ کے افسانوں کے تراجم تو اکثر ہوتے ہی رہے ہیں اس لئے انھوں نے آفریقی ممالک کی کہانیوں کا انگریزی کے معرفت اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس مجموعہ کا نام ''اک شبِ آوارگی'' ہے۔ اس کے ناشر عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ہیں۔ یہ کتاب 304 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں کتاب کے تعلق سے عرض حال مصنف نے لکھا ہے۔ اسی حصہ میں حیدر قریشی، معید رشیدی اور فیاض احمد وجیہہ کے کتاب سے متعلق مضامین شامل ہیں۔ دوسرے حصہ میں 13 افسانوں کے تراجم شامل ہیں۔ یہ افسانے افریقہ کے ملک سے وابستہ ہیں اس کی تفصیل بھی فہرست میں درج ہے۔ افسانے افریقی ممالک میں English میں لکھے گئے تھے۔ آخری حصہ خصوصی مطالعہ کے زیرعنوان شامل کیا گیا ہے۔ اس میں افریقی ادب پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ عصری افریقی افسانوں کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اسی حصہ کے آخر میں اس کتاب میں شامل افسانہ نگاروں کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تصاویر بھی شامل کئے گئے ہیں۔

''سنہری کہانیاں'' (عالمی ادب کی لاجواب کہانیوں کے تراجم) کا مجموعہ ہے جسے ترجمہ ابوالفرح ہمایوں نے کیا ہے۔ اس مجموعہ میں انگریزی، بنگلہ، پنجابی، ہندی، فارسی، ہندی، جرمن، چینی، ہسپانوی، ترکی، اطالوی اور فرنچ زبانوں کی کہانیوں کے اردو میں تراجم شامل کئے گئے ہیں۔

''ابوالفرح ہمایوں نے ایسے افسانوں کا انتخاب کیا ہے جو عام قارئین کے ذوق اور معیار پر پورے اتر سکیں۔ مثال کے طور پر پہلی کہانی 'یادگار' ہے۔'' ''A conversation with my brother'' کا ترجمہ جسے Flora James نے لکھا ہے۔ یہ کہانی ایک لڑکی ہے جو چاہتی ہے کہ شاعر بنوں لیکن اسے کیمسٹری پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کی دلی خواہشات کو کچلا جاتا ہے۔ کیمسٹری لیاب میں اس کی آنکھیں اس کے چھوٹے بھائی گلبرٹ کی وجہ سے چلی جاتی ہے جو کہ غلط طریقہ سے ٹیوب کو گرم کر رہا تھا۔ گلبرٹ کی وجہ سے اس کہانی کے مرکزی کردار کی ماں کا

بھی انتقال ہوجاتا ہے۔ وہ کیمسٹری میں ایک ایسے درخت کے بارے میں جانتی ہے جس کا زہر بہت خطرناک ہے۔ وہ ہمیشہ اس درخت کے ساتھ رہتی ہے لیکن گلبرٹ جب اسے کٹوادیتا ہے۔ اپنے چھوٹے بھائی کی حرکتوں سے وہ بہت پریشان ہوجاتی ہے جو گھر کو فروخت کردیتا ہے۔ اس درخت کی تین شاخوں کو کباب بنانے کے لئے دیتی ہے۔ دراصل یہ درخت کی شاخیں جن پر کباب بھنا جاتا ہے ایک قسم کا زہریلا اثر رکھتی ہے جو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بھی پتہ نہیں چلتا۔ یعنی گلبرٹ کی بہن اپنے ظالم وجابر بھائی کا قتل کردیتی ہے اور کسی کو اس کی بھنک بھی نہیں لگنے دیتی۔

سنہری کہانیاں واقعی سنہری ہیں۔ ان میں پلاٹ، کردار نگاری، حقیقت نگاری، مکالمہ نگاری سب کچھ ہے۔ ان کہانیوں میں قاری کی دلچسپی کے سامان بھی ہیں۔ ساتھ کئی کہانیوں میں انھیں چونکا دینے والے نتائج بھی سامنے آتے ہیں۔ کہانی کے ختم ہونے کے بعد انسانی دماغ میں چلتی رہتی ہے۔

اردو میں افسانوی تراجم زیادہ تر ویب سائٹ پر پڑھے جاتے ہیں۔ فیس بک پر بہت سے ادیبوں نے انگریزی و دیگر زبانوں سے افسانوں کے تراجم کرکے پوسٹ کئے ہیں۔ کئی معیاری اور نوبل انعام یافتہ ادیبوں کی کہانیوں کو اردو کے ادیبوں نے ترجمہ کرکے اسے پیش کیا ہے۔ اس طرح کا ایک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' کے عنوان سے دوجلدوں پر مشتمل کتابیں بھی شائع کرچکا ہے۔ جس میں بہت ہی عمدہ کہانیاں ہیں۔

پہلی جلد میں حصہ اول اور دوم ہے جس میں کل 50 افسانے شامل ہیں۔ یہ افسانے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے۔ فرانس، روس، اٹلی، نائجیریا، امریکہ، چلی، آئرلینڈ، کینیڈا، ٹرینی ڈاڈ، ترکی، ہندوستان، ارجنٹائن، ایران، چیک ریپبلک، سویڈن، فرانس، کولمبیا، میکسیکو، مصر، افغانستان، سوڈان شامل ہے۔ اس جلد کی تمام کہانیاں عصری تقاضوں کی عکاسی کرتی ہے۔ ادیب اپنے اطراف ہونے والے واقعات سے متاثر ہوکر لکھتا ہے۔ یہ بات یہاں صادق آتی ہے۔ روزمرہ کے موضوعات کو یہاں پیش کیا گیا ہے۔ بے گناہ، لاٹری، شاعر کی موت، تھکے ہوئے آدمی کی منزل، شکستہ شاخیں، قیدی کی وردی، خفیہ معاہدہ اور ریل گاڑی وغیرہ اسی جلد کی کہانیاں ہیں۔ اس کتاب میں سعادت حسن منٹو کی ترجمہ شدہ ایک کہانی بھی شامل کی گئی ہے۔ ''چھبیس مزدور اور ایک دوشیزہ'' یہ روسی کہانی ہے جسے میکسم گورکی نے لکھا ہے۔ ہندوستانی ایک کہانی شامل ہے جسے خوشونت سنگھ نے لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ کرنے والے کا نام نہیں ہے۔ ان کہانیوں کے English ناموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

''دیگر زبانوں کے تراجم'' کے تحت ہندوستانی زبانوں کے افسانوں کی اردو زبان میں تراجم بھی کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کثیر لسانی ملک ہے جہاں پر مختلف زبان و ادب کے لوگ آباد ہیں۔ مختلف زبانوں کی تہذیبوں اور روایتوں کی کہانیاں ان کی زبان میں محفوظ ہے اسے دوسری زبان والوں تک پہنچانے کے لئے ترجمہ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک مختلف زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے منتخب کہانیوں کو ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں شامل کیا گیا ہے۔ ''کشمیری افسانے'' کشمیری افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جسے محمد زمان آزردہ نے مرتب کیا ہے۔ ''کشمیری افسانے'' کے اردو میں تراجم نیشنل بک ٹرسٹ کا ہندوستانی کتابوں کے سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔ کتاب ''کشمیری افسانے'' میں 24 افسانے شامل ہیں۔ اس ترجمہ بشیر اختر نے کیا ہے۔ ''کشمیری افسانے'' کا پہلا اردو ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا۔ کشمیر میں پائی جانے والی بے چینی بھی ان افسانوں میں نظر آتی ہے۔ جنت نشان علاقہ اپنی خوبصورتی کے لئے دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے لیکن امن دشمن عناصر کے چلتے یہاں سیاحت وقتاً فوقتاً ختم ہو جاتی ہے اور عام زندگی مفلوج ہو جاتا ہے۔ اختر محی الدین کا افسانہ ''ہو کا عالم'' بھی اسی طرح کا افسانہ ہے۔ جس میں ''چوزہ کی موت'' کے ذریعہ انسانوں پر مظالم کا تمثیلی خاکہ پیش کیا ہے۔ ایک اور افسانہ ''پت جھڑ کی آندھیاں'' جو امین کامل کا ہے اس میں بھی زندگی کی جدوجہد کو بیان کیا گیا ہے۔ ''کرفیو'' رتن لال شانت کا افسانہ ہے۔ کرفیو کے دوران ہونے والی صعوبتیں اس افسانہ کا موضوع ہے۔ عوام کو کھانے پینے کی تک تکلیف ہوتی ہے۔ لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے۔ کھانے کی پینے کی اشیاء نہیں ملتی یہاں تک کے دوائیں بھی مشکل سے ملتی ہیں۔ نمائندہ کشمیری مصنفین کے منتخب افسانوں کے انتخاب کو ''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' میں شامل کیا گیا ہے۔ ان افسانوں میں کشمیری کی خوبصورتی کے ساتھ اس کے پیچھے چھپا ہوا غم والم بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ مترجم چاہتے تھے کہ انسانی رابطوں اور یکجہتی اقوام کے کی حوصلہ افزائی ہو اس لئے انھوں نے ان ممالک کی کہانیوں کو جمع کیا اور ان کا ترجمہ کروا کر شائع بھی کروایا۔ یہ کہانیاں نمائندہ ادیبوں کی ہیں جن کو مختلف مترجمین نے ترجمہ کیا ہے۔ کہانیوں میں زماں ومکاں کی جھلک کے علاوہ عالمی مسائل بھی نظر آتے ہیں۔ ایرانی افسانوں میں 'جدید ایرانی افسانے'' سعید نفیسی کے شامل ہیں۔ اس کا ترجمہ حامد حسن خان نے کیا ہے۔ ان افسانوں میں مابعد جدیدیت نظر آتی ہے۔ کہانیوں کے ذریعہ اخلاقی تربیت کا کام بھی لیا گیا ہے۔ ماحول کو سدھارنے اور آس پاس کے لوگوں مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں انیمل فارم(Animal farm) مصنف George Orwell کا ترجمہ سید عرفان علی، ناول ڈرائیکولا(DRACULA) مصنف برام اسٹوکر(Bram Stoker)،ترجمہ: مظہرالحق، فوما گردیو(Foma Gordeyev) مصنف میکسم گورکی (Maxime Gorky) ترجمہ :مخمور جالندھری، فرانز کافکا (Franz Kafka) کے افسانے ترجمہ نیئر مسعود، آخری سلام (Goodby To Berlin) مصنف کرسٹوفر یشورڈ (Christopher Isherwood) ترجمہ محمد حسن عسکری، ہینس اینڈرس (Hans Christian Andersen) کی کہانیاں مختلف مترجمین نے کی ہیں جو فیس بک گروپ ''عالمی ادب کے اردو تراجم'' پر شامل ہیں۔ جن میں ''جادوئی ڈبہ'' (The Tinder Box ,) شامل ہے۔ ماں (The Mother) ، مصنف میکسم گورکی (Maxim Gorky) مترجم کا نام نہیں ہے اسے ماسکو سے شائع کیا گیا ہے۔ ویرا (Vera) مصنف آسکر وائیلڈ (Oscar Wilde) ، آفریقی مصنفین میں بی ایل ہانوانا(B.L. Honwana) کی کہانی ، پاپا میں اور سانپ (Papa, Snake & I)، کے علاوہ دیگر آفریقی کہانیوں کو شامل کیا گیا ہے جو آفریقی ممالک میں انگریزی English میں لکھی گئی ہیں۔ شعور و احساس(Sense and Sensibility) مصنفہ جین آسٹن (Austen, Jane) ترجمہ عبدالعلیم قدوائی، ہیملٹ (Hamlet) مصنف ولیم شیکسپیئر(William Shakespeare) روسی مصنف انٹون چیخوف ، فرانسیسی مصنف موپاساں (Guy de Maupassant)، کی کہانیاں بھی شامل ہیں جنھیں مختلف مترجمین نے ترجمہ کیا ہے۔ اچھوت(Untochable) مصنف ملک راج آنند (Mulk Raj Anand) اور دیگر کو شامل کیا گیا ہے

بعض افسانہ نگاروں نے کبھی ایسا کیا کہ روسی مقامات کے ناموں کو ہندوستان کے مقامات سے تبدیل کیا۔ ایسا آسکر وائیلڈ کے افسانوں کے اردو تراجم میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ کلرک کی موت، انٹون چیخوف کے افسانے میں Yalta مقام ترجمہ محمد مہدی نے ''Yalta'' ''یالتا'' ہی کیا ہے۔ لیکن Pomeranian کا ترجمہ ''ایرانی'' کیا ہے۔ جب کہ Pomerania یوروپ کے علاقہ کا قدیم نام ہے جو جرمنی سے شروع ہو کر پولینڈ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقہ کی نسل کے کتا کا ذکر ہے لیکن مترجم نے اسے ایرانی کتا لکھ دیا ہے۔ اردو میں اس طرح کی تبدیلیاں بہت جگہ نظر آتی ہیں۔

انٹرنیٹ اور تیز رفتار حمل و نقل کی وجہ سے دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے اور اب ایک دوسرے کو جاننے کے

لئے ان کے ادب کا مطالعہ کیا جا رہا ہے اور یہ سب ترجمہ کے سبب ہو رہا ہے۔ ترجمہ آنے والے وقت میں اور بھی بہت ترقی کرے گا اور نہ صرف نئے نئے مترجمین وجود میں آئیں گے بلکہ مشینوں کے ذریعہ سے عمدہ ترجمے ہونے کی توقع کی جا رہی ہے۔

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' پر تحقیقی کام کرنے سے پہلے اس مفروضہ کو مدنظر رکھا گیا کہ ''اردو ادب کی تخلیقی اصناف یعنی ناول، ڈراما، افسانہ وغیرہ پر مغربی اور ہندوستانی زبانوں کے تراجم کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔''

تحقیق کے دوران یہ احساس ہوا کہ ''اردو افسانوی ادب پر مغربی اور ہندوستانی زبانوں کا نمایاں اثر ہوا ہے اور ساتھ ہی مترجمین نے بھی شعوری یا لاشعوری طور پر ان اثرات کو قبول کیا۔'' یہ اثرات روایتی کہانیوں کے بجائے حقیقت نگاری اور برجستہ اظہار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ نئے موضوعات کا اضافہ ہوا۔

☆☆☆

چند تجاویز:

''اردو میں افسانوی تراجم کا تنقیدی جائزہ'' پر تحقیقی کام کرتے ہوئے اس مجھے یہ محسوس ہوا کہ یہ نہایت وسیع موضوع ہے۔ افسانوی ادب کے میں کسی ایک صنف پر جیسے داستان، ناول یا افسانوں پر سیر حاصل جائزہ لیا جائے تو متعدد پہلو نمایاں ہو سکتے ہیں۔

دوسرے بعض مترجمین نے سینکڑوں افسانوں اور ناولوں کے تراجم کئے ہیں۔ جیسے مظہرالحق علوی وغیرہ تو کسی ایک مصنف کے تراجم پر بھی تحقیق ہو تو بہت سے تخلیقی گوشے وا کرنے میں مدد ملے گی۔

تیسرے کسی ایک تحریک کے افسانوی ادب کے تراجم پر اثرات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ جیسے رومانوی، جدیدیت پسند وغیرہ۔

چوتھے مختلف کتب خانوں میں تراجم کی اشاریہ سازی کی جاسکتی ہے۔ جیسے عثمانیہ یونیورسٹی کے تراجم کا اشاریہ۔

آخری تجویز یہ ہے کہ نوبل انعام یافتہ ادیبوں کے اردو میں تراجم پر بھی تحقیق کام کیا جائے تو ان ادبا کی خوبیوں کو اور بہتر انداز میں سمجھا جاسکے گا۔

☆☆☆

Research Supervisor

Dr.Kahkashan Latif
(Assistant Professor, Department of Translation, MANUU)

Head of The Department

Prof.Mohd.Zafaruddin

Dean SLL&I

Prof.Mohd.Naseemuddin Farees